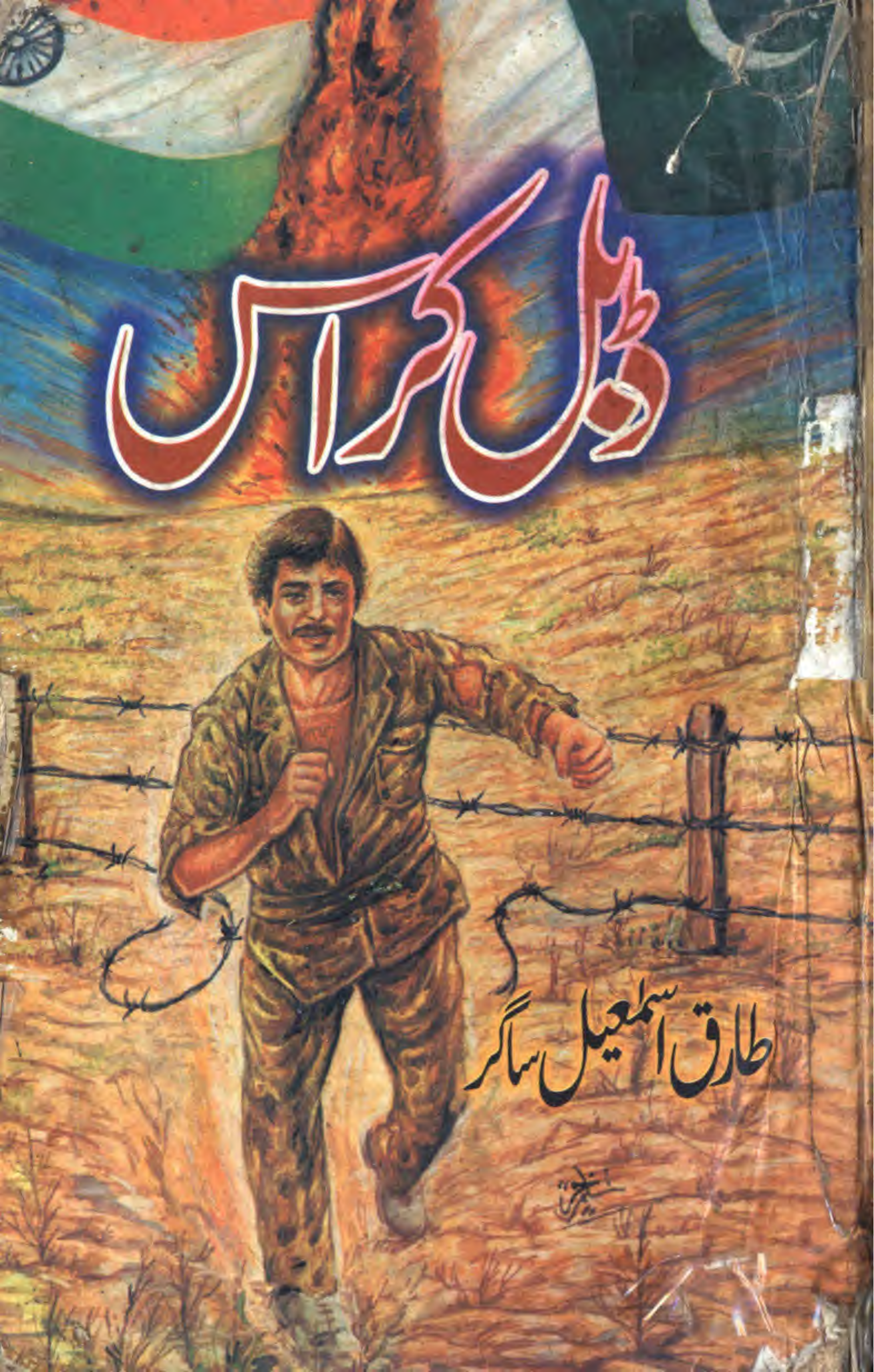
ڈل کراس
طارق اسمٰعیل ساگر

عرض مصنف

''ڈبل کراس'' لکھتے ہوئے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ کہانی یہ شکل اختیار کرے گی۔ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے لیکن بسا اوقات مصنف خود کو مخصوص حدود و قیود کا پابند نہیں رکھ سکتا۔ میرے ساتھ تو حسن اتفاق سے یہ حادثہ ہوتا رہتا ہے۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ فی البدیہہ تقریر کرنے والوں کی طرح میں فی البدیہہ لکھنے والا ہوں کہانی کا ایک خاکہ سا میرے ذہن میں موجود ہوتا ہے اور بقول غالب

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

س کے بعد میں لکھتا چلا جاتا ہوں۔

''ڈبل کراس'' شائع ہونے کے بعد اس کہانی سے متاثر ہو کر بھارت کے معروف انشور، شاعر، ادیب، فلمساز گلزار نے فلم ''ماچس'' بنائی تھی جن لوگوں نے یہ فلم دیکھی ہے وہ س کتاب کے مطالعے کے بعد شاید میری بات سمجھ سکیں گے۔

''ماچس'' کے بعد بھارتی فلم انڈسٹری نے بھارت میں موجود علیحدگی پسندوں اور زادی پسندوں کے جذبات اپنی حکومت اور عوام تک پہنچانے کے لئے تین، چار اور بڑی ہم فلمیں بنائیں۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ اس کے لئے انہیں میرے ناول ''ڈبل کراس'' سے تحریک ملی لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ گلزار کی ماچس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

مجھے علم نہیں میں نے ڈبل کراس میں بھارتی نظام جبر سے جنم لینے والی جو کہانی پیش کی ہے اسے وہاں کے اردو دان طبقے نے کیسے لیا ہے؟ یا کتنے لوگوں تک یہ کتاب پہنچی ہے لیکن ب بات ضرور کہوں گا کہ یہ ہر باشعور اور آزادی پسند انسان کے دل کی آواز ہے خواہ وہ مارلی ہو، پاکستانی یا کوئی اور--- کیونکہ زمینی سچائیاں جغرافیائی حالات کی مرہون منت ہوتی ہاس جغرافیے میں صرف موسم نہیں سماجیات، سیاسیات، عمرانیات سب کچھ شامل ہے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

باب 1

''چکی بند کر دو..... میں نے بڑے بڑے بدمعاش سیدھے کر دیئے۔ یہ کس باغ کی مولی ہے۔ ڈنڈہ بیڑی لگا دو..... دو دن میں دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔''

مٹورام نے ان سپاہیوں کو حکم دیا جو عامر کو مارتے مارتے تنگ آ چکے تھے اور اب انہوں نے باقاعدہ ہانپنا شروع کر دیا تھا خود ہردیال سنگھ کی بھی یہی حالت تھی۔

انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ شخص کس مٹی سے بنا ہے۔ دوسرے تیسرے دن وہ جیل والوں سے کوئی نہ کوئی پھڈا ڈالے رکھتا تھا۔ دہشت گرد اور مسلمان ہونے کے ناطے وہ پہلے ہی ان کی نفرت کا شکار اور خطرناک قیدی شمار ہوتا تھا۔

لیکن.....

کیا مجال جو کبھی اس نے ان باتوں کی پرواہ کی ہو۔ اس نے تو گویا قسم کھا رکھی تھی کہ وہ کبھی کچھ نہیں کرے گا جس کا تقاضا جیل والے کرتے ہیں۔ اس روز بھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔

بس! حوالدار مٹو رام آدھی رات کے قریب بیرک کے تالے کھول کر اپنے تین ملازموں کے ساتھ اندر آ گیا۔

بے چارے قیدی سارا دن کی مشقت سے تھکے ہارے اپنے اپنے ''کھڈوں'' پر گہری نیند سو رہے تھے جب حوالدار اور اس کے ساتھیوں نے زور زور سے چلا کر انہیں جگانا شروع کر

دیا۔

''چلو چلو..... مشقت آ گئی۔ چلو چلو..... اٹھو شاباش اٹھ جاؤ.....''

وہ ایک ایک سوتے ہوئے مسلمان قیدی کے پاس جا کر اس کے پاؤں کو ٹھڈے مار کر اٹھا دیتے۔

''کیا بات ہے؟''

عامر کو جب ایک ملازم نے اس طرح اٹھایا تو وہ غصے سے چیخ پڑا۔

''دیکھو میاں دماغ خراب نہ کرنا۔ دو ٹرک آئے ہیں سامان لے کر..... لنگر خانے میں مال پہنچانا ہے۔ تم ابھی دو روز پہلے ہی ''چکی'' سے آئے ہو۔ میں تمہارا دشمن نہیں لیکن بھگوان کے لئے خاموش رہو..... یہ مٹورام بڑا بدمعاش آدمی ہے۔''

جانکی داس سپاہی نے جو جیل کے باقی سٹاف سے ہمیشہ الگ دکھائی دیا کرتا تھا اس سے کہا۔

لیکن.....!

عامر کہاں چپ رہنے والا تھا۔ اس نے اپنا کمبل اتار کر ایک طرف پھینکا اور سیدھا مٹو رام کی طرف چلا گیا۔

''تمہیں کیا ساری جیل میں ایک ہی بیرک نظر آتی ہے.....''

اس نے مٹورام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا.....

مٹورام نے حیرانگی اور غصے کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا۔ ابھی اس کا عامر سے باقاعدہ تعارف نہیں ہوا تھا کیونکہ اسے سنگرور جیل سے یہاں بھیجا گیا تھا اور چارج سنبھالے پندرہ بیس روز ہی ہوئے تھے۔ آج چونکہ چکر حوالدار دیا رام چھٹی پر تھا اس لئے رات کی ڈیوٹی مٹورام نے سنبھالی ہوئی تھی.....

پرانے قیدی مٹورام سے آگاہ تھے۔

لیکن.....!

عامر اسے نہیں جانتا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ مٹورام کو عرف عام میں قصائی کہا جاتا ہے۔ اس نے سنگرور جیل میں آلارم کروا کر دو قیدی مروا دیئے تھے۔ اس سے پہلے گرداسپور جیل میں

ایک قیدی کا گلا اپنے ہاتھوں گھونٹ دیا تھا۔ درجنوں قیدی کی ہڈیاں توڑ کر وہ انہیں معذور بنا چکا تھا۔

اس پر متعدد مرتبہ کیس بھی بنے تھے۔ لیکن ہر دفعہ اس کی شاندار خدمات آڑے آئیں اور دوسری طرف اس کا سالا جوڈی' آئی' جی جیل خانہ جات کا سٹینو تھا اسے بچا لیتا.....

پندرہ بیس روز میں کسی نے اس سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی.....

یہ ناھہ جیل تھی.....

عادی مجرموں کی جیل.....

یہاں کا کوئی قیدی ایسا نہیں جو پہلی مرتبہ جیل آیا ہو۔ اس لئے یہاں کے قوانین بھی مختلف تھے۔ یہاں انسانوں کو عموماً جانور کا درجہ دیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پنجاب کی جیلوں میں بند پاکستانی حوالاتی عدالتوں سے سزا حاصل کرنے کے بعد یہاں پہنچا دیئے جاتے تھے جہاں ان کے پاؤں سے ''ڈنڈا بیڑی'' اتار کر ان کے پاؤں میں زنجیر بیڑی ڈال دی جاتی تھی۔

یہ سہولت ان پر انسان ہونے کے ناطے نہیں بلکہ ان سے مشقت لینے کے لئے دی جاتی تھی۔ کیونکہ ڈنڈا بیڑی سے مشقت نہیں ہو سکتی تھی اور جیلر صاحب ''مسلوں'' کو مفت کی روٹیاں نہیں کھلانا چاہتے تھے۔

پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے بعد انہیں پندرہ دن کے لئے ''ٹرینی'' رکھا جاتا ہے جسے وہ لوگ اپنی زبان میں ''کانی مار'' کہتے ہیں جس کے بعد انہیں عموماً ''دستی کھڈیوں'' پر مشقت کے لئے بٹھا دیا جاتا ہے۔

یہاں ہر قیدی کے لئے روزانہ بیس میٹر کا کپڑا تیار کرنا ضروری تھا۔ ہر روز شام کو ''ڈپٹی کا دورہ'' آتا جس کسی کی مشقت کم پڑتی اسے ڈپٹی کا عملہ اور ''نمبردار قیدی'' جانوروں کی طرح مارنے لگتے تھے۔ جس کے بعد اس بے چارے کو پھر اگلے روز اس کام پر بیٹھنا ہوتا تھا۔

مٹورام بڑا متعصب قسم کا کھتری تھا.....

اس کا باپ فوج میں لانس نائک تھا اور 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستانی فوج کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ تبھی سے مٹورام نے پاکستانیوں کو اپنا جانی دشمن بنا لیا تھا.....

وہ جس جیل میں بھی جاتا مسلمانوں کی بیرکوں کے لئے کوئی نہ کوئی عذاب کھڑا کئے

رکھتا۔

جیل میں رات کے کسی بھی پہر اشیائے خوردونوش کے ساتھ کسی ٹرک کی آمد معمول کی بات تھی۔

لیکن.....

گذشتہ آٹھ روز سے ٹرک آ رہے تھے اور اب تک تین مرتبہ آدھی رات کو مسلمان قیدیوں کو جگا کر ان کی نیندیں حرام کر کے انہیں لکڑیاں' آٹا وغیرہ ٹرکوں سے اتار کر گودام تک لے جانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

ایک تو غریب الوطنی نے ہی انہیں احساس محرومی کا شکار کیا ہوتا تھا جس کے بعد ناقص خوراک اور بے پناہ مشقت انہیں آدھ موا کر دیتی تھی اور رات کو انہیں بمشکل چند گھنٹے کی نیند نصیب ہوتی تھی۔

لیکن.....

ان کا چند گھنٹے کا آرام بھی ان موذیوں کو کھٹکتا تھا۔ جیل مینول کے بالکل خلاف وہ ان سے غیر انسانی سلوک کرتے تھے۔

مٹورام نے ابھی تک مسلمان قیدیوں کی بیرک کا دورہ نہیں کیا تھا۔ ابھی اس کی ڈیوٹی دوسری جگہوں پر ہی رہی تھی آج جب اسے موقعہ ملا تو اس نے جان بوجھ کر مسلمان بیرک کے قیدیوں کو اٹھانے کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ آج ان کی باری نہیں تھی

❁❁❁

مٹورام نے زندگی میں کبھی تصور نہیں کیا تھا کہ کوئی ''مسلا'' اور وہ بھی انڈین اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوگا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے گا۔

اس طرح اور اس لہجے میں تو آج تک کسی مقامی بدمعاش قیدی نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے عامر کی طرف دیکھا اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے باہر لے آئیں۔ سپاہی ''باہر لانے'' کا مقصد بخوبی جانتے تھے۔

تینوں عامر کو جانتے تھے.....

وہ اس کی ضد سے بھی واقف تھے اور ان تینوں کو اس سے ہمدردی بھی تھی۔ انہوں نے اتنا خوبصورت' قد آور اور بہادر نوجوان قیدی اپنی نوکری میں کم ہی دیکھا تھا۔ ان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسے ''باہر لے جائیں''.....

لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ بادل نخواستہ وہ عامر کو دھکے دیتے بیرک کے باہر لے آئے۔

مٹورام بڑا مکار ملازم تھا۔

اس کے باوجود کہ یہاں مسلمان زندہ درگور تھے اور جانوروں سے بدتر زندگی گزرنے کے سبب وہ جسمانی طور پر ہی اس قابل نہیں رہ گئے تھے کہ عامر پر ہونے والی زیادتی پر احتجاج کر سکیں۔

لیکن.....

مٹورام نے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں مسلوں کا دماغ خراب نہ ہو جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔

اس نے بیرک ''نمبرداروں'' کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ قیدیوں کو مشقت کے لئے لے جائیں اور عامر کو لے کر ''چکر'' کی طرف جا رہا تھا جہاں دس بارہ نمبردار ڈیوٹی پر موجود رہتے تھے۔

عامر اس طرح اطمینان سے چل رہا تھا جیسے مقتل کے بجائے کسی بارات کے ساتھ چل رہا ہو۔ اس کا اطمینان دیکھ کر مٹورام کا پارہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔

''کیا کہا تھا تم نے ادئے''.....

اس نے ''چکر'' میں پہنچتے ہی عامر کو بڑی سی گالی دے کر پوچھا۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر جب عامر نے اسے جواب میں اس سے بھی بڑی گالی دی تو مٹورام کا دماغ ہی گھوم گیا۔

''مارو سالے کو..... کیا دیکھ رہے ہو.....''

اس نے سپاہیوں اور وہاں موجود تین نمبرداروں کو حکم دیا..... سب لوگ جانوروں کی

طرح عامر پر پل پڑے۔ مٹورام دس گالیاں اگر عامر کو دیتا تو تین چار نمبرداروں کو بھی دے دیتا جو اس کی دانست میں ہاتھ ہلکا رکھ کر مار رہے تھے..... بالآخر اس نے خود میدان سنبھالنے کا فیصلہ کیا اور نیم بے ہوش عامر کو بالوں سے پکڑ کر اس کی گردن کو زوردار جھٹکا دیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے اس پر پل پڑا۔

یہ لوگ جو عامر پوٹوٹے تھے انسانوں کی شکلیں تو رکھتے تھے۔ لیکن ان میں انسانوں والی کوئی بات نہیں تھی.....

طویل قید نے ان سے انسانون کی جبلات ہی چھین لی تھی۔ وہ جانور بن کر رہ گئے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اپنی بقیہ قید کے دن کم کرونے کے لئے جیل حکام کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہے۔

اب تو انہیں عامر کو مارنے کا حکم ملا تھا۔ اگر ان کو یہ حکم ملتا کہ خود کو مارنا شروع کردو تو وہ اپنے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے۔

مٹورام اسے خود مارتے مارتے تھک گیا تھا اور اب نمبرداروں کو گالیاں دے کر اسے کثرت سے مارنے پر آمادہ کر رہا تھا.....

جواب میں عامر کی طرف سے اسے مسلسل گالیاں مل رہی تھیں۔ اس ساری صورتحال سے اگر کوئی قدرے ہمدردی رکھتا تھا تو وہ جوگا سنگھ تھا.....

جوگا سنگھ کچھ روز پہلے ہی دس سال قید بامشقت لے کر جیل آیا تھا۔ وہ سابقہ فوجی تھا جسے اپنے افسر کو گولی مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کے جرم میں فوجی عدالت نے قید دے کر اس جیل میں قید کاٹنے کیلئے بھیجا تھا۔

جوگا سنگھ کا تعلق لدھیانہ کے ایک ذیلدار گھرانے سے تھا۔ وہ فوج میں حوالدار تھا۔

لیکن.....

اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو جاٹ سکھ ہی سمجھا تھا اور یہی کوشش کی تھی کہ نوکری اپنی آن بان کے ساتھ ہی کرے۔ ان دنوں پنجاب میں نست جرنیل سنگھ بھنڈرانوالا کی تحریک اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی۔

بھارتی فوج نے سکھوں کے مقدس مقام دربار صاحب پر حملہ کر کے اسے تباہ برباد کر دیا تھا۔

دربار صاحب پر حملے کی خبر جب سکھ رجمنٹوں میں پہنچی تو وہاں بغاوت کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ سکھ فوجیوں سے ان کے ہندو ساتھی خطرہ محسوس کرنے لگے تھے اور کئی جگہ سکھ فوجیوں نے انفرادی اور اجتماعی بغاوت بھی کی تھی۔

جوگا سنگھ نے بھی اس حادثے کا بڑا اثر قبول کیا تھا۔ لیکن فوجی ڈسپلن کے پابند کمانڈو جوگا سنگھ نے کبھی بغاوت کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

اس نے روز وہ معمول کے مطابق صبح یونٹ کا دربار اٹنڈ کر رہا تھا۔ جب میجر ورما نے جو سکھ دشمنی کے لئے خاصی شہرت رکھتا تھا۔ کسی بات پر سنت بھنڈرانوالہ اور دربار صاحب میں بھارتی فوجیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مرنے والے سکھوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

جوگا سنگھ کو یوں لگا جیسے اس کے خون کا خمیر بدل رہا ہو..... سیون کماؤں رجمنٹ کی اس کمپنی میں صرف تین سکھ تھے۔ باقی دو جو بے چارے سپاہی تھے سر جھکائے یہ لاف گزاف سنتے رہے لیکن جوگا سنگھ پھٹ پڑا۔

"بکواس بند کرو..... حرام زادے....."

"گرفتار کرلو اسے۔"

میجر ورما نے اپنے جوانوں کو حکم دیا۔

جوگا سنگھ نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور ایک کونے میں پڑی گن اٹھا کر چاہا کہ میجر ورما کو مار ڈالے۔

لیکن.....

اس کی خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ دس بارہ جوانوں نے اس پر ایک ساتھ چھلانگیں لگا کر اسے قابو کر لیا اور پھر ہتھکڑی لگا کر کوارٹر گارڈ میں بند کر دیا۔

میجر ورما نے اس کے خلاف سمری کورٹ مارشل کا حکم جاری کر دیا تھا۔ کورٹ مارشل ہوا جہاں جوگا سنگھ نے لگی لپٹی رکھے بغیر ایک ایک لفظ سچ بول دیا اس نے فوجی عدالت کو بتایا کہ وہ میجر ورما کو جان سے مار دیتا' اگر وہ بچ گیا ہے تو یہ اس کی خوش قسمتی ہے۔

اسے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ کمپنی کے کسی جوان نے عدالت کے سامنے سچ نہیں بولا اور کسی نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ میجر ورما نے پہلے سکھوں اور ان کے لیڈر جرنیل سنگھ کو گالیاں دے کر اس کی ذات پر حملہ کیا تھا۔

اس کا بیان سننے کے بعد عدالت کے سربراہ کرنل جوشی نے کہا کہ اگر میجر ورما نے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ اور اس کے ساتھیوں کو گالیاں بھی دی تھیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ آخر تو وہ سب لوگ بھارت ماتا کے غدار اور ''دیش دروہی'' تھے جو بیرونی طاقت کے اشارے پر ملک میں بغاوت کی فضا پیدا کرنے کے بعد بھارت ماتا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

قصہ مختصر عدالت نے اس کے وکیل کی کسی بھی دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی سابقہ خدمات کے پیش نظر جو اس نے ایک بہترین کمانڈو کی حیثیت سے بنگلہ دیش میں انجام دی تھی اسے دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی۔

سزا پانے کے بعد جوگا سنگھ کا چالان یہاں نابھہ میں بھیجا گیا تھا اور بڑے خاندان کا سپوت ہونے کے ناطے اس کے گھر والوں نے بھاگ دوڑ کر کے اسے یہاں ''نمبردار'' بنوا دیا تھا تاکہ وہ مشقت سے بچ سکے۔

انہیں امید تھی کہ ہائی کورٹ میں اپیل کے بعد اس کی سزا اگر ختم نہ ہوئی تو اس میں کچھ کمی ضرور ہو جائے گی۔

جس روز جوگا سنگھ سزا پا کر جیل آ رہا تھا۔ اس روز خالصتان کمانڈو فورس کے دو نوجوانوں کو بھی پولیس گرفتار کر کے لائی تھی جو اس کے ساتھ ہی ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔

یہ دونو جوان بھی سابق فوجی تھے۔

لیکن.....

ان میں اور جوگا سنگھ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ جسے سوائے اس کے اور کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں فخر سے اپنے جرم بغاوت پر نازاں سر اٹھا کر بیٹھے تھے۔

اور.....

جوگا سنگھ کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا کہ جس فوج کی خاطر اس نے زندگی کے پانچ قیمتی سال ضائع کئے۔

بنگلہ دیش میں مکتی باہنی کے ساتھ مل کر پاکستانی فوج کے ساتھ زندگی موت کا معرکہ لڑا۔ اپنی بہترین صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اپنے دیش کا نام اونچا کیا اور ایک فوجی ہونے کے ناطے اپنا ''ٹارگٹ ہٹ'' کر کے پاکستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کروانے میں اہم کردار ادا کیا.....

آج.....!!!

اسی فوج کے میجر نے اس کی قوم کی ساری قربانیوں کو بھلا کر اسے مجرم کی حیثیت سے دس سال کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔ محض اس جرم میں اس نے اپنے ضمیر اور دل کی آنکھیں بند کیوں نہ رکھیں اور دشمن کی گالی کا جواب دینے کی ہمت کیسے کی۔

اسے اپنے وہ ساتھی یاد آ رہے تھے جو 6 کماؤں رجمنٹ سے بغاوت کر کے بھاگے تھے۔ جب دربار صاحب پر حملے کی خبر ان کو ملی تو وہ غم و غصہ سے بے قابو ہو کر اپنے اسلحہ سمیت امرتسر کی طرف بھاگے تاکہ اپنے ''پوتر استھان'' پر حملہ کرنے والے براہمنوں کو سبق سکھا سکیں۔

بے چارے راستے ہی میں مارے گئے۔

وہ فرار ہونے سے پہلے جوگا سنگھ سے بھی ملے تھے۔

انہوں نے جوگا سنگھ سے کہا تھا۔

''سردار جی.....لعنت ہے ایسی زندگی پر کہ گرو گوبند سنگھ کے بیٹے ہو کر ہم اب بھی براہمن کی نوکری کریں.....اگر تم ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو تو آج رات اکٹھے ہی نکلتے ہیں.....

جوگا سنگھ نے ان کی بات نہ مانی۔

اس رات وہ چاروں سورے فرار ہوئے۔ ان کے تعاقب میں بھارتی فوج کی پوری کمپنی نکلی تھی۔ تین چار میل بعد ہی بے چارے قابو آ گئے۔ کمپنی نے انہیں ہتھیار ڈالنے کا موقعہ دیا تھا۔

لیکن.....

وہ کلغی دھر گورو گوبند سنگھ کے بیٹے.....انہوں نے ''جے کارے'' مارتے ہوئے انہیں مقابلے کے لئے للکارا اور میدان میں ڈٹ گئے۔

جھانسی کے شہریوں نے وہ مقابلہ اپنے گھروں کی چھتوں سے دیکھا تھا کہ گورو کے

لاڈلے کس طرح بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔انہوں نے تعاقب میں آنے والے پندرہ ابھار
سورمے مار ڈالے اور اپنا ایمونیشن ختم ہونے پر بالآخر ایک دوسرے کو ''فتح بلاتے'' ہوئے مار
گئے۔

ان کے ساتھ ہونے والے معرکے کی ایک ایک تفصیل 6 کماؤں کے ایک چمار نے
اسے بتائی تھی۔اس روز وہ بہت پچھتایا۔

یہ پچھتاوا اس کی جان کو آ گیا کہ وہ کیوں نہ اس کے ساتھ بھاگ گیا۔اگر بعد میں بھی
یہی کچھ ہونا تھا تو وہ پہلے ہی کیوں نہ مر گیا۔اس طرح اس کا کوئی نام تو ہوتا اس کے گھر والے فخر
سے کسی کو بتا تو سکتے کہ اس کے سورمے نے آخری وقت پر ''سکھی مان مریادہ'' کو زندہ رکھا۔

لیکن.....

اب تو کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔

بس ایک پچھتاوا تھا جو اس کی جان کو آ گیا۔

❁❁❁

اس روز وہ جیل کے چکر کے نزدیک ڈیوٹی دے رہا تھا جب اس نے ایک بھارتی
مسلمان کو مار کھاتے دیکھا۔

''واہ سورمیا''.....

اس نے دل ہی میں عامر کو داد دی.....

جب وہ بے ہوش عامر کو اٹھا کر چکی میں کر کے لے جا رہے تھے تو حوالدار جوگا سنگھ اس
کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے اختیار ان کے نزدیک آ گیا تھا۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پانچ چھ نمبرداروں اور ملازموں نے عامر کو ڈنڈہ ڈولی کر کے
اٹھایا اور خطرناک قیدیوں والے ''چکی احاطے'' کی طرف لے گئے۔

اتفاق سے جوگا سنگھ اس احاطے کا نمبردار تھا.....!

اس نے اگلے روز عامر سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا تھا۔

عامر کے لئے مارنا یا مار کھانا کوئی نئی بات نہیں تھی.....!

اسے جیل میں آئے تقریباً چار ماہ ہونے کو تھے اس دوران وہ پانچ مرتبہ ''چکی بند'' رہ

چکا تھا۔

لیکن..... آج اس نے سنجیدگی سے یہ سوچا تھا کہ آخر وہ اور کتنا عرصہ سانپ سیڑھی کا
کھیل اپنے جسم سے کھیلتا رہے گا۔اگر قدرت نے اسے مضبوط کسرتی بدن نہ دیا ہوتا تو وہ جیل کی
ایک ''پھینٹی'' بھی نہ کھا سکتا۔

یہ تو اس کی بے پناہ قوت ارادی اور جوان ہمتی تھی جس نے ابھی تک اس کا بھرم رکھا
تھا۔

فی الوقت تو اسے بارڈر کراس کرنے کے جرم میں ایک سال قید دے کر یہاں بھیجا گیا
تھا۔

لیکن..... یہ بات وہ بھی جانتا تھا کہ جس جرم میں وہ گرفتار ہوا ہے اس کے بعد یہاں
سے زندہ چلے جانا شاید اس کے لئے ممکن نہ ہو۔

بھارتی انٹیلی جنس نے کبھی کسی ''سپائی'' کو جاسوسی کے الزام میں سزا نہیں دلائی تھی۔
ایسا کیس ثابت ہی نہیں ہو سکتا تھا۔وہ تو اپنے شکار کو مختلف جرائم میں سال دو سال قید کی سزا دلا کر
رہائی پر اسے تھانے لے جاتے تھے اور وہاں اس پر کوئی نیا مقدمہ بنا کر واپس بھیج دیتے تھے۔

چوہے بلی کے اس کھیل میں درجنوں جوان مرد اب ہڈیوں کے ڈھانچے بن کر زندہ
درگور بھارتی جیلوں میں سسک سسک کر زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔

آج اس نے اپنے فرار کے ارادے کو دل ہی دل میں مصمم کیا تھا اور خود سے عہد کیا تھا
کہ نتیجہ کچھ بھی ہو وہ جیل توڑ کر ضرور بھاگے گا۔وہ تو تبادلے والی لسٹ میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

بہرحال وہ ایک ''بھارتی ناگرک'' تھا۔گو کہ اس کی قوم نے یہ بات کبھی تسلیم نہیں کی
لیکن یہ زمینی سچائی تھی۔بالکل اس سورج جیسی جو ہر روز صبح کو چڑھتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔

باب 2

جوگا سنگھ ان سیلوں کا نمبر دار تھا جہاں عامر کو بند کیا گیا تھا.....! صبح جب لانگری چائے روٹی لے کر آئے تو عامر نے جان بوجھ کر اٹھنے سے انکار کر دیا۔ گنتی کے لئے آنے والے کی آواز پر بھی اس نے جنبش نہیں کی تھی۔

لیکن..... یہ سپاہی دیا رام تھا جس کے دل میں اس کے لئے بہت ہمدردی تھی اس نے زیادہ تردد نہ کیا۔ ورنہ پھر وہ لوگ سیل کھول کر اس کی دھنائی کر کے رکھ دیتے۔

گنتی مکمل ہونے پر جب جیل چکر سے ''سب اچھا'' کی آواز لگ گئی تو جوگا سنگھ نے اس کے لئے دال کو گھی کا تڑکا لگایا اور اپنی الگ چائے بنا کر تام چینی کا ڈونگا بھر کے لئے آیا۔

''بس میاں جی غصہ جانے دو''؟

اس نے عامر کے سیل کے پاس آ کر کہا۔

عامر کو آواز کچھ ہمدردانہ معلوم ہوئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''واہ شیرا..... کس کرموں والی کا جنا ہے تو بھی؟ جیتا رہ۔ دل خوش کر دیا یار تو نے تو میرا''.....

جوگا سنگھ نے بے اختیار اسے کل رات کی بہادری پر خراج عقیدت پیش کیا۔

عامر نے اس کی شکل پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ لیکن..... اس کی چھٹی جس نے اسے کبھی دھوکہ نہیں دیا تھا نے اسے اب بھی بتا دیا کہ جوگا سنگھ ذرا مختلف قسم کا سکھ ہے۔

اس نے بھی جواباً جوگا سنگھ کو ''ست سری اکال'' کہہ دیا۔

جوگا سنگھ نے مشقتی کو اشارہ کیا جس نے پانی کا ڈول لا کر اس کے سیل کے دروازے کے سامنے رکھ دیا۔

''اشنان کر لو.....؟''

اس نے عامر سے کہا۔

عامر نے ایک لمحے کے لئے پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔

جوگا سنگھ نے اس کے سیل کا دروازہ کھولا اور پانی کا ڈول اندر رکھ کر بند کر دیا۔

عامر کے نہانے تک اس نے چائے اور دال تڑکا اس کے نزدیک لا کر رکھ دیا۔

''میں نے بھی ابھی تک تمہارے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا۔''

جوگا سنگھ نے اس کے سیل کے باہر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اپنے مگ میں بھی چائے ڈالی۔

''دھنواد ہے مہاراج جی..... جو آپ نے اتنا خیال رکھا۔ آپ کے بھائی بند تو.....'' اس کا فقرہ نامکمل ہی تھا جب جوگا سنگھ نے اس کی بات کاٹ کر اپنے ''بھائی بندوں کو دو چار موٹی موٹی گالیوں سے نواز دیا۔

اب عامر کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ بندہ اس کے کام کا ضرور نکلے گا۔

دونوں تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جس کے بعد عامر نے اس سے اس کا ''جرم'' دریافت کرنے میں پہل کر دی۔

اس کی بات کا جواب جوگا سنگھ نے ٹھنڈی آہ بھر کر اور لمبی سانس لیتے ہوئے دیا۔

اپنی کہانی سناتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

لیکن.....!

اس نے خود پر قابو پائے رکھا۔

''کوئی بات نہیں یار جوانوں پر وقت آتے جاتے رہتے ہیں.....''

عامر نے اپنی دانست میں اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

''میاں! یار مجھے قید کا افسوس نہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ قید اس جرم میں نہ ہوتی۔ میں تو اپنے ساتھیوں سے کبھی آنکھ ہی نہیں ملا پاؤں گا۔''

اس کا پچھتاوا بتا رہا تھا کہ اگر عامر نے تھوڑی حکمت عملی سے کام لیا تو شاید وہ اپنا خواب حقیقت میں تبدیل کر لے۔

''تم کہو.....؟''

جوگا سنگھ نے اس کی طرف استفہامیہ نظریوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جوگا سنگھ مجھے علم نہیں کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔ ممکن ہے تم وہ نہ ہو جو دکھائی دے رہے ہو..... ممکن ہے تم وہی ہو۔ میں نے جیل میں کسی سے کبھی سچ نہیں بولا لیکن تم سے بول رہا ہوں اس لئے کہ جو بات میں بتانے جا رہا ہوں اس کا علم بھارتی انٹیلی جنس کو ہے یہ الگ بات کہ وہ میرے منہ سے اس بات کو اگلوا نہیں سکے..... اور شاید مرتے دم تک نہ اگلوا سکیں گے۔''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر جوگا سنگھ کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میاں..... میں بھی جٹ ہوں۔ قسمت نے مجھے اس چکر میں ضرور پھنسا دیا ہے لیکن میرا دھرم ایمان قائم ہے۔ میں تمہیں قسم کھا کر وشواش (یقین) دلاتا ہوں۔ کہ جو باتیں میرے اور تمہارے درمیان ہوں گی وہ یہاں دفن ہو جائیں گی.....''

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہو کہا۔

❁❁❁

عامر نے سمجھ لیا کہ لوہا گرم ہے اور اب وہ چوٹ کر سکتا ہے۔

''میرا تعلق پاکستانی انٹیلی جنس سے ہے۔ مجھے دھماکہ خیز مواد بنانے کی خصوصی تربیت دے کر یہاں سکھ بھائیوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ میں نے سات ماہ تک خالصتان کمانڈو فورس کے بھائی طوفان سنگھ کے ساتھ گرداسپور میں کام کیا ہے۔ قادیان کے نزدیک جو مقابلہ ہوا تھا جس میں بھائی جی شہید ہو گئے تھے۔ وہ تمہیں یاد ہے۔''

اس نے جوگا سنگھ سے کہا۔

''ہاں، ہاں بالکل یاد ہے..... میں بٹالے کا رہنے والا ہوں۔ طوفان سنگھ شہید کو میں اچھی طرح جانتا ہوں.....''

جوگا سنگھ نے بڑے اشتیاق اور عقیدت سے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''بس یار جوگا سیاں..... تقدیر نے ساتھ نہ دیا۔ میں شروع ہی سے کہہ رہا تھا کہ بشن سنگھ ٹاؤٹ ہے۔ لیکن بھائی صاحب نے میری بات نہیں مانی وہ بڑے مہان پرش (عظیم انسان) تھے۔ کسی پر بلاوجہ شک نہیں کرتے تھے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے تھے۔ بڑا سور ما تھا یار..... آخری وقت پر جب ہم گھیرے میں آئے ہیں تو اس نے ایک ہی بات کہی کہ میاں مجھے معاف کر دینا یار میں نے تیری بات نہ مانی دراصل بشن سنگھ میرا بچپن کا یار تھا۔ مجھے اس سے غداری کی امید تھی ہی نہیں..... اب تو نکل جا..... میں پولیس کو روکتا ہوں.....''

عامر نے خود کو قدرے جذباتی کر لیا تھا..... اس نے محسوس کیا کہ جوگا سنگھ کی آنکھیں کسی بھی لمحے چھلکنے والی ہیں۔

طوفان سنگھ کی ''شہادت'' کا واقعہ اس نے بڑی تفصیل سے اور بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا اور جوگا سنگھ کو بتایا تھا کہ وہ بھائی صاحب کے حکم کی تعمیل میں بھاگا تھا ورنہ ان کے ساتھ ہی شہید ہو جاتا لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور پولیس نے اسے گرفتار کر لیا کیونکہ اس کے پاس گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔

عامر نے بڑی خوبصورتی سے یہ ساری کہانی اسے سنا کر خود کو دل ہی دل میں داد دی کہ اس کا تیر بالکل نشانے پر لگا ہے۔

اس نے طوفان سنگھ کے نام ضرور سنا تھا۔ پولیس کے ساتھ اس کے مقابلے کی ساری روداد بھی اسے یاد تھی اور اس نے وہ علاقہ بھی دیکھا ہوا تھا جس سے طوفان سنگھ کا تعلق تھا۔

لیکن.....!

یہ بشن سنگھ کون تھا؟

اس کا علم جوگا سنگھ کو کبھی نہ ہو سکا۔

اس نے عامر کی گفتگو کے خاتمے پر بے اختیار اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

''میاں کبھی واہ گورو نے موقعہ دیا تو تیری سیوا ضرور کریں گے..... تو میری قوم کا محسن

ہے۔''

جوگا سنگھ جذباتی ہوکر اسے القابات سے نوازتا چلا گیا۔

''جوگا سیاں.....اب تو زندگی کی ایک ہی خواہش ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے یار کا بدلہ لوں.....میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ جب تک طوفان سنگھ کا بدلہ نہیں لوں گا۔ اپنے دیش نہیں جاؤں.....ایک ایک غدار اور ان کے خفیہ ٹھکانوں کا مجھے علم ہے۔''

اس نے گرم لوہے پر ایک اور زبردست چوٹ کردی۔

''میاں تو بے فکر ہو جا.....اس مرتبہ تو اکیلا نہیں ہوگا.....اگر کوئی پیغام وغیرہ باہر بھیجنا ہو تو مجھ پر اعتماد کرنا.....''

اس کی بات نامکمل ہی تھی جب مین گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ جوگا سنگھ اٹھ کھڑا ہوا.....

اس نے مشقتی کو برتن اٹھانے کا حکم دیا تھا۔

مین گیٹ سے آواز دے کر ایک سپاہی نے بتایا تھا کہ ''صاحب کا دورہ'' آنے والا ہے۔ سب کو ''ہوشیار باش'' کردے۔

''چنگا ڈپٹی کے جانے پر ملتے ہیں.....''

یہ کہہ کر جوگا سنگھ نے اس کا ہاتھ مضبوطی اور محبت سے دبایا اور چلا گیا۔

❁❁❁

عامر نے ڈرامے کا پہلا مرحلہ بخیر وخوبی طے ہونے پر خود کو دل ہی دل میں داد دی۔ کچھ عرصہ خالصتان نواز سکھوں کے ساتھ گزارنے سے اسے جو تجربہ اور معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ آج کام آ گئیں تھیں۔

اس نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ طوفان سنگھ کو دیکھا تھا جب وہ اپنے ایک ''سورس'' سے امرتسر دربار صاحب میں ملاقات کرنے آیا تھا اور طوفان سنگھ اچانک ہی وہاں آ گیا تھا.....

دربار صاحب موجود ساری سنگت اس کی طرف متوجہ تھی اور پولیس یا سیکورٹی کے وہاں پہنچنے تک اس کے جانثار سکھوں نے اسے اطمینان سے اپنی عبادات مکمل کرنے اور ''متھا ٹیکنے'' کے بعد فرار کروادیا تھا۔

طوفان سنگھ کو سکھ سنگت دیوتا کی طرح پوجتی تھی.....اس کی بہادری اور عظمت کردار کی

داستانیں اس کے دشمن بھی بیان کرتے نہیں تھکتے تھے۔ بلاشبہ وہ اس علاقے کی پرسرار اور پوتر ہستی بن چکا تھا وہ دیوتاؤں کی طرح اچانک ہی کسی جگہ ''پرگٹ'' (ظاہر) ہوتا سکھوں میں خالصتان کا پرچار کرتا اور غائب ہو جاتا۔ اس کے کارنامے سکھوں کو اپنے گوروں کی یاد دلایا کرتے تھے۔ اس نے درجنوں ہندو مارے تھے۔

لیکن.....!

حیرت کی بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بھی بے گناہ نہیں تھا۔ وہ یا تو پولیس والے تھے یا پھر پولیس کے لئے کام کرنے والے.....

تین ایس پی اس کے ہاتھوں لقمہ اجل ہوئے تھے۔ اس کے سر کی قیمت بھارتی سرکار نے دس لاکھ روپے مقرر کی تھی۔

اور.....

اس کے بچپن کے دوست بشن سنگھ مذہبی نے اسے مروا ڈالا.....

جن دنوں طوفان سنگھ پولیس مقابلے میں مارا گیا' تب عامر آزاد تھا۔ اس نے اخبارات میں بشن سنگھ کی غداری کے متعلق کہانیاں پڑھیں اور سکھ عوام کے منہ سے سنی تھیں۔

اور آج.....

وہ کہانی ہی اس کی Cover Story بن گئی تھی۔

اسے یقین تھا کہ ایک دو مزید ملاقاتوں میں وہ جوگا سنگھ کو اپنی لائن پر لے آئے گا۔

ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں یہ شک پیدا ہوا تھا کہ کہیں جوگا سنگھ بھی ''ڈبل کراس'' تو نہیں.....

لیکن.....! نادیدہ قوت نے سختی سے اس شک کی تردید کردی تھی اور عامر کو یقین ہونے لگا تھا کہ اس کی چھٹی حس نے اسے دھوکہ نہیں دیا۔

اس کا دل گواہی دینے لگا تھا کہ وہ جوگا سنگھ کی مدد سے ایک مرتبہ صرور جیل کی اس کال کوٹھڑی سے باہر نکلے گا۔

اس کے دل ودماغ میں نفرت کی آندھیاں چل رہی تھیں۔

اسے کچھ بدلے چکانے تھے۔

کچھ قرض اتارنے تھے۔

کچھ غداروں کو ان کے انجام تک پہنچا

اور.....سب سے بڑھ کر فریدہ کو حاصل

''عامر.....تم آگ سے کھیلنے جا رہے

وقت ہے پس لوٹ جاؤ ورنہ یہ لوگ تمہیں کسی روز

لیکن.....!

وہ فریدہ کو کبھی نہ بتا پایا تھا کہ اپنی مرض

حالات کا شکار تھا۔

وقت نے جب چاہا اسے کاغذ کے پرز

سے یہاں پہنچا دیا۔

اس کھیل کا آغاز اس کی مرضی سے نہیں

زبردستی اس کھیل کا حصہ بن گیا تھا.....

❁❁

''صاحب دان۔''

زوردار آواز نے اس کے خیالات کا

ڈپٹی جیلر دورے پر آ رہا تھا اور یہ اس

معمول تھا ہر روز ڈپٹی جیلر ایک خصوصی وقت پر

مطابق یہاں جیل ڈسپلن کی خلاف ورزی میں بنا

مناسب سزائیں تجویز کرتا یا پھر انہیں معاف کرتا تھ

جیل کا اصول تھا کہ جیسے ہی قیدیوں

فوراً اپنے اپنے سیل کی سلاخوں کے پیچھے سیدھے

جرائم کی تفصیل درج ہو اپنے سامنے رکھیں.....ان

رکھے ہوں۔

ڈپٹی جیلر جب چاہتا کسی بھی سیل کا دروا

سلسلہ توڑ دیا۔

کے ہراول دستے کی آواز تھی۔ اس جیل کا یہی

ہے۔ اپنا دامن کب تک بچاتے رہو گے۔ اب بھی

جلا کر بھسم کر دیں گے۔

نی سے وہ اس آگ کا ایندھن نہیں بنا تو گردش

زے کی طرح اڑا کر یہاں سے وہاں اور پھر وہاں

یں ہوا تھا۔ نہ ہی اسے انجام کا علم تھا۔ وہ تو جیسے

''چکی بند'' احاطے کا دورہ کر کے جیل مینوئل کے

ندقیدیوں کا احوال دریافت کرتا۔ ان کے لئے

فا۔

کے کانوں میں ''صاحب دان'' کی آواز پڑے وہ

ے کھڑے ہو جائیں ان کے کارڈ جن پر ان کے

نا کے بستر ڈھنگ سے تہہ کر کے ان کے سامنے

دازہ کھلا کر اس کی تلاشی لینے لگتا.....

ان سیلوں میں نظر بند قیدیوں کو حکم تھا کہ وہ اپنا سر اور نظریں جھکا کر کھڑے ہوں اور براہ راست ڈپٹی صاحب کی آنکھوں میں جھانکنے کی ہمت نہ کریں۔

جیل مینول کے مطابق جیل افسران کے اس دورے کے دوران قیدی ان سے اپنے مسائل بیان کر کے اپنے لئے امداد کی درخواست کر سکتے تھے۔

لیکن.....!

یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

اس جیل میں جیسے انسان نہیں درندے آباد تھے۔

خصوصاً جیل سٹاف کا تعلق تو نسل انسانی سے نہیں تھا۔

جیسے ہی کوئی قیدی ''میرا سوال ہے جناب'' کہہ کر ڈپٹی جیلر کی طرف دیکھتا.....

اس کی سربراہی میں موجود جیل کا عملہ اور نمبردار فوراً اس کے سیل کا دروازہ کھول کر اسے باہر نکال لیتے جس کے بعد وحشیانہ انداز میں اسے مارنے لگتے۔

اس کی چیخ و پکار سے اس کے ہمرائیوں پر دہشت ڈالنا مطلوب ہوتا تھا جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہو جاتی۔ باقی قیدی اگر کسی مسئلے کا شکار بھی ہوتے سہم کر خاموش ہو جاتے اور کوئی اگلا سوال کرنے کی جرات نہ کرتا۔

اگر کبھی محکمہ جیل خانہ جات کے اعلیٰ افسران یہاں دورے پر آتے اور قیدی ان کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کرنے کی جرات ڈرتے ڈرتے کر لیتے تو ان افسران کی جیل سے رخصتی کے بعد ان کی کم بختی آ جاتی۔ انہیں ان کے سیلوں سے نکال کر وحشیانہ انداز میں مار پیٹ کی جاتی اور آئندہ کیلئے باقی قیدیوں کو چیتاونی (وارننگ) دے دی جاتی کہ وہ جانوروں کی طرح اپنا سر جھکا کر اور خود کو پندرھویں سولہویں صدی کے غلام سمجھ کر صرف احکامات کی اطاعت کریں اپنے لئے کوئی مطالبہ نہ کریں۔ اگر ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہو رہا ہے تو اس پر خاموشی اختیار کریں اور اسے برداشت کرتے رہیں۔

❁❁❁

حوالدار مٹورام اپنی بغل میں ڈنڈہ دبائے ڈپٹی کے آگے آگے چل رہا تھا۔ جس کے بعد ڈپٹی جیلر امرجیت چڈھا اور اس کے پیچھے دو ڈنڈہ بردار سپاہی تھے جن کے بعد جوگا سنگھ اور تین

مزید نمبردار سر جھکائے چلے آرہے تھے۔

ڈپٹی جیلر اپنی عادت کے مطابق ہر سیل کے سامنے سے وہاں موجود قیدی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر گزر جاتا تھا۔

لیکن.....!

عامر کے سیل کے سامنے وہ رک گیا۔

''اوئے تو پھر آ گیا یہاں.....''

اس نے عامر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مہاراج یہاں کون اپنی مرضی سے آتا ہے.....بس جو مصیبت تقدیر میں لکھی ہو وہ ا
برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔''

عامر نے بظاہر بڑی بے بسی سے کہا۔

''بڑا بدمعاش ہے جناب.....''

ایک سپاہی نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے.....''

امرجیت نے اس کی بات ٹوک دی۔

''تم کیوں اپنی جان کے ساتھ ظلم کرتے ہو.....تمہیں علم ہے کس کیس میں آئے ہو
اپنے بدن کو سنبھال کر رکھو.....نجانے ابھی تمہیں کتنا عرصہ جیلوں میں گزرنا ہے۔اس طرح تو
چند ماہ میں ہی ختم ہو جاؤ گے.....''

عامر کو کسی نے بتایا تھا کہ امرجیت کی ماں مسلمان ہے.....یہ وہ بدقسمت عورتوں میں
سے ایک تھی جو قیام پاکستان کے بعد سکھوں کے ہتھے چڑھ گئی تھیں اور جنہیں پھر بلوائیوں نے اپنی
بیویاں بنالیا تھا۔

امرجیت پر اپنی ماں کی تربیت کا گہرا اثر تھا.....اس کی ماں اسے اپنے بزرگوں او
مذہب کی باتیں بتایا کرتی تھیں اور اس کے لاشعور میں موجود یہ تلخ حقیقت کہ وہ ایک اغوا شدہ
مسلمان عورت کا بیٹا ہے جسے زبردستی سکھ دھرم اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔امرجیت کے لئے
اب ایک کمپلیکس Complex کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

اسے اپنی ماں سے بہت محبت تھی.....

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اس کے باپ نے زبردستی اس کی ماں سے شادی نہیں کی
اس کا باپ کوئی ''بلوائی'' نہیں تھا.....اس کی ماں تو اس کے باپ نے ''بلوائیوں'' کے ہاتھوں
نی تھی.....اس کی جان بچائی تھی.....اور بہت کوشش کی تھی کہ اس کے عزیزوں تک اسے پہنچا
لے۔بے چاری کی قسمت کہ وہ اپنوں میں نہ پہنچ سکی اور حالات نے اسے اپنے محسن کی بیوی بنا

امرجیت کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔

چاروں اس ماں کی اولاد تھے.....

ان کا باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔

لیکن.....!

اس نے مرتے سے امرجیت سے جوان دنوں نویں جماعت کا طالب علم تھا ''وچن''
عہد) لیا تھا کہ وہ مرے دم تک اپنی ماں پر آنچ نہیں آنے دے گا اور اس کے کسی حکم سے انکار
یں کرے گا۔

امرجیت نے اپنے باپ کو دیا ''وچن'' نبھا کر دکھایا۔

اس نے اپنی ماں کی خدمت ایسے جی جان سے کی کہ اسے کبھی اپنی کسی محرومی کا احساس
ہونے دیا۔

یہ ماں کے دودھ کا اثر تھا کہ اسے انسانوں سے ہمدردی رہتی تھی اکثر وہ بزرگوں کے
زاروں پر جا کر منتیں مانگا کرتا تھا۔

عامر کو اس نے کبھی سزا نہیں دی تھی.....اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اتنے خوبصورت اور
وان مرد کو اپنے ہاتھ سے مارے۔

لیکن.....

اس جیل کے تمام افسران اور ماتحت عملہ اس جیسا نہیں تھا۔

''یہ کیا ہوا ہے۔''

اس نے عامر کے ٹخنے پر لگے زخم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''مہاراج بدمعاش بنا ہوا ہے.....''

اس مرتبہ اس کے بجائے مٹورام نے جواب دیا۔

اس کا جی تو یہی چاہا کہ مٹورام کا گلہ اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دے۔ اتنی دیر خاموش اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

لیکن.....

اس مرتبہ اس نے ضبط کی انتہا کر دی اور مٹورام کی کسی لاف گزاف کا نوٹس نہیں لیا اس کے اس تبدیلشدہ رویے نے جیل کے باقی ملازمین اور نمبرداروں کو بھی شش دیا۔

لیکن.....

انہوں نے اپنے دلوں کو یہی کہہ کر تسلی دے لی کہ بے چارہ آخر کب تک جیل برداشت کرے۔ اس کی تو کوئی ''ملاقات'' بھی نہیں آتی تھی۔ اس لئے جیل کی خوراک بدمعاشی نہیں چل سکتی ناں.....

''ڈنڈہ بیڑی اتار کر اسے سنگلی لگا دو.....''

امر جیت نے نے مٹورام کی بک بک پر توجہ دیئے بغیر نمبردار جوگا سنگھ کو حکم دیا اور بڑھ گیا۔

عامر نے اس حکم کی تائید ایزدی جانا۔ مٹورام ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔ ڈپٹی امر جیت ختم ہوتے ہی جوگا سنگھ ''لوہار احاطے'' سے لوہار کو لے آیا جس نے عامر کی بیڑی اتار کر اسے کی بیڑی چڑھا دی.....!!

اب 3

دو روز میں جوگا سنگھ اس کا پکا یار بن چکا تھا.....

عامر کو اس فن پر عبور حاصل تھا۔ اس کے خلاف رپورٹ فائل کرتے ہوئے اس کے یا سپائی ماسٹر چورسیسہ نے لکھا تھا کہ یہ شخص اپنی چرب زبانی سے وہ کام کر سکتا ہے جس کا عام ت میں تو رہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ دوران قید بھی اس کی کافی نگرانی ا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے عامر جیل کے کسی بھی رکن کو ورغلا کر اپنا الوسیدھا کر لے۔ اس نے بے الفاظ میں اسے گولی مار کر پار کر دینے کی تجویز بھی دی تھی۔ لیکن برگیڈیئر بچن نے نہیں مانی ا..... اس کا سوچنا تھا کہ اسے رہا کروانے کیلئے باہر سے ضرور کوئی کوشش ہوگی اور عین ممکن ہے ا طرح انہیں کوئی اور کلو مل جائے کیونکہ عامر کو تین ماہ تک زیر تفتیش رکھنے کے بعد بھی وہ اسی شک ا مبتلا تھے کہ اس نے ابھی تک بہت کچھ چھپایا ہوا ہے۔

اور یہ تھا بھی سچ.....!

عامر نے انہیں ابھی کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔

اس نے بہت سے حساب خود ہی چکانے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن.....!

وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے یہ سارے حساب کیسے بے باق کرے گا؟ یہی فکر کی جان کو آ رہی تھی۔

یوں تو ایک سیدھا سارا راستہ بھی موجود تھا کہ وہ ''را'' کو اعتماد میں لینے کے لئے کسی خلاف ثبوت کے ساتھ ایسی کہانی پیش کر دیتا کہ پھر وہ ساری زندگی اس کے ساتھ ہی ان سلاخ کے پیچھے ایڑیاں رگڑ تا مر جاتا..... لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔

اسے اپنی قوت ارادی پر اعتماد تھا کہ ایک روز ضرور وہ اپنے زور ہمت پر ان سلاخ سے باہر ہوگا۔

اس نے اپنی زندگی کا ایک مشن بنالیا تھا کہ وہ دشمن کو کبھی معاف نہیں کرے گا اور قسم اگر اسے کشمیر لے گئی تو اپنے گناہوں کا کفارہ ضرور ادا کرے گا.....

وہ انہی خیالات میں گم تھا جب جوگا سنگھ نے ''نہلائی'' کے لئے ''چکیوں'' دروازے کھولنے شروع کئے۔

سپاہی مکھن سنگھ اس کے ساتھ تھا۔

''کیا حال ہے میاں.....''

مکھن سنگھ نے جو اس سے قدرے ہمدردی رکھتا تھا پوچھا۔

''چڑھدی کلا بابا جی.....''

عامر نے معمول کے مطابق قدرے بلند آواز میں کہا۔

''بڑا سورما ہے یہ.....''

مکھن سنگھ نے نمبردار جوگا سنگھ سے کہا۔

''سچ بچن گیانی جی..... ایسا جوان میں نے نہیں دیکھا۔''

جوگا سنگھ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''یار اس کی کوئی سیوا کر دیا کر..... مرد آدمی ہے..... مہاراج خوش ہوں گے.....''

مکھن سنگھ نے چلتے چلتے کہا۔

''گیانی جی ڈر لگتا ہے..... کسی نے دیکھ لیا تو لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ میں نے تو ڈر کے مارے کبھی اس بے چارے کو چائے تک نہیں پلائی۔''

جوگا سنگھ نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔

''اوئے سردار کیا بات کرتا ہے یار تو..... مٹورام کی ماں.....

اس نے مٹورام حوالدار کو خواہ مخواہ گالی دے دی۔

''گیانی جی اب تو آپ کی ڈیوٹی ہے۔ آپ بھگتی والے بندے ہیں..... کل کلاں اس کے کسی چمچے کی ڈیوٹی لگ گئی تو وہ میاں عامر سے ہمدردی کے جرم میں مجھے بھی ''چکی بند'' نہ کروا دے..... میں نے تو ابھی سات سال قید کاٹنی ہے۔ بابا جی مہاراج۔''

اس نے پھر بابا مکھن کو کریدا۔

''اوئے ذیلدار تو فکر نہ کر یار..... تو کوئی ایسے گئے گزاروں کی اولاد نہیں جو سالا تیری مخبری کرے گا کچھ سوچ سمجھ کر ہی کرے گا.....''

''دھنواد بابا جی..... اگر آپ مجھے کسی قابل سمجھتے ہیں تو.....''

جوگا سنگھ نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''جا یار زرا چنگی جیئی چائے بنا میاں کے ساتھ ہی پیتے ہیں بیٹھ کر..... میں دیکھتا ہوں کون سالا ہمیں روکے گا.....''

بابا مکھن سنگھ قدرے جوش میں آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ عامر کے ساتھ بیٹھے چائے پی رہے تھے..... جوگا سنگھ کے ساتھ ساتھ سپاہی مکھن سنگھ کی ہمدردی کو عامر نے تائید ایزدی جانا اور اسے یقین ہونے لگا کہ قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ رہا ہے اور اس کی رہائی کا راستہ ہموار ہو رہا ہے۔

اس روز اس نے چرب زبان اور پنجابی لوک داستانیں گا کر دونوں کا دل موہ لیا۔

جب تک مکھن سنگھ احاطے میں موجود رہا۔ اس نے عامر کو ''چکی بند'' نہیں کیا۔ اس کا یہ رویہ خود عامر کے لئے بھی ناقابل فہم ہو رہا تھا۔

❁❁❁

بابا مکھن سنگھ کی ڈیوٹی ابھی ایک ہفتہ اور چلنی تھی اور عامر چاہتا تھا کہ اس کی ہمدردیاں جوگا سنگھ کی مدد سے اپنے حق میں استعمال کر لے.....

گنتی بند ہونے پر جوگا سنگھ معمول کے مطابق اس کے سیل کے نزدیک زمین پر بیٹھ کر

اس سے گپ شپ کرنے لگا۔

دونوں اکثر اسی طرح رات دیر گئے تک تاش کھیلتے رہتے تھے.....!!

اس روز اچانک ہی عامر نے اپنا آخری داؤ بھی استعمال کرلیا۔

''جوگا سیاں.....اگر تو چاہے تو ''ادھر'' رابطہ کروادوں.....''

اس نے اچانک جوگا سنگھ کی آنکھوں میں جھونک کر کہا۔

ایک لمحے کے لئے جوگا سنگھ کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ عامر نے اندازہ لگالیا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

''کس سے۔''

جوگا سنگھ نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''کمانڈو فورس کے جرنیل گرو جنٹ سنگھ سے.....''

اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

عامر نے یہاں چار پانچ دن جوگا سنگھ کے ساتھ گزار کر اس بات کا اندازہ تو کر ہی لیا تھا کہ جس علاقے سے اس کا تعلق ہے وہاں کے لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ تر کمانڈو فورس کے ساتھ ہیں اور جس گورجنٹ سنگھ کا اس نے نام لیا تھا وہ بھی اسی تحصیل کے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔

خالصتان کے حصول کے لئے یوں تو سکھوں کے کئی گروپ سرگرم عمل تھے لیکن کمانڈو فورس، لبریشن فورس اور ببر خالصہ کا نام زیادہ اخبارات میں آتا تھا۔

''یار میاں ساری زندگی تیرا احسان مند رہوں گا.....''

جوگا سنگھ خاصا جذباتی ہو گیا تھا۔

''جوگا سیاں ایک مرتبہ ہم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل جائیں۔ میرا وعدہ رہا کہ ادھر سے جو سامان تمہیں چاہئے وہ ملے گا۔ راکٹ لانچر، ایل ایم جی میں کلاشنکوف کو تو کچھ سمجھتا ہی نہیں.....اور تمہیں ایسے لڑکے ملیں گے کہ اس ضلع میں تمہاری دھاک بیٹھ جائے گی.....جوگا سیاں.....یاد رکھنا اگلے دو سال کے اندر خالصتان آزاد دیش بن جائے گا.....اگر مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن سکتا ہے تو مشرقی پنجاب خالصتان کیسے نہیں بنے گا؟.....ادھر آرمی تمہاری مدد کے لئے بالکل تیار ہے.....بالکل تیار.....تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا تمہارے جوبھی

جوان ادھر رہتے ہیں بادشاہوں کی زندگی بسر کر رہے ہی.....جرنیلوں والی زندگی.....''

اس نے جھوٹ کا طومار باندھ دیا۔

بھارتی اخبارات میں خبریں پڑھ پڑھ کر کہ خالصتان نواز سکھوں نے سرحد پار پاکستان میں پناہ لے رکھی ہے اور پاکستانی حکومت ان کی مکمل پشت پناہی کر رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

پنجاب کے سکھ یہی سمجھتے تھے کہ پاکستانی ان کے پشتی بان ہیں۔

حوالدار جوگا سنگھ نے تو اپنی فوج کی نوکری کے دوران ہی ایسی بے شمار افواہیں سنی تھیں۔ اس کے ہندو آفیسر دن رات انہی الزامات کی تکرار تو ان کے سامنے کرتے رہتے تھے۔ جس کے بعد وہ بے چارہ بھی اس خوش فہمی کا شکار ہونے لگا تھا کہ واقعی یہ ساری تحریک پاکستان کی مدد سے چل رہی ہے۔

عامر نے اسے اس بات کا یقین پہلے ہی دلا دیا تھا کہ وہ پاکستان انٹیلی جنس کا بڑا اہم آفیسر ہے اور سکھ تحریک کو منظم کرنے کے لئے ہی اسے یہاں بھیجا گیا ہے۔

جوگا سنگھ جانتا تھا کہ انٹیلی جنس والے یہی کچھ کیا کرتے ہیں خود اس نے بنگلہ دیش میں یہی کچھ کیا تھا۔

اسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ایک روز خالصتان بھی ضرور آزاد ہو جائے گا جس طرح مشرقی پاکستان آزاد ہوا تھا.....

کیوں نہ وہ ابھی سے اس آزادی کی لوٹ مار میں حصہ دار بننے کے لئے اپنا نام لکھوا دے۔

اس نے سوچا اور پھر سب سے بڑھ کر میجر جوشی.....!!

جب تک وہ اسے قتل نہ کرے اس کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوگا۔

''ٹھیک ہے میاں.....''

اس نے عامر کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

عامر نے سلاخوں سے اپنا ہاتھ باہر نکال کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

جیل کے ''چکر'' سے رپورٹ مانگنے کا عمل شروع ہو گیا تھا.....نمبردار جوگا سنگھ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر باہر آ گیا۔

''بندا حاطہ بھئی او.....''

اس کے پرے ہٹتے ہی آواز بلند ہوئی۔

''سب اچھا بھئی او.....''

جوگا سنگھ نے حسب روایت زور سے چلاتے ہوئے جواب دیا۔

❁❁❁

اس رات کی اپنی قید کے دوران پہلی مرتبہ عامر کریم خان سکھ کی نیند سویا۔ صبح اس کی آنکھ تب کھلی جب گنتی کرنے والے حوالدار مہتہ نے معمول کے مطابق ''چکیوں'' کی سلاخوں پر زور زور سے اپنا ڈنڈہ مارتے ہوئے ''صاحب دان.....صاحب دان'' کی آواز لگائی۔

وہ اپنے کمبل پر اٹھ کر بیٹھ رہا۔

گنتی کرنے والے حوالدار نے حسب معمول گنتی مکمل کی اور باہر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ''لنگر والے'' آ گئے۔ لوہے کے ایک بڑے سے ڈول میں چائے کے نام پر تیار ہونے والے محلول کی دو دو کپیاں بھر کر ان کے پاس موجود تام چینی کے ڈونگوں میں انڈھیلی جانے لگیں۔ تمام قیدیوں نے اپنے ہاتھوں میں اپنے اپنے ڈونگے پکڑے ہوئے تھے اور وہ سلاخوں سے لگے بیٹھے تھے۔ لانگری سلاخوں کے اندر لکڑی کے ڈنڈہ سے بندھی لوہے کی کپی بھر کر اس میں چائے نما محلول ان کے ڈونگے میں منتقل کر دیتا.....

''بندا حاطہ'' ہونے کی وجہ سے جیل کے تمام مشقتی ان سے ہمدردی رکھتے تھے اور افسران بالا کے سخت احکامات کے باوجود ان کی مدد کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔

انہیں دوسری بیرکوں کے مقابلے میں قدرے بہتر چائے دی جاتی تھی اور چائے اور دال سبزی کے جو ڈول اس طرف آتے لنگر خانے کے مشقتی ان میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ لوازمات استعمال کرتے تھے۔

چائے تقسیم ہونے کے بعد ہی بابا مکھن سنگھ کی ڈیوٹی شروع ہو جاتی تھی۔ اس نے معمول احاطے میں داخل ہوتے ہی چابیوں کا گچھا جوگا سنگھ کو تھمایا اور خود ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی آنکھوں کے سامنے بغل میں دبا اخبار پھیلانے کے بعد جوگا سنگھ کی تیار کردہ چائے پینے لگا۔ ساون کا آغاز تھا اور بادل اڈے چلے آ رہے تھے۔

جوگا سنگھ نے حسب سابق چابیوں کا گچھا پکڑا اور بندا احاطے کی چکیوں کے تالے کھولنے لگا۔ صبح کچھ دیر کے لئے قیدیوں کو ''ٹہلائی'' کی سہولت دی جاتی تھی اور وہ اس دوران ''اشنان'' (نہانا) بھی کرتے تھے.....

اس احاطے میں بیس سیل (چکیاں) تھے.....جنہیں کھولنے میں قریباً 20 منٹ لگ جاتے تھے۔ جوگا سنگھ نے تمام سیل معمول کے مطابق کھولے تھے اور اتنا ہی وقت لیا تھا۔

لیکن.....

اس دوران اس نے کمال پھرتی سے پہلے سے اپنے پاس موجود صابن کی نرم ٹکیا میں عامر اور اس کے بازو والی دو چکیوں کو لگنے والی چابیوں کے نقش اتار لئے تھے.....

اس نے باقی دو چابیوں کے نقش اس احتیاط کے پیش نظر اتارے تھے کہ کبھی کبھی اچانک ان قیدیوں کو دوسرے سیلوں میں منتقل کر دیا جاتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اگلے دو تین روز میں اس کی بھی ''اڑدی'' (جیل کی اصطلاح میں جس کے مطابق خطرناک قیدیوں کے سیل اچانک تبدیل کر دیئے جاتے تھے) لگا کر اس کا سیل بھی تبدیل کر دیا جاتا۔

اپنا کام مکمل ہونے پر اس نے اطمینان سے چابیاں دوبارہ بابا مکھن سنگھ کے پاس رکھ دیں اور اپنے مشقتی کو اس کے لئے ''دال تڑکا'' تیار کرنے کی ہدایت کرتا اپنے سیل کی طرف چل دیا۔

سیل میں پہنچ کر اس نے احتیاط سے صابن کی ٹکیا ایک کونے میں رکھی اور دوبارہ مکھن سنگھ کے پاس آ گیا۔

عامر بھی ان کے نزدیک آ گیا تھا۔

دونوں نے مل کر منصوبہ تیار کیا تھا۔ جس کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے ہونے پر دونوں نے آنکھوں' آنکھوں میں ایک دوسرے کو مبارک باد دی تھی اور اب معمول کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

جوگا سنگھ کا مشقتی دال تڑکا وہیں لے آیا تھا۔ دونوں نے بابا مکھن سنگھ کے نزدیک بیٹھ کر ناشتہ کیا اور اس کے ناں ناں کہنے کے باوجود ایک پھلکا اسے بھی کھلا دیا۔

عامر نے حسب معمول اسے ''ہیر رانجھا اور مرزا صاحباں'' کے بول سنانے شروع کر

دیئے۔ باقی قیدی بھی ان کے نزدیک اکٹھے ہونے لگے تھے۔

''واہ میاں.....واہ.....''

سب نے اختتام پر اسے داد دی۔

تھوڑی دیر بعد ڈیوڑھی کے منشی نے آ کر جوگا سنگھ اور اس احاطے کے تین دوسرے قیدیوں کو ''ملاقات'' کے لئے تیاری کا مژدہ سنایا۔

جوگا سنگھ کی ملاقات حسب معمول آج دس روز کے بعد آ گئی تھی۔ اس مرتبہ اس نے اپنے چھوٹے بھائی سے درخواست کر کے بطور خاص اپنے بچپن کے دوست دلباغ سنگھ کو بلایا تھا جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ خالصتان نواز سرگرمیوں میں ملوث ہے.....

جو ابھی خوش قسمتی سے پولیس کی نظروں میں نہیں آیا تھا.....

جوگا سنگھ کے خاندانی اثر رسوخ کی وجہ سے اس کی ملاقات عموماً ڈیوڑھی کے اندر ہی ہوتی تھی۔ آج بھی اس کے رشتہ دار ڈیوڑھی کے اندر ڈپٹی جیلر کے کمرے میں اس سے ملاقات کر رہے تھے۔

جوگا سنگھ نے دلباغ سنگھ سے گلے ملتے ہوئے ''پرائیوٹ گفتگو'' کے لئے اس کے کان میں سرگوشی کر دی تھی۔

اور.....

دلباغ سنگھ اس کا مطلب اچھی طرح جان گیا تھا۔

دونوں دوست دس پندرہ منٹ الگ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ اس درمیان جوگا سنگھ نے اسے عامر کا تعارف کروانے کے بعد اپنے عزائم اور اگلے منصوبے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

دلباغ سنگھ کے لئے تو جوگا سنگھ کی یہ تبدیلی ''مہاراج کی خصوصی کرپا'' تھی اگر حوالدار جوگا سنگھ جیسا کمانڈو ان کے گروپ میں شامل ہو جاتا تو وہ اس علاقے میں اپنی دھاک بٹھا دیتے اور تحریک کو جیسے ریڑھ کی مضبوط ہڈی میسر آ جاتی۔

''جوگا سنگھ.....بے فکر ہو جا.....جیسا تو نے کہا اس پر لفظ بہ لفظ عمل ہوگا۔ اگر عامر جیسا بندہ ہمارے ہاتھ لگ جائے اور وہ ہمارے دو تین لڑکوں کو ہی ایکسپلوسو بنانے کی تربیت دے دے تو ہم ان براہمنوں سے ایک ایک زیادتی کا گن گن کر بدلا لے سکتے ہیں.....جوگا سیاں.....صرف

میرے گاؤں کے پندرہ بے گناہ جوان مارے جا چکے ہیں.....میں تو جانتا ہوں کہ ان میں سے صرف ایک ''سنگھرش'' (لڑائی) سے جڑا ہوا تھا.....باقی سب بے گناہ محض اس لئے مارے گئے کہ کچھ اس کے رشتہ دار اور کچھ یار دوست تھے اور ان سالوں کو شک رہتا ہے کہ خالصتانی سنگھ جس طرف سے بھی گزرے گا اپنا نقش بنا جائے گا.....میرا دل خون کے آنسو روتا ہے جوگا سنگھ.....کاش ہمارے پاس بم بنانے کی صلاحیت ہوتی۔ میں اس سالے ایس پی تیاگی کو اس کے ہیڈ کوارٹر سمیت اڑا دوں.....جوگا سنگھ ہمارے سنگھ تو اپنے وجود سے بم باندھ کر بھی انسان بم بن کر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں.....لیکن افسوس ہمیں یہ کچھ آتا ہی نہیں.....جن گروپوں کے پاس بم بنانے کی صلاحیت موجود ہے ان سے رابطہ نہیں ہو رہا.....ہر بندہ دوسرے سے خوفزدہ ہے.....سرکار نے تمام جتھے بندیوں میں اپنے لوگ داخل کر کے ہر کسی کو دوسرے کیلئے مشکوک بنا دیا ہے.....جوگا سیاں تو نے جو کہا اس پر تیری مرضی کے مطابق عمل ہوگا.....لیکن ایک وچن تجھے دینا ہوگا

اس نے امید بھری نظروں سے جوگا سنگھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا؟.....''

جوگا سنگھ نے بے چینی سے کہا۔

''یہاں سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے ایس پی تیاگی کو ''گڈی چڑھانا'' ہے۔ اس کے بعد کچھ اور ہوگا.....''

''ست بچن.....''

جوگا سنگھ نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ ہی جوگا سنگھ نے اپنے کپڑوں میں چھپائی صابن کی ٹکیا اس کو منتقل کر دی۔

''مجھے پرسوں سولہ تاریخ کو ڈسٹرکٹ ہسپتال جانا ہے.....ڈپٹی اپنا بندہ ہے اس کی مہربانی سے میڈیکل چیک اپ کے چکر میں مجھے مہینے میں ایک آدھ مرتبہ ہسپتال جانے کا موقعہ مل جاتا ہے.....اس طرح ایک آدھ دن جیل سے باہر گذر جاتا ہے.....''

جوگا سنگھ نے کہا۔

''جوگا سیاں پرسوں تمہیں وہاں تیری چابیاں مل جائیں گی۔ اس دوران اگر تم نے اپنے

پلان میں کوئی تبدیلی بھی کی تو فائنل کر کے بتا دینا۔ سترہ تاریخ سے ہر بارش والی رات ہم تمہارا انتظار کیا کریں گے..... تمہاری ہدایت کے مطابق اگر تم سترہ کو کامیاب نہیں ہوتے تو اگلے روز ٹرائی کرنا..... اول تو مہاراج نے کرم کیا تو سترہ تاریخ کو ہی فتح ہو جائے گی.....''

دلباغ سنگھ نے اس سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

جوگا سنگھ اب اپنے باقی رشتہ داروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

❁❁❁

اپنے شہر سے متعلق تمام خبروں نے اس کا فشار خون بڑھایا تھا۔ اسے اس کی ماں نے آج ڈیڑھ ماہ بعد یہ بات بتائی تھی کہ اس کے چچازاد بھائی کو پولیس والوں نے ڈیڑھ ماہ پہلے جعلی پولیس مقابلے میں مار دیا تھا.....

جوگا سنگھ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس کا چچازاد بھائی اقبال سنگھ اپنے باپ کی واحد اولاد نرینہ تھی اس کا چچا ریٹائرڈ صوبیدار میجر تھا اور اقبال ڈاکٹر.....! ان کے خاندان میں وہ سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا نوجوان سمجھا جاتا تھا جس نے گاؤں میں کلینک کھول کر سارے گاؤں والوں کے دل جیت لئے تھے.....!!

جوگا سنگھ جانتا تھا کہ اقبال سنگھ قطعی غیر سیاسی اور اپنے حال میں مست رہنے والا نوجوان تھا۔ اس سے اس بات کی توقع ہی رکھنا حماقت تھی کہ وہ کہیں کسی بھی سیاسی سرگرمی میں حصہ لے گا۔ ایسے کسی موضوع پر وہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ البتہ اس بے چارے کا ایک گناہ ضرور تھا کہ وہ ہر اتوار باقاعدگی سے گردوارے ضرور جایا کرتا تھا اور اس کا والد اکالی دل کا سپورٹر سمجھا جاتا تھا.....

اقبال سنگھ کے کلینک پر رات گئے ایک زخمی نوجوان کو لایا گیا تھا۔ جس کے متعلق لانے والوں نے بھی بتایا تھا کہ گھر میں غلطی سے ریوالور چل جانے سے اس کو گولی لگ گئی ہے..... چونکہ ڈسٹرکٹ ہسپتال وہاں سے دور تھا اور خطرہ تھا کہ وہاں تک مریض کو لے جاتے ہوئے زیادہ خون بہنے سے اس کی موت ہی واقع نہ ہو جائے اس لئے ابتدائی طبی امداد کے لئے وہ لوگ اسے یہاں لے آئے تھے..... انہوں نے اپنا تعلق ساتھ والے گاؤں سے بتایا تھا.....

اقبال سنگھ نے ایک غیر سیاسی اور انسان دوست ڈاکٹر ہونے کے ناطے کسی چکر میں پڑنے یا بحث کر کے اس بے چارے کی جان خطرے میں ڈالنے کے بجائے چپ چاپ اپنے اوزار سنبھالے اور اپنے کمپاؤنڈر کی مدد سے اس کی ٹانگ میں لگی گولی نکال کر مرہم پٹی کر کے فارغ کر دیا۔

اگلے روز اسے علم ہوا کہ جس نوجوان کی ٹانگ سے اس نے گولی نکالی تھی وہ لبریشن فورس کا ایریا کمانڈر بھگت سنگھ تھا جو پولیس مقابلے میں فرار ہو کر اس تک پہنچا تھا۔

اس بات کا علم اسے پولیس کے ذریعے ہی ہوا جس نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ گرفتار ہونے تک اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا جرم کیا ہے؟

وہ تو اسے بی ایس ایف والوں نے اپنے تفتیشی سنٹر میں بتایا کہ اس سے بے خبری میں کتنا بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے.....

اقبال سنگھ کا تعلق ذیلدار سکھوں کے گھرانے سے تھا اور یہ کوئی معمولی لوگ نہیں تھے.....

مقامی عدالت' کچہری میں ان کی رسائی تھی.....

انہوں نے دلی تک ٹیلی فون بجا دیئے تھے۔ ڈاکٹر اقبال سنگھ کی رہائی کے لئے نزدیک دور کے دیہاتوں سے سینکڑوں معزز سردار ایس پی تیاگی کے پاس پیش ہوئے تھے۔ جنہوں نے قسمیں اٹھا کر اس کی بے گناہی کا ثبوت دیا تھا۔

لیکن.....

ان بے چاروں کی ایک نہ چلی.....!!

ایس پی تیاگی نے پہلے تو اقبال سنگھ کی گرفتاری ہی سے لاتعلقی ظاہر کی پھر بمشکل یہ بتانے پر راضی ہوا کہ اقبال سنگھ کو خفیہ پولیس اٹھا کر لے گئی ہے.....

آنندہ پور کے سردار فوراً چندی گڑھ ہائی کورٹ کی طرف بھاگے کہ عدالت کے ذریعے اقبال سنگھ کو برآمد کروائیں۔

لیکن.....

عدالت میں پیش ہونے والے انٹیلی جنس کے وکیل نے بتایا کہ ڈاکٹر اقبال سنگھ کو بی

ایس ایف والے گرفتار کر کے ضرور لائے تھے۔لیکن وہ جیپ سے چھلانگ لگا کر فرار ہو گیا جس کے بعد سے اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

یہ رٹا رٹایا بیان اکثر تکرار کے ساتھ ہائی کورٹ میں ہونے والی ایسی ''رٹوں'' کے جواب میں دے کر مقدمہ داخل دفتر کر دیا جاتا تھا.....اب آنند پور کے سرداروں کو ڈاکٹر اقبال سنگھ کی جان کے لالے پڑنے لگے۔

بے چاروں نے بہت بھاگ دوڑ کی.....

اقبال سنگھ کے باپ نے ایس پی تیاگی کو دو لاکھ روپے بطور رشوت اس کے ایک ٹاؤٹ کے ذریعے بغیر اس کی ڈیمانڈ کے پہنچائے کہ وہ اس کے بیٹے کو کم از کم عدالت ہی میں لے آئے۔

لیکن.....

ایسا نہ کبھی ماضی میں ہوا تھا.....

اور نہ اب ہوا.....

ان کی دادفریاد.....سفارش' بھاگ دوڑ' اثر رسوخ' سب اکارت گیا۔

دس روز کے بعد ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں ایک جعلی پولیس مقابلہ ہونے کے بعد جو دو ''ات وادی'' (دہشت گرد) مارے گئے۔ان میں ایک بدقسمت اقبال سنگھ بھی تھا.....

اس کی لاش کی شناخت اس کی ماں نے اخبار میں اس کی تصویر دیکھ کر کی۔جو بعد میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی.....!

جب گاؤں کے درجنوں معزز سردار اقبال سنگھ کی لاش مردہ خانے سے ''انتم سنسکار' (آخری رسومات) کے لئے لے کر آئے تو اس کے جسم پر زخموں کے سولہ گہرے نشانات تھے.....اقبال سنگھ کے جسم میں ورمے سے سوراخ کئے گئے تھے.....

عین ممکن تھا کہ پولیس کے اس بے پناہ غیر انسانی تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے بدقسمت ڈاکٹر اقبال سنگھ نے پولیس کے الزام کو تسلیم کر لیا ہو کہ اس کا تعلق ''اگر وادیوں'' (دہشت گردوں) سے ہے۔

لیکن.....

اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

اس کا یہ جرم بھی نا قابل معافی تھا کہ وہ نوجوان سکھ جٹ تھا اور ایک ایسے گھرانے سے اس کا تعلق تھا جس کا شمار اپوزیشن میں ہوتا تھا جس سے متعلق انٹیلی جنس حکام کوئی بھی رائے اپنی رضی سے قائم کر سکتے تھے۔

❁❁❁

اقبال سنگھ کی موت کی خبر نے جوگا سنگھ کو بے چین کر دیا۔

غم و غصے سے اس کے دماغ کی نس پھٹنے لگی تھی۔اس نے اپنے سارے خاندان کے سامنے قسم کھائی تھی کہ زندگی میں جب بھی موقعہ ملا وہ اقبال سنگھ کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لے گا.....

اس نے ایس پی تیاگی کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارنے کا عزم کر لیا تھا۔

بڑے بوجھل قدموں سے چلتا ہوا وہ اپنے سیل تک آیا۔ملاقات میں آنے والا آدھا سامان اس نے حسب معمول جیل کے عملے ہی میں تقسیم کر دیا تھا۔

اس روز پہلی مرتبہ عامر نے اسے سوگوار دیکھا.....اور جب جوگا سنگھ نے اسے اقبال سنگھ کے متعلق بتایا تو اس کا دل بھی بھر آیا.....

اگر جوگا سنگھ کے دل و دماغ میں کہیں کوئی الجھن رہ بھی گئی تھی تو اب ختم ہو چکی تھی.....

اس نے اٹل فیصلہ کر لیا تھا کہ عامر کے ساتھ جیل سے فرار ہو گا اور سب سے پہلے اپنے بھائی کے قتل کا حساب چکائے گا۔اس کے بعد ہی کوئی اور کام کرے گا۔

''جوگا سنگھ یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔ایک مرتبہ اگر ہم باہر ہو گئے تو تمہاری طاقت ،میرا تجربہ مل کر تمہارے ایک ایک زخم کا ازالہ کرے گا.....''

عامر نے بڑے یقین سے کہا۔

''اوش میاں اوش (ضرور)''

جوگا سنگھ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے دباتے ہوئے کہا۔

باب 4

16 تاریخ کو معمول کے مطابق وہ صبح ہی ہسپتال جانے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ رہا تھوڑی دیر بعد پولیس لائنز سے اسے لے جانے کے لئے گارڈ آ گئے..... وہ مہینے میں ایک دا ہسپتال جایا کرتا تھا۔ یہ سب جعلی کاروائی تھی اس کے گھر والوں نے اس طرح ملاقات کا ایک ا بہانہ تلاش کیا تھا۔ عموماً قیدی کو سزا پانے کے بعد اس کے اپنے ضلع کی جیل میں نہیں رکھا جاتا تھا ا دوسری جیلوں میں اس کا تبادلہ ہو جاتا تھا۔

لیکن یہاں بھی اس کا اثر رسوخ کام آیا اور گزشتہ آٹھ ماہ سے وہ اپنے ہی شہر کی جیل میں قید تھا۔

حوالدار نتھو رام اور دو سپاہی اس کے منتظر تھے.....

جیل کی ڈیوڑھی ہی میں انہوں نے جوگا سنگھ کو ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اس کے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی اور اس طرح اس کے ہمراہ چل رہے تھے جیسے ملزم وہ نہیں بلکہ پولیس وا ہیں.....

تھوڑے فاصلے پر اس کا بھائی گاڑی لئے ان کا منتظر تھا..... جوگا سنگھ اگلی سیٹ پر بیٹ گیا۔ تمام ملازم پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے.....

اس کے بھائی نے گاڑی میں سوار ہوتے ہی حوالدار نتھو رام کو سو سو کے دو نوٹوں کا ھادا چڑھا دیا تھا اس نے بڑی بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے ''رہنے دیجئے راج..... اس کی کیا ضرورت تھی..... ہم تو ویسے ہی آپ کے تابعدار ہیں.....''

جیسے فقرے کہتے ہوئے ایک نوٹ اپنی جیب میں ڈال لیا اور ایک ان دونوں سپاہیوں طرف بڑھا دیا جن کی رال خاصی دیر سے ٹپک رہی تھی اور انہیں ڈر تھا کہ ساری رقم حوالدار نتھو خود ہی ہڑپ نہ کر جائے۔

''موڈ لگانا ہو تو بتا دینا.....''

''ذیلدار جی مہاراج دل تو چاہتا ہے لیکن نوکری کا معاملہ ہے ناں.....''

''کوئی بات نہیں۔ رم کی بوتل لے دیں گے..... ڈیوٹی کے بعد موج میلہ کر لینا.....''

جوگا سنگھ کے بھائی نے کہا۔

''بھگوان آپ کو خوش رکھے' مہاراج جی۔''

گاڑی ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں اس کا میڈیکل سرٹیفکیٹ اور رپورٹ رات ٹائپ ہوئی رکھی تھی۔ جس کے مطابق ڈاکٹروں نے اسے ایک اور دوا ایڈوائز کرنے کے بعد ما کہ ایک ماہ تک یہ دوا استعمال کر کے وہ دوبارہ اگلے ماہ کی سولہ تاریخ کو ہسپتال آئے جہاں کے ٹسٹ کر کے کوئی رائے قائم کی جائے گی۔

جوگا سنگھ اور پولیس والے تو گاڑی میں بیٹھے رہے جب کہ اس کا بھائی پارکنگ میں ما کھڑی کر کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ رپورٹیں اور اگلے احکامات لے کر آ گیا۔

اب کار کا رخ نزدیک ہی ایک گھر کی طرف تھا.....

اس ماڈرن کالونی میں جوگا سنگھ کے سسرال رہتے تھے اور خاندان کے باقی لوگ بھی اس کی ملاقات کے لئے موجود تھے.....

حوالدار نتھو رام نے اس کی ہتھکڑی کھول دی تھی اور اپنے دونوں سپاہیوں کے ساتھ سرروم میں بیٹھا تھا انہوں نے خود پر انتہائی ضبط کرتے ہوئے بھی دو دو پیک لگا لئے تھے اور دوپہر کے کھانے پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے.....

❁❁❁

گھر کے دوسرے کمرے میں اقبال سنگھ کا صوبیدار باپ اور بوڑھی ماں حسرت و
کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ جوگا سنگھ کی صورت پر نظر پڑتے ہی وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے
باری باری اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

''بس کر جا چاچا بس کر جا..... سردار اس طرح رویا نہیں کرتے۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ میں
میں قید ہوں..... رب دی قسم اے چاچا میں جلدی اقبال سنگھ کا حساب بے باق کر دوں گا.....
ان سالوں کی ''بھاجی'' دوگنی کر کے لوٹاؤں گا۔ دگنی کر کے..... یہ سالا ایس پی کا بچہ کیا سمجھتا
اپنے آپ کو''..... جوگا سنگھ پھٹ پڑا۔

''نہ ویر جی..... ناں..... ایسا سوچنا بھی نہیں..... اقبال سنگھ نے کچھ بھی نہ کیا اور اس
نے اسے مار ڈالا..... اب اگر تجھے کچھ ہو گیا تو.....''

اس کی بہن گلے لگ کر رونے لگی۔

''جوگا سنگھ کو ان کے رونے پر غصہ آ رہا تھا.....

''لعنت ہے مجھ پر بھی..... اوئے سردار دیپ سنگھ کے پوتے کو پولیس نے ناجائز
اور میں..... خیر کوئی بات نہیں..... چاچا میں تجھے وچن دیتا ہو..... اگر ایک ماہ کے اندر اندر ایس
تیا گی کو گڈی نہ چڑھایا تو میں بھی کسی سردار کا نہیں، چوڑہے کا جنا ہوں.....''

جوگا سنگھ کی بات نے سب کو دہلا کر رکھ دیا۔

''ویر جی..... ہم کیا مر گئے ہیں..... تو کیوں کرے گا..... ابھی ہم زندہ ہیں۔ مر
پھر تو بھی اپنا نمبر لگا دینا۔''

اس کے اکلوتے بھائی نے بے قابو ہو کر کہا۔

''نہیں بخت سنگھ..... اس خاندان کا سب سے بڑا لڑکا میں ہی ہوں..... یہ
مریادہ ہے..... یہ فرض مجھ ہی کو نبھانا ہو گا..... ورنہ ہمارے بزرگوں کی روحوں کو تکلیف
گی.....''

جوگا سنگھ نے اسے اپنی مریادہ (روایت) یاد دلاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر ہی میں محفل کا رنگ بدل گیا.....!

جوگا سنگھ کی ساس نے اس کی پگڑی پر بسنتی رنگ کی پٹی باندھ دی تھی جس کے سا

نے ''بولے سونہال ست سری اکال۔'' کا جے کارہ بلند کر دیا تھا۔

دلباغ سنگھ نے اپنی کرپان نکال کر سامنے رکھ دی تھی اور جوگا سنگھ کا سسر گیانی بابا عجائب
داس (دعا) کروانے لگا تھا۔

''ہے سچے بادشاہ اپنے داس کو اپنی مان مریادہ۔
سکھی آن بان کے ساتھ پوری کرنے کا بل بخشنا۔
اے نمانیاں دے مان۔ ناواناں دی اوٹ ست گورو۔
سچے بادشاہ گورو کلغی دھار کے سنگھ ہم سب کی آنکھوں کے۔
تارے سردار جوگا سنگھ کی رکھشا کرنی۔ اکھر وادھا کھاٹا۔
بھل چک معاف کرنی۔ نانک نام چڑھدی کلا تیرے۔
بھانے سربت کا بھلا''.....

بوڑھے گیانی کی آواز بھرا گئی۔

اس نے سکھ گیانی ہونے کے ناطے اپنی مذہبی روایات کے عین مطابق جوگا سنگھ کو
اساسودھ'' (حلف اٹھا کر) میدان کارزار کی طرف دھکیل تو دیا تھا۔

لیکن.....

وہ اس کا داماد بھی تھا۔

اس کی بیٹی کے دو بچوں کا باپ بھی تھا۔

عجائب سنگھ جانتا تھا کہ جلد یا بدیر ہونا تو یہی تھا۔ یہ ان کی قسمت تھی۔ اس بات کا سوال
یدا نہیں ہوتا کہ اس خاندان کے بچے اپنی مان مریادہ کو بھول جائیں۔ انہوں نے بدلہ تو لینا ہی

''چلو اچھا ہوا..... کئی ماؤں کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں گے جن کے لالوں کو ان کی
وں کے سامنے ایس پی تیا گی اور اس کے سپاہیوں نے ذبح کیا ہے۔''

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

وہ آخر ایک سکھ گیانی ہے جسے ہر حال میں اللہ کی رضا پر ہی راضی رہنا ہے ''تیرا بھانا
الا گے۔''

اس نے سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا اور یہ کہہ کر گردن جھکالی۔

❁❁❁

دلباغ سنگھ نے اپنا کام مکمل کرلیا تھا۔

نقلی چابیاں جوگا سنگھ کے پاس محفوظ ہو چکی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر انہوں نے تفصیلات طے کرلی تھیں۔

موسم خوش قسمتی سے سے ان کی مرضی کے عین مطابق اور ان کے لئے بے حد مو تھا۔

''میرا من کہتا ہے کہ عامر ہمارے لئے بہت کام کا نوجوان ثابت ہوگا۔ ایک ہونے کے ناطے اس کی ایکپلوسو سے متعلق معلومات پر میں حیران رہ گیا ہوں..... دلباغ تمام چیزیں مقامی استعمال ہوں گی..... اور پھر اس کا سرحد پار بھی تو گہرا تعلق ہے..... مجھے ہے ادھر سے سامان وغیرہ بھی وہ دلوائے گا..... یار وہ معمولی بندہ نہیں ہے۔ پاکستان انٹیلی کوئی بڑا افسر لگتا ہے..... ابھی تک اس نے اپنی شناخت چھپائی ہوئی ہے..... لیکن کوئی بات نہ ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔''

جوگا سنگھ نے اسے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

''جوگا سنگھ جیسے تو بتا رہا ہے..... اگر وہ ایسا ہی ہے تو سمجھ لے مہاراج نے ہم خاص کرپا کی ہے..... میں نے جتھے بندی کو بھی اعتماد میں لے لیا ہے..... امرتسر سے دو سنگھ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ گاڑی کا بندوبست ہو چکا ہے.....

دلباغ نے اسے آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے دلباغ سیاں..... اندر کا معاملہ میں سنبھال لوں گا۔ باہر کا تم..... بھانا کرتار کا.....''

جوگا سنگھ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''چڑھدی کلا ہوگی..... حوالدار..... چڑھدی کلا.....''

دلباغ سنگھ نے بڑے جوش سے کہا۔

آوشے..... (ضرور)''

جوگا سنگھ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے بھائی بخت سنگھ کو بلا کر اپنا پورا منصوبہ سمجھا دیا تھا۔ جس نے ان سے زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

''تم آج گرفتاریاں دے دو..... آج شام سے پہلے ہی حوالات بند ہو جاؤ۔ چچا عجائب سنگھ تھانیدار سے بات کرلے گا..... ابھی دو تین دن ضمانت نہیں کروانی..... ادل تو آج ہی چڑھدی کلا ہو جائے گی۔ ورنہ کل بس مہاراج بادل برسائے رکھے..... ہمارے لئے یہی بہتر ہے.....''

جوگا سنگھ نے کہا۔

''ٹھیک ہے ویر جی۔ ایسا ہی ہوگا۔''

بخت سنگھ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''بہن جی اور بچوں کو یوپی روانہ کردو.....''

دلباغ سنگھ نے کہا۔

''ہاں..... یہی ٹھیک رہے گا۔ ان سالوں سے کیا بعید ہے۔''

جوگا سنگھ نے کہا۔

''بخت سیاں..... تم چھندے، گڈی اور بھرجائی کو تھوڑی دیر بعد ہی میرے گھر پہنچا دو..... ماں جی کو سب بتا آیا ہوں۔ اپنی موٹر ہے وہ کیسر سنگھ کے ساتھ چلی جائے گی۔ کیسر سنگھ کا بھی اب یہاں رہنا ٹھیک نہیں.....''

دلباغ سنگھ نے اپنے بھائی کے متعلق بتایا۔

''جیسے دلباغ سیاں کہتا ہے ویسے ہی کر..... اور ہاں یاد رکھنا ابھی تو نے دو تین دن ضمانت نہیں کروانی..... بھلے آج ہی کام ہو جائے.....''

جوگا سنگھ نے اسے دوبارہ سمجھایا۔

''ٹھیک ہے ویر جی.....''

بخت سنگھ نے مکمل تابعداری کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا ہم چلتے ہیں..... میں شام سے پہلے جیل پہنچنا چاہتا ہوں۔''

جوگا سنگھ نے اذن رخصت لیا.....

ان کی بہنیں، بھائی اور عزیز واقارب اس سے اس طرح ٹوٹ کر گلے مل رہے تھے جیسے یہ زندگی کی آخری ملاقات ہو۔ جیسے صبح پھانسی کے تختے پر لٹکنے والے سے اس کے اقربا ملا کرتے ہیں.....

جوگا سنگھ نے باری باری اپنے بیٹے اور بیٹی کو گود میں اٹھا کر جی بھر کے چوما اور رخصت کے لئے دونوں ہاتھ باندھ کر ''فتح'' بلانے لگا۔ جیسے ہی اس نے فتح بلانے کے لئے ہاتھ جوڑے اس کی بیوی نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر ٹکا لگا دیا.....

سردارن شمندر کور نے سکھی مان مریادہ کو اپنے خاوند کی طرح ایک لمحے کے لئے فراموش نہیں کیا تھا۔

''چنگا بھلئے لوکے بھل چک معاف کرنی.....''

جوگا سنگھ نے اچانک ہی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی بیوی شمندر کور کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''فتح ہونی ہے سردار جی..... فتح یاب ہو کر آنا ہے۔''

سردارنی شمندر کور شیرنی کی طرح گرج رہی تھی.....

''واہے گورو جی کا خالصہ

واہے گورو جی کی فتح۔''

بابا عجائب سنگھ کے ساتھ مل کر سب نے باآواز بلند کہا اور جوگا سنگھ کمرے سے باہر گیا۔

''چلو بابیو..... کچھ آگے کی فکر بھی کرنی ہے.....''

جوگا سنگھ نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے گارد کے جوانوں سے کہا۔

''چلو مہاراج..... چلو..... واہے گورو آپ سب کی چڑھدی کلا رکھے۔''

حوالدار نتھو رام نے مراثیوں کی طرح ہاتھ باندھ کر اسے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

اس گدھے کو اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ دلباغ سنگھ نے بھرا ہوا ریوالور جوگا کی چابیوں کے علاوہ دیا تھا جسے اس نے اپنی دونوں رانوں کے درمیان اس طرح باندھ رکھا تھ

ہت غور سے تلاشی لینے پر ہی برآمد ہو سکے۔

اس کی چال میں بھی کوئی فرق دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

❁❁❁

حوالدار نتھو رام نے بادل نخواستہ جیل سے چند گز کے فاصلے پر جوگا سنگھ کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی تھی..... اس پر بھی اس نے درجنوں دفعہ معذرت کر لی تھی۔ جوگا سنگھ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس گدھے نے زیادہ ہی شراب پی لی ہے اور اس کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ کھڑی کر دے۔

وہ جلد از جلد جیل کی ڈیوڑھی تک پہنچنا چاہتا تھا۔

گاڑی جیل کے دروازے سے کچھ فاصلے پر رک گئی..... جیل کے باہر پہرے پر کھڑے سپاہی نے اسے یوں سلیوٹ کیا جیسے وہی ان کا جیلر ہو..... بخت سنگھ نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر دس دس کے دو نوٹ رکھ دیئے۔ یہی سلوک اس نے ڈیوڑھی میں موجود سپاہیوں کے ساتھ کیا اور اشیائے خورد و نوش کے دو بڑے بڑے ڈبے ان کی طرف بڑھا دیئے۔ ان حالات میں کس کی ہمت تھی کہ اس کی تلاشی لیتا..... پھر بھی جوگا سنگھ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے مٹھائی کے باقی دونوں ڈبے باری باری کھول کر ان کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیئے..... تاکہ کوئی کاروائی تو پوری ہو.....!!

مٹھائی کے ڈبے پکڑے جب وہ بند احاطے میں داخل ہوا تو بابا مکھن سنگھ ابھی ڈیوٹی پر موجود تھا۔

اس کی آمد کے بمشکل پانچ منٹ بعد ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ساون کی ایسی تیز برکھا کا نظارہ عامر پہلی مرتبہ کر رہا تھا۔

وہ سیل میں بند تھا جب جوگا سنگھ بارش سے بچنے کے لئے جیل کی مہیا کردہ چھتری لئے اس کے پاس پہنچ گیا۔

سب سے پہلے اس نے مٹھائی اور چائے عامر کے سامنے رکھی.....!

''مبارک ہو میاں..... آج ہماری رہائی کی رات آ گئی.....''

جوگا سنگھ نے کہا۔

''انشاءاللہ.....''

عامر نے مٹھائی کی ڈلی منہ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

جوگا سنگھ کی توقع کے عین مطابق حوالدار مٹورام نے اس کی ''اوڑ دی'' لگا کر اسے ماتا والے سیل میں منتقل کر دیا تھا۔

شدید بارش اور کالی سیاہ گھٹا نے جیل حکام کو شام سے پہلے ہی بلب جلانے پر مجبور کر تھا۔لیکن اس اندھیرے کے لئے یہ بلب بھی ناکافی تھے۔

''اسے سنبھال لو.....ضرورت پڑنے پر بے دریغ استعمال کرنا.....''

اس نے اپنے کرتے کے نیچے سے، ریوالور نکال کر اسے تھما دیا۔

''ویل ڈن''

بے ساختہ عامر کے منہ سے نکلا۔

اس نے جوگا سنگھ سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریوالور کو فی الوقت ا۔ بستر میں چھپالیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک گھڑی جوگا سنگھ نے اس کی طرف بڑھا دی۔

''میں نے دونوں گھڑیوں کا وقت ملا لیا ہے۔ ہمارے پاس صرف دو منٹ کے فرق گنجائش ہو گی۔ اس سے زیادہ نہیں.....''کوٹ موقعہ'' (جیل کی باہری دیوار) کے ٹاور پر میر ڈیوٹی رات 8 بجے سے صبح تک ہے.....تم نے ٹھیک گیارہ بجے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے..... اردا س کرتا ہوں تم بھی دعا کرو کہ بارش کا زور نہ ٹوٹے.....8 بجے میں اس بلاک کی مین لائ میں خرابی پیدا کر دوں گا تا کہ تم بند احاطے سے آسانی سے باہر آ سکو۔''چکر'' ڈیوٹی پر آج رام نا کی ڈیوٹی ہے۔ میں اسے ساڑھے دس بجے تک چائے اور افیم پہنچا دوں گا.....اس کی معمول خوراک سے دوگنا افیم بھیجوں گا۔ امید ہے وہ سرچ لائیٹ گھمانے کے قابل ہی نہیں ر گا.....باقی معاملات کا تمہیں علم ہے.....''کوٹ موقعہ'' سے باہر پہنچنے پر ہم اپنی مرضی سے کچھ نہ کریں گے وہاں کا انچارج دلباغ سنگھ ہو گا.....''

جوگا سنگھ نے ماہر کمانڈر کی طرح منصوبے کی تفصیلات سمجھانے کے بعد اس سے تم تفصیلات دہرانے کے لئے کہا۔

عامر نے رات گیارہ بجے سے گیارہ بج کر سولہ منٹ تک اس نے جو کچھ کرنا تھا۔ایک ایک ممکنہ عمل اور اس کے لئے مقررہ وقت کے ساتھ سارا سبق دہرا دیا۔

''ویل ڈن۔''

اس مرتبہ جوگا سنگھ نے اسے شاباش دی۔

''اچھا اب میں چلتا ہوں.....رب راکھا.....''

جوگا سنگھ نے کہا۔

''ٹیک کیئر Take Care رب راکھا.....''

عامر نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر کہا۔

جوگا سنگھ چلا گیا اور اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔ابھی سات بجے تھے اور ساتھ والی چکیوں سے قیدیوں کی اونچی آواز میں گورو گرنتھ صاحب پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں.....

عامر نے مغرب کی نماز کی نیت باندھی اور اپنے اللہ کے آگے سربسجود ہو گیا۔نماز مکمل ہونے پر وہ سجدے میں گرا اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی اور اگلے اقدام کے لئے نصرت طلب کرتا رہا.....

جب اس نے اپنا آنسو سے تر چہرہ اٹھایا تو اس کے دل پر پڑا بوجھ اتر گیا۔

اب وہ ذہنی اور جسمانی طور پر اگلے ہر اقدام کے لئے تیار تھا۔

❁❁❁

ٹھیک آٹھ بجنے میں پانچ منٹ پر جوگا سنگھ اس کے سیل کے سامنے کھڑا اس کا تالا جعلی چابی سے کھول رہا تھا۔اس نے سیل کا تالا کھول کر اس کی کنڈی باہر نکال دی اور عامر کو انگوٹھے سے فتح کا مخصوص اشارہ کرتا ہوا باہر آ گیا۔

اس جیل کا ہر پرانا قیدی اور اکثر جیل ملازمین کو چائے کے ساتھ افیم کھانے' کا مرض لگا ہوا تھا اور جوگا سنگھ نے اس کمزوری ہی کا فائدہ اٹھانا تھا۔آج بھی اس نے رات آٹھ بجے اپنی جیل ''کوٹ موقعہ'' ڈیوٹی پر روانگی سے پہلے اپنے ''ہانڈی وال'' اور عمر قید کے سزا یافتہ نمبردار انوپ چند کو دم رخصت معمول کے مطابق دی جانے والی چائے کے ساتھ افیون کی دوگنی مقدار دے دی

تھی۔

انوپ چندا اپنے لالچ میں یہ بات نوٹ نہ کر سکا.....!!

اب جوگا سنگھ اپنی ڈیوٹی پر جا رہا تھا.....لیکن اسے اس طرح پھنسا دیا تھا۔ کہ اندر سے دھکا دینے پر ہی کھل سکے۔

بارش نے اچانک پھر زور پکڑا تھا اور جوگا سنگھ کے ہاتھ میں پکڑی چھتری بے قابو ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے ایک لمحے کے لئے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں سوائے اندھیرے کی تنی ہوئی چادر کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اپنے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی جیب سے پلاس نکالا در ''بند احاطے'' کے اوپر سے گزرتی بجلی کی تار کو جس کے ذریعے مین سپلائی اس احاطے میں جا رہی تھی کاٹ دیا۔

اب اندر مکمل اندھیرا چھا چکا تھا.....

عامر نے اندازہ لگا لیا کہ اب تک منصوبے پر کامیابی سے مرحلہ وار عمل جاری ہے۔

اب جوگا سنگھ بارش میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور اپنے کپڑے بچاتا ''کوٹ موقعہ'' کی طرف جا رہا تھا جس کے باہر کھڑا جیل عملے کا ایک سپاہی خاصا تنگ دکھائی دے رہا تھا۔

''یار بڑی دیر کر دی.....''

اس نے جوگا سنگھ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بابا جی شکر کرو پہنچ گیا ہوں.....بارش کا زور تو دیکھو''.....

اس نے جیل کی دیوار سے منسلک اس ٹاور کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا.....!

''اچھا یار.....میں چلتا ہوں.....اندر سے کنڈی لگا لینا.....

''ٹھیک ہے بابا جی.....''

جوگا سنگھ نے اسے ''ست سری اکال'' کہہ کر رخصت کیا اور ٹاور کے اندر داخل ہو گیا۔

جیل کے معمول کے مطابق اس نے اندر سے کنڈی لگا لی تھی کیونکہ رات کے کسی پہر میں اچانک ''صاحب کا دورہ'' آ جایا کرتا تھا اور اگر ''کوٹ موقعہ'' کے کسی ٹاور کا دروازہ اندر سے کھلا پایا جاتا تو جیل حکام اس کا بہت سخت نوٹس لیتے اور متعلقہ نمبردار کے خلاف سخت تادیبی کاروائی

کی جاتی تھی.....!!

گو کہ جوگا سنگھ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا لیکن اسے امید تھی کہ اتنی تیز بارش میں کوئی یہاں نہیں آئے گا۔

یوں بھی اس جیل کی تاریخ بڑی شاندار تھی.....گزشتہ 38 سال میں یہاں سے کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ پنجاب کے قریباً سب ہی جیلوں سے قیدی کے فرار کی مثالیں موجود تھیں۔ اس کی وجہ یہاں کے سخت قوانین بھی تھے.....

اور.....

دوسری اہم وجہ وہ پیشہ ور سزا یافتہ قیدی جنہیں اس بات کا علم تھا کہ ان کا آنا جانا اکثر یہاں لگا رہے گا۔ اس لئے وہ اپنے ریکارڈ پر (فرار) کا دھبہ لگا کر سرخ کپڑے پہننے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتے تھے۔

یہ چونکہ عادی مجرموں کی جیل تھی اس لئے یہاں کے لوگ مسلسل آنے جانے کی وجہ سے ایک دوسرے سے قدرے شناسائی رکھتے تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا۔ انہیں دوران حوالات ہی اتنا سخت جسمانی اور ذہنی ٹارچر کیا جاتا تھا کہ بے چارے یہاں آنے پر کسی قابل رہ ہی نہیں جاتے تھے۔

سارا دن جیل کی مشقت کے بعد ان کے جسم میں دم ہی باقی نہیں بچتا تھا۔ ان کے لئے یہاں تھکا دینے والی اور اذیت ناک مشقت رکھی جاتی تھی۔

عموماً پاکستانی قیدیوں سے ''وان بنائی'' اور ''دریاں بنوانے'' ''کھڈی چلانے'' یا پھر جیل میں ''پوچا'' کرنے کی مشقت لی جاتی تھی جو بجائے خود ایک عذاب تھا۔

بے چارے شام کو جب تھکے ہارے اپنی بیرک میں پہنچتے تو صرف لنگر کا انتظار ہی کرتے تھے۔

جیسے ہی لنگر تقسیم ہوتا وہ لمبی تان کر سو جاتے کیونکہ سوتے ہوئے بھی انہیں یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ مبادا رات کے کسی پہر انہیں پھر کسی مشقت کے لئے نہ جگا لیا جائے۔

❁❁❁

آٹھ بجے سے رات گیارہ بجے تک کا وقت عامر نے ایک ایک لمحہ گن گن کر اور بڑے

ہی اعصاب شکن مراحل طے کر کے گذارا تھا..... انتظار کی اذیت کو اس نے اپنے اللہ سے لو لگا کر قدرے کم ضرور کر لیا تھا.....

لیکن.....

اس کا اضطراب مسلسل بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اب تک بمشکل دو چکر نمبردار انوپ سنگھ نے ان کے سامنے سے کاٹے تھے اور اب وہ بھی شاید کسی کونے سے لگا اونگھ رہا تھا۔

آج ''کوٹ موقعہ چکر'' سے بھی زیادہ آوازیں ''ہوشیار باش'' کی سنائی نہیں دے رہی تھیں نہ ہی اب تک کسی نے اس ''احاطے'' میں بجلی فیل ہونے کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔ شاید انہیں اس بات کا علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ وہاں بجلی فیل ہو چکی ہے.....

یہ سب اس کے لئے بڑے نیک شگون تھے.....

جیسے ہی گھڑی نے گیارہ بجائے جیل کے ''چکر میں لگی گھنٹی پر ضربات لگیں عامر اٹھ کھڑا ہوا.....

یہ جیل ملازمین کی اگلی شفٹ کی آمد کا اعلان تھا۔ عامر کو علم تھا کہ پہلا عملہ بارش میں بھیگتا ڈیوڑھی تک جائے گا جہاں وہ نئے ڈیوٹی سنبھالنے والوں کو چارج دے گا..... اتنی بارش میں انہیں اس عمل میں ضرور پانچ سے آٹھ منٹ لگیں گے اور یہی اس کے لئے کچھ کر گذرنے کا وقت ہو گا۔

اس نے اپنے پاؤں سے بندھی لوہے کی زنجیروں کو اس طرح قابو کر رکھا تھا کہ اس کے چلنے سے آواز پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا.....!!

اپنے سیل سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے اپنے بستر پر سارا سامان ڈھیر کر کے اس پر اس طرح چادر ڈال دی تھی کہ اندھیرے میں اس کی موجودگی کا گمان ہوتا رہے۔

دروازے کو اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ آواز پیدا کئے بغیر کھولا اور بند کیا تھا جس کے بعد اس نے نہ صرف دروازے کی کنڈی چڑھا دی تھی بلکہ تالا بھی دوبارہ بند کر دیا تھا۔

اپنا کام مکمل کر کے جیسے ہی وہ سیدھا ہوا۔ اچانک بجلی زور سے کڑی اور اس کا دل دھک سے رہ گیا.....

بجلی کی روشنی میں اس کے سامنے ایک لمحے کے لئے باہر کا سارا ماحول ننگا ہو گیا۔ یہاں بارش کی طوفانی یلغار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عامر نے اللہ اکبر کہہ کر پہلا قدم اٹھایا۔

اور پھر.....

وہ چلتا چلا گیا.....

اپنے ایک ہاتھ میں پستول تھامے وہ چیتے کی طرح چوکنا ہو کر دوسرے ہاتھ سے اپنی ''بیڑی'' کو پکڑے تیزی سے چلتا اب کوٹ موقعہ تک پہنچ گیا تھا.....

اس نے جوگا سنگھ کی توقعات سے بڑھ کر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اور یہاں تک پہنچنے میں اپنے ٹارگٹ ٹائم سے بھی دو منٹ کم لگائے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے قدرے ہلکی ہو جانے والی بارش کو بھی شاید اس کا انتظار تھا..... جس نے عامر کے ''کوٹ موقعہ'' تک پہنچتے ہی اچانک شدت اختیار کر لی تھی۔

عامر نے اس تائید ایزدی پر دل ہی دل میں اب تک کروڑوں مرتبہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا۔

جوگا سنگھ شاید اس کا منتظر ہی کھڑا تھا۔

جیسے ہی اس نے لوہے کے دروازے پر دستک دی اس نے دروازہ کھولا اور عامر کو بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

''سب اچھا ہے ناں۔''

جوگا سنگھ نے چھٹتے ہی کہا۔

''چڑھدی کلا سنگھا..... چڑھدی کلا.....''

عامر نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''چڑھدی کلا ہی رہے گی۔''

جوگا سنگھ نے ''کوٹ موقعہ ٹاور'' کی کنڈی اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔

دونوں اب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئے تھے۔ عامر کو جوگا سنگھ نے آخری سیڑھی پر ہی بٹھا دیا تھا اور وہ خود اوپر ٹاور پر چلا گیا تھا۔

انتظار کا یہ سب سے زیادہ اعصاب شکن مرحلہ تھا۔

دلباغ سنگھ نے گیارہ بج کر دس منٹ سے گیارہ بج کر بیس منٹ کے دوران انہیں اپ
آمد کا دینا تھا جس کے بعد ہی اگلے مرحلے پر عمل ہوتا۔

سوا گیارہ بج رہے تھے دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ کسی بھ
مرحلے پر اگر جیل والوں کو شک گذر جاتا تو دونوں کی کم از کم سزا موت ہوتی کیونکہ اس صورت میں
زندہ گرفتاری دینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ ساری زندگی معذوروں کی طرح جیل کے بند احاطو
میں سسک سسک کر گزار دیں کیونکہ مٹورام ان کو مکمل وجود کے ساتھ کبھی دوبارہ اپنے سیلوں تک جا
کی اجازت نہ دیتا۔

''بے فکر رہنا میاں..... دلباغ سنگھ بھی سکھ کا بچہ ہے وعدے پر ضرور پہنچے گا۔ اگر را
میں مارا گیا تو بھی کوئی بات نہیں میں نے متبادل بندوبست کر رکھا ہے..... اب واپسی کا تو سوال
نہیں اٹھتا.....''

جوگا سنگھ نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے جیل کے باہری دیوار کے ساتھ کھیتوں کے سلسلے
پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

''جوگا سنگھ ہمارا جینے مرنے کا ساتھ ہے..... مطمئن رہنا.....''

عامر نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

اچانک ہی جوگا سنگھ نے اسے منہ پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا شاید اس۔
کھیتوں کے سلسلے میں کوئی نقل و حرکت محسوس کی تھی۔

دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں چمک دوڑی اس نے سرخ رنگ کی ٹارچ کو جلے
بجھتے دیکھ لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی جوگا سنگھ نے ''سب اچھا'' کی زوردار آواز بلند کی۔ یہ دونوں کے
درمیان طے شدہ کوڈ ورڈ تھا۔

اس کی آواز جیل کے اندر تو کیا سنائی دیتی باہر دلباغ سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے البتہ
ضرور سن لی۔

چند سیکنڈ بعد ہی دلباغ سنگھ جیل کے دیوار سے لگا اوپر ٹارچ سے سگنل دے رہا تھا۔ ا
کے ساتھ ہی جوگا سنگھ نے اپنی پگڑی کھول کر نیچے لٹکائی۔

اور.....

نیچے سے جھٹکا لگنے پر اوپر کھینچ لی۔ جس کے ساتھ ہی ایک مضبوط رسی بھی اوپر آ گئی
پگڑی اسی لئے نیچے لٹکائی گئی تھی.....

جوگا سنگھ نے بجلی کی سی پھرتی سے پگڑی کھول کر دوبارہ اپنے سر پر پٹکے کی شکل باندھی اور
رسی کا ایک سرا ٹاور کے عین درمیان سیمنٹ کے مضبوط پلر سے باندھ کر اپنی لگائی گانٹھ کا جھٹکے سے
جائزہ لینے کے بعد اس نے عامر کو اشارہ کیا..... ''کوٹ موقعہ'' سے اترنے کے لئے۔ جوگا سنگھ کے
مضبوط بازوؤں نے عامر کا پورا ساتھ دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے عامر رسی کو مضبوطی سے پکڑے بارش سے گیلی اور پھسلن زدہ ناٹک
چندی اینٹوں کی مضبوط دیوار پر قدم جماتا نیچے سرک رہا تھا..... اس کے ہاتھ جلنے لگے تھے۔

لیکن.....

وہ اس وقت تمام محسوسات اور جذبوں سے بے نیاز ہو چکا تھا اس کے دل و دماغ میں
اب صرف ایک جذبہ سما گیا تھا۔

جیل سے فرار اور آزادی کا جذبہ.....

ابھی وہ زمین سے قدرے بلند ہی تھا جب نیچے کھڑے دلباغ سنگھ اور اس کے ساتھیوں
نے اسے سہارا دے کر اتار لیا.....

''میاں جی اس طرف.....''

دلباغ سنگھ نے اسے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔

عامر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔

لیکن.....

اسے یاد آ گیا جوگا سنگھ نے شام ہی کو دھرایا تھا کہ جیل کی چار دیواری کے باہر ان کی
کمانڈ دلباغ سنگھ نے سنبھالنی ہے جس کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بعد فرار کا
سارا مرحلہ اس نے طے اور مکمل کرنا تھا۔

پستول اس نے جوگا سنگھ کو تھما دیا تھا جو اس دوران نیچے اترنے لگا تھا۔ اس کے زمین پر
پہنچنے تک عامر وہیں کھڑا رہا۔

''رب راکھا.....''

اس نے جوگا سنگھ کے ہاتھ پر خوشی سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''رب راکھا.....کل ملتے ہیں.....''

جوگا سنگھ نے بھی خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

دلباغ سنگھ کا ایک ساتھی عامر کا بازو پکڑے اسے جیل کے شمالی سمت لے جا رہا تھا جہا
کماد کی تیار فصل کھڑی تھی.....ایک جگہ رک کر اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ جلائی۔ کھیتوں مے
ہلچل پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے ایک سکھ نوجوان گھوڑی کے ساتھ باہر آتا دکھائی دیا۔

''پالی.....تو میاں کو لے کر نکل جا۔ میں دوسری طرف سے آیا.....''

اس کے ہمراہی نے کہا اور عامر کو ہاتھوں کے سہارے سے گھوڑی کی کمر پر سوار کیا۔ ا
کے بیٹھتے ہی وہ نوجوان جس کا نام پالی تھا اس کے پیچھے اس طرح بیٹھ گیا کہ گھوڑی کی باگیں بھی ا
کے ہاتھ میں تھیں اور عامر اس کے بازوؤں میں تاکہ جھٹکے لگنے پر گرنے سے محفوظ رہے.....

''رب راکھا.....'' کہہ کر اس کا ہمراہی دوسری طرف گھوم گیا۔

بارش اور گھوڑی کی رفتار ایک جیسی تھی۔

عامر نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی تفریحاً تو گھوڑے کی پیٹھ پر سواری کی تھی لیکن
آج پہلی مرتبہ اس تجربے سے گذر رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھ کہ خود کو کس طرح گھوڑے کی
سے گرنے سے روکے۔

شاید اس کے ہمراہی کو عامر کی اس کمزوری کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے عامر کو مضبو
سے قابو کر رکھا تھا اور گھوڑے کی باگیں بھی سنبھالی ہوئی تھیں۔

''قائم رہ چوہدری بس تین چار منٹ کی بات ہے۔''

بالآخر پالی نے کہا۔

واقعہ چار پانچ منٹ بعد اس سفر کا اختتام ہو گیا۔

گھوڑی اس نے پکی سڑک پر بھگانے کے بعد اسے کھیتوں کے ایک سلسلے میں داخ
دیا تھا۔

عامر نے اندازہ لگا لیا کہ بندہ ہوشیار ہے۔ شاید اس نے گھوڑے کے پیروں کے نشان
م کرنے کے لئے اسے کچے راستے سے پکی سڑک پر چڑھایا تھا۔

کھیتوں کے اس سلسلے میں وہ بمشکل بیس گز چلا ہو گا جب انہیں ایک ٹارچ بردار
جوان دکھائی پڑا۔

''کیویں اے.....''

اس نے چھٹتے ہی پالی سے پوچھا۔

''سب اچھا.....تو میاں کو لے کر نکل جا۔''

پالی نے اسے ٹارچ بردار نوجوان کو سونپ دیا۔

اس نوجوان نے عامر کا ہاتھ پکڑا اور بغیر کچھ کہے سنے ایک طرف تیزی سے چلنا شروع
دیا بارش گو کہ ابھی تک جاری تھی۔

لیکن.....

اس کا زور ٹوٹنے لگا تھا۔

عامر کے ذہن میں صرف ایک ہی دھن سمائی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے دور
ا جائے۔ وہ جانتا تھا کہ ''جلد یا بدیر جیل والوں کو شک ہو گا'' کیونکہ ''کوٹ موقعہ'' سے ''سب
ا'' کی آواز نہیں آئے گی تو وہ یقیناً ٹاور کی طرف بھاگیں گے اور اس کے بعد.....!

اس سے آگے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے فی الوقت خود کو حالات کے مکمل رحم و کرم پر چھوڑ رکھا تھا۔ جوگا سنگھ نے اسے کہا
کہ جیل کے باہر کی ذمہ داری دلباغ سنگھ کی ہے اور عامر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جوگا سنگھ کی طرح
ک بھی خاصے ہوشیار اور منظم ہیں۔ ان کے کسی ایکشن سے گھبراہٹ کا گمان نہیں ہوتا تھا۔

عامر نے محسوس کیا تھا کہ جس کسی نے بھی یہ منصوبہ بنایا ہے بڑی ہوشیاری اور سمجھ بوجھ
ے بنایا تھا۔ جس میں موسم اور راستوں کا بطور خاص خیال رکھا گیا تھا۔ کھیتوں میں چونکہ مٹی بارش
وجہ سے گارے کی شکل اختیار کر چکی تھی جس میں گھوڑا ہی بہترین سواری تھا۔

عامر کو یقین تھا کہ اگر پالی پکی سڑک کا راستہ نہ بھی اختیار کرتا تو بھی بارش کی بوچھاڑ
گھوڑے کے سموں کے نشان.....مٹا دیئے ہوں گے۔

اس کے نئے ہمسفر نے بمشکل پندرہ بیس گز چلنے کے بعد ایک جھونپڑی کے قر
اسے روکا اور پھر اندر آنے کا اشارہ کیا۔

جھونپڑی کے اندر بیڑی کاٹنے کا مکمل سامان موجود تھا اور اس کا ہمراہی شاید پہلے کام کرتا آیا تھا اس نے بمشکل دو منٹ میں لالٹین کی مدھم روشنی میں ہتھوڑے کی تین چار ضربا کے ساتھ اسے ''بیڑی'' سے نجات دلا دی.....

اپنی ٹانگوں سے یہ بوجھ ہٹنے پر عامر کو یوں لگا جیسے اس کا جسم ہلکا ہو کر ہوا میں اڑ ہو.....

اس نے اپنے پاؤں میں ابھی تک جیل سے ملنے والا گھٹیا چمڑے کا کھسہ پہن رکھا جس نے اب تک اسے جوگر کا کام دیا تھا۔

''اٹھو چلیں.....''

اسی نوجوان نے دوبارہ عامر کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا۔

''دھن واد''۔

عامر کے بے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ اس کے تعاقب میں باہر آ گیا۔

❁❁❁

دونوں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل چلتے رہے تھے.....

ابھی تک صبح کا اجالا نہیں پھیلا تھا.....

ابھی تک بارش نہیں تھمی تھی.....

اس دوران وہ کبھی کھتوں کی منڈیروں پر، کبھی پکے راستوں پر اور کبھی کسی گاؤں نزدیک سے گزرتے رہے.....

دونوں کے درمیان ابھی تک صرف دو جملوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ عامر نے اس دریافت کیا تھا۔

''ستنام سنگھ۔''

نوجوان نے اس کی طرف دیکھے بغیر چلتے چلتے جواب دیا۔

سپیدہ سحر نمودار ہونے لگا تھا.....

بارش قریباً تھم گئی تھی.....

دیہاتوں کی زندگی جاگ رہی تھی۔

گوردواروں اور مندروں سے کیرتن اور بھجن کی ہلکی ہلکی آوازیں نکل کر ان کے کانوں ٹکرانے لگی تھیں۔

عامر نے بازو پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ انہیں جیل نکلے قریباً پانچ گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

عامر کو دور سے کچھ ٹمٹماتی روشنیاں دکھائی پڑی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ کسی گاؤں نزدیک پہنچ چکے ہیں۔ اس مرتبہ ستنام نے خلاف معمول گاؤں کا راستہ کاٹ کر نکل جانے کی ئے گاؤں کا رخ کیا تھا۔

اور.....

قریباً پندرہ منٹ بعد وہ گاؤں کی شمالی جانب ہی ایک حویلی کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔

شاید حویلی کے مکینوں کو پہلے ہی سے ان کا انتظار رہا تھا۔

پہلی دستک پر ہی کسی نے دروازہ کھول دیا۔

''فتح ہو گئی.....''

دروازہ کھلتے ہی ایک مسکراتے چہرے نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''واہے گورو جی کا خالصہ''۔

''واہے گورو جی کی فتح۔''

ستنام سنگھ نے دونوں ہاتھ باندھ کر ''فتح'' بلائی۔

یہی جواب دوسری طرف سے بھی دوہرایا گیا۔

''میاں جی کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔''

مسکراتے ہوئے چہرے والے نوجوان نے اسے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

عامر صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''میرا نام پرتھی پال سنگھ ہے..... مہاراج کی کرپا سے اب آپ بالکل محفوظ ہیں۔ اجوگا سنگھ سے آج رات کو ملاقات ہو جائے گی..... ابھی آپ نے صرف کپڑے بدلنے

ہیں۔تھوڑا حلیہ بدلنا ہے اور پھر اگلی منزل کی طرف جانا ہے..... مجھے افسوس ہے کہ آپ کو زیادہ یہاں نہیں رکھ سکتے..... بھائی صاحب کا بھی یہی حکم ہے۔ یوں تو ''بابے کی کرپا'' سے کوئی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا..... لیکن حوالدار صاحب کا حکم ہے کہ کوئی خطرہ مول جائے..... ہم آپ کو نابھ کی حدود سے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ جہاں بھائی جوگا سنگھ جی آپ منتظر ہوں گے..... اب آپ اشنان کرلیں' میں چائے پانی کا بندوبست کرلوں۔''

اس نے حویلی کے مہمان خانے کی طرف جاتے ہوئے اسے غسل کانے کا ر دکھایا۔

عامر نے اس کی ہدایت پر حرف بحرف عمل کیا تھا.....

قریباً دس منٹ بعد ہی وہ نہادھو کر باہر آ گیا تھا۔ اس کے لئے غسل خانے میں کے لئے کپڑے موجود تھے.....

''اس طرف آ جائیں۔''

پرتھی پال سنگھ رسوئی سے گرما گرم پراٹھیاں دال اور چائے لے آیا تھا۔ بہت عرہ عامر نے پیٹ بھر کے سب کچھ کھایا اور قریباً پندرہ منٹ مزید یہاں گزارنے کے بعد وہ اگلی کے لئے تیار تھا.....

پرتھی پال نے اس کے سر پر نیلے رنگ کی پگڑی باندھ دی تھی..... جیل میں اپنی آ بعد سے اس نے داڑھی نہیں کٹوائی تھی۔ کافی عرصے سے مونچھوں کو بھی نہیں چھیڑا تھا اب سکھ بنا وہاں موجود تھا.....

ستنام سنگھ اور پالی وہیں رہ گئے اور پرتھی پال سنگھ اسے لے کر باہر آ گیا۔

''تمہارا نام دھنا سنگھ ہے اور میرے ماموں زاد بھائی ہو..... تم امرتسر سے ہو..... گو یہ سب کچھ بتانے کی نوبت کہیں نہیں آئے گی لیکن یاد رکھنا ضروری ہے۔ ہم دودھ سنگرور جا رہے ہیں..... ہمارے گاؤں کا نام آنووال ہے اور سنگرور یہاں سے بیس کلو ہے..... یہ ہمارا معمول ہے..... آج میرے بھائی کے بجائے تم میرے ساتھ جا رہے ہو...

باہر نکلتے ہوئے اسے پرتھی پال نے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے۔''

عامر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پرتھی پال سنگھ نے حویلی کے ایک کونے میں کھڑی ماروتی پک اپ سٹارٹ کی اور باہر آ گیا۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے جب وہ گاؤں کے باہر ہی ایک جگہ رک گئے۔ یہاں پرتھی پال کا بھائی اپنے گھر سے دودھ کے تین بڑے برتن لئے ان کا منتظر تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سائیکلوں پر دودھ کے برتن آنے شروع ہوئے جن کی تعداد اب بیس پچیس ہو چکی تھی۔

پرتھی پال اس کے بھائی اور عامر نے سارے برتن پک اپ میں رکھے اور دونوں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ ان کی معمول کی پریکٹس تھی۔ اس گاؤں کا سارا دودھ پرتھی پال سنگھ کے ذریعے ہی سنگرور جایا کرتا تھا۔ جہاں وہ مقامی دودھ فروش کو دودھ دے کر گھریلو ضروریات کی چیزیں لے کر صبح جلد ہی گھر واپس آ جایا کرتا تھا جس کے بعد شام کو دوسرے چکر میں وہ شام کا دودھ پہنچا کر صبح کے خالی برتن لے جاتا تھا۔

یہ سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا تھا۔

آنووال سے سنگرور کے راستے میں سی آر پی (سنٹرل ریزور پولیس) اور مقامی پولیس کی دو چوکیاں آتی تھیں۔

لیکن.....

یہ لوگ پرتھی پال سنگھ کی ماروتی کو پہچانتے تھے۔

اس نے معمول کے مطابق دونوں پوسٹوں پر رک کر ہاتھ جوڑ کر وہاں موجود پہرے والوں کو فتح بلائی اور آگے بڑھ گیا.....

راستے میں پرتھی پال سنگھ نے اس سے کوئی خاص بات نہیں کی تھی نہ ہی عامر نے اس سے کچھ خاص سوالات کئے تھے۔ البتہ پرتھی پال سنگھ نے خود ہی اسے اپنے گاؤں سے یہاں تک راستے میں آنے والے تمام دیہاتوں کے نام بتا دیئے تھے اور سنگرور شہر سے متعلق بھی اپنی معلومات کی حد تک جانکاری دے دی تھی.....

عامر سمجھ گیا کہ انہوں نے مستقبل سے متعلق تیاریاں ابھی سے شروع کر دی تھیں کیونکہ ان لوگوں کو تو یہی علم تھا کہ عامر اب ان کا ساتھی ہے اور وہ قریباً اسی علاقے میں کاروائیاں کیا

ہلکرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اس نے عامر کو ان دیہاتوں سے متعلق معلومات فراہم کی تھیں۔

بھارت میں وہ گذشتہ تین سال سے سرگرم عمل تھا اور یہاں کے مقامی رسوم و رواج سے اسے مکمل آشنائی حاصل تھی.....

اب مقامی معلومات حاصل ہونے کے بعد اسے یقین تھا کہ اگر وہ ایک دن یہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا تو ضرور کامیاب ہو جاتا۔

شہر میں داخل ہونے پر پرتھی پال سنگھ نے معمول کے مطابق اخبار خریدا اور اس کی سرخیوں پر ایک نظر دوڑانے کے بعد مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''لو بابو کارنامہ پڑھ لو.....''

اس نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

اخبار مقامی گورمکھی زبان میں تھا جو عامر کے لئے اجنبی نہیں تھی۔یہ شاید مقامی اخبار تھ
جس کی ہیڈ لائن نابھہ جیل سے ایک خطرناک پاکستانی جاسوس اور بھارتی فوج کے سابق حوالدا
اورات وادی جوگا سنگھ کے فرار سے متعلق تھی۔

اخبار نے بڑی بری شہ سرخیوں کے ساتھ اور خوب چٹخارے لے لے کر فرار کی سار
کہانی لکھی تھی۔جس میں رپورٹر کی معلومات سے زیادہ اس کی ذہنی اختراع کارگر دکھائی پڑ
تھی.....

اخبار کی اطلاع کے مطابق فرار کے قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جیل حکام کو اس فرار کا علم ہ
جس کے بعد سے نابھہ اور پٹیالہ کی پولیس کی مختلف ٹیمیں ان کی تلاش میں نکلی ہوئی تھیں۔

عامر کو اس بات کی خوشی ہوئی تھی کہ اخبار کی معلومات اگر درست تھیں تو جیل حکام کو
علم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے فرار کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی تھی.....

اخبار نے یہی لکھا تھا کہ دونوں ''کوٹ موقعہ'' پھلانگ کر فرار ہوئے ہیں اور انہوں۔
رسی بھی جیل کے اندر ہی سے حاصل کی تھی.....

پرتھی پال سنگھ کا ٹھکانہ آ گیا تھا.....

اس نے سارا دودھ شہر کی ایک بڑی مارکیٹ میں موجود تھوک فروش کے اڈے پر اتا
اس سے رسید حاصل کی اور معمول کے مطابق اس سے دو چار فحش جملوں کا تبادلہ کرنے کے بعد
راستہ ناپا.....یہی اس کا معمول تھا.....

اب زندگی بیدار ہونے لگی تھی.....

بازاروں کی رونق بڑھ رہی تھی.....

ایسے ہی ایک پررونق بازار کی ایک دوکان کے نزدیک اس نے اپنی گاڑی روک کر
عامر کی توجہ سامنے مبذول کروائی جہاں ایک نوجوان اپنی موٹر سائیکل پر اس کا منتظر تھا۔

انہیں دیکھ کر وہ نزدیک آ گیا۔

دونوں نے بے تکلفی سے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔نوجوان عامر سے بھی بڑی گرم
جوشی سے بغل گیر ہوا تھا۔

''لکھ لکھ وڈائیاں ویر جی.....''

اس نے عامر کے کان میں سرگوشی کی۔

''دھنیواد۔''.....

عامر نے جواب دیا۔

''چنگا.....میں چلتا ہوں''۔

پرتھی پال نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

دونوں نے اسے ''ست سری اکال'' کہا اور پرتھی پال سنگھ گاڑی سٹارٹ کر کے جس
طرح آیا تھا اسی طرح چلا گیا۔

وہ اکیلا واپس نہیں گیا تھا۔

اسے علم تھا کہ اس طرف آتے ہوئے سی آر پی والوں نے ایک نوجوان کو اس کے
ساتھ دیکھا تھا۔واپسی پر اس کا ایک اور رشتہ دار اس کے ساتھ جا رہا تھا۔صبح کے اندھیرے میں
عامر کی شکل کسی نے کب دیکھی تھی جو اس کی بھی دیکھتا.....

''آؤ ویر جی۔''.....

اس نوجوان موٹر سائیکل سوار نے کہا اور اسے اپنے پیچھے بٹھا کر سنگرور شہر ہی کے ایک
محلے میں لے گیا۔

اس محلے کے ایک مکان میں جوگا سنگھ اور دلباغ سنگھ اس کے منتظر تھے۔دونوں نے
اسے باری باری بانہوں میں سمیٹ کر مبارک باد دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو گیا.....

باب 5

مٹورام سوتے سوتے اچانک ہی ہڑبڑا کر اٹھا تھا.....

اس کے دل کی دھڑکن معمول سے بڑھی ہوئی تھی اور سانس بھی تیز تیز چل رہی تھی۔

اپنی ساری دیویوں کو اس نے باری باری یاد کر کے خود کا نارمل کرنے کی کوشش کی' پھر اپنی چارپائی پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

ابھی رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے اور اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ مٹورام عموماً گہری نیند سویا کرتا تھا۔ اسے بھیانک سپنے بھی کم ہی آتے تھے۔ عموماً وہی قیدیوں کو سپنوں میں آ کر ڈرایا کرتا تھا۔

لیکن.....

آج پہلی مرتبہ کسی قیدی نے اسے سپنے میں ڈرایا تھا۔

اور.....

اور یہ قیدی بھی کوئی ہندو نہیں بلکہ وہ مسلمان لونڈا تھا جسے اس نے دو روز پہلے ہی مار پیٹ کر ''چکی'' بند کیا تھا۔

مٹورام نے سب سے پہلے اپنے اوپر لعنت ملامت کی کہ اسے ایسا گھٹیا خواب ہی کیوں آیا ہے پھر عامر کو گالیوں سے نوازا.....

اس کی ڈیوٹی کا وقت تو ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

لیکن جیل کا چکر حوالدار ہونے کے ناطے وہ کسی بھی وقت جیل میں چھاپہ مار کر اپنے ں کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتا تھا.....

اس نے خواب میں عامر سے اسی طرح مار کھائی تھی جس طرح اس نے عامر کو مارا تھا ب اس کا دل چاہتا تھا کہ فوراً اٹھ کر جائے اور اس کی ہڈی پسلی ایک کر دے۔ کم بخت نے اب ں میں بھی اسے ڈرانا شروع کر دیا تھا.....

''صبح دیکھوں گا سالے مسلے کی اولاد کو.....''

اس نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کروٹ لی اور دوبارہ سونے کی تیاریاں کرنے

لیکن.....

نیند تو جیسے اس سے روٹھ ہی گئی تھی۔

دس پندرہ منٹ اسی کیفیت کی نذر ہو گئے۔ مٹورام نے چاہا کہ اٹھ کر ایک پیگ لگائے ور دوبارہ سونے کی کوشش کرے۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ دوبارہ نیند لانے کے لئے وہ کبھی کبھی ستعمال کیا کرتا تھا۔

ابھی اس نے اٹھ کر اپنے کمرے کی لائٹ ہی جلائی تھی جب اچانک بادل اتنی زور سے گرجا کہ مٹورام دہل کر رہ گیا۔

اس کے ساتھ ہی جیل کے الارم بجنے لگے.....

''رام رام.....رام رام''

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ جیل کا الارم بج رہا ہے یا کوئی اور آواز ہے۔

لیکن.....

اسے بالآخر یہ حقیقت تسلیم کرنی ہی پڑی وہ واقعہ جیل الارم کی آواز تھی جو اب لحظہ بہ لحظہ بلند ہوئی جا رہی تھی اور جیل کی جنوبی دیوار سے ملحقہ جیل ملازمین کی کالونی میں بڑی صاف سنائی دے رہی تھی۔

مٹورام نے افراتفری میں اپنی وردی پہنی پھر چھتری اور ڈنڈہ سنبھالتا باہر نکل آیا جیل

کا باقی عملہ بھی اسی طرح پریشانی کے عالم میں تیار ہو کر جیل کی ڈیوڑھی کی طرف دوڑ رہا تھا۔

مٹورام جب ڈیوڑھی کے دروازے پر پہنچا تو دس بارہ سپاہی بھی وہاں جمع ہو چکے تھے اب تک اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہوا کیا ہے؟.....

نابھہ جیل اور رات کے اس پہر الارم؟.....

وہ سب چکرا کر رہ گئے تھے۔

یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس جیل سے کوئی مجرم فرار ہوا ہوگا۔ وہ سب یہی سوچ رہے تھے..... کہ شاید رات کے اس پہر کسی بیرک میں بند قیدی آپس میں لڑ پڑے ہیں اور صورتحال نمبردار کے کنٹرول سے باہر ہو گئی لیکن فرار کی طرف کسی کا ذہن گیا ہی نہیں تھا۔

ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا اور تمام گارڈز حوالدار مٹورام کی قیادت میں اندر داخل ہو گئے ان کا رخ اسلحہ خانے کی طرف تھا جس کے تالے کی چابی جیل کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھول رہا تھا۔ جس کی آج یہیں ڈیوٹی تھی.....

عملے کے جوانوں نے رائفلیں تھامیں اور چکر کی طرف دوڑ لگا دی جہاں دو تین نمبردار اور اس وقت کا انچارج حوالدار کھڑے تھے..... شدید بارش میں ان سب نے چھتریاں اوڑھ رکھی تھیں اور جیل کے سنٹر میں بنے بڑے ٹاور پر نصب سرچ لائٹ کا رخ بند احاطے کی طرف تھا.....

''کیا ہوا..... کیا ہوا؟''

''سر..... فراری ہو گئی.....''

کسی نے چیخ کر جواب دیا۔

''کیا کہتے ہو..... کیا ہو گیا۔''

ڈپٹی جیلر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''جناب والا! حوالدار جوگا سنگھ اور مسلمان قیدی عامر خان فرار ہو گئے ہیں۔''

اس مرتبہ ڈیوٹی حوالدار نے اس کے نزدیک آ کر زور سے کہا تھا۔

مٹورام کو یوں لگا جیسے کسی نے پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں اتار دیا ہو۔

''کیا کہا..... مسلمان قیدی عامر بھاگ گیا۔''

اس نے تصدیق چاہی۔

''جی مہاراج.....''

ایک نمبردار نے جواب دیا۔

جس کے ساتھ ہی مٹورام کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔ جیل کا سارا عملہ ''بند احاطے'' کی طرف بھاگا جہاں عامر کی چکی کو تالا لگا ہوا تھا اور بظاہر وہاں کوئی لیٹا ہوا بھی آ رہا تھا۔

''لیکن یہ تو.....''

ڈپٹی جیلر نے سیل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہی تو سمجھ نہیں آ رہی جناب کہ وہ یہاں سے نکلا کس طرح..... تالا تو باہر سے بند ہے دی سلاخ بھی ٹوٹی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی.....''

ایک سپاہی نے کہا جو شاید اسی طرف راؤنڈ لگانے آیا تھا۔

''تمہیں پہلے کس طرح علم ہوا.....''

حوالدار مٹورام نے اس سے سوال کیا۔

''میں شریمان جی ادھر معمول کی گشت پر آیا تھا..... یہاں کی لائٹ آف تھی جب میں الیکٹریشن کے کمرے میں جا کر دیکھا تو سب کچھ ٹھیک تھا..... میں الیکٹریشن کو ساتھ لے کر آیا نے ٹارچ کی لائٹ میں تار چیک کی تو وہ ایک جگہ سے کٹی ہوئی تھی جس پر مجھے شک گذرا اور نے ایک ایک سیل کے ملزم کو پکار کر گنتی مکمل کرنی چاہی..... میرے بے شمار آوازیں دینے پر یہاں کوئی ہل چل نہیں ہوئی..... میں بہت پریشان ہوا۔ ابھی میں رپورٹ کرنے کے لئے جا رہا تھا کہ ادھر سے حوالدار متیہ رام بھاگے ہوئے آئے اور انہوں نے بتایا کہ ''کوٹ موقعہ'' لے ٹاور سے دس سالہ قیدی حوالدار جوگا سنگھ غائب ہے۔ وہ بھی بند احاطے کا نمبردار تھا اور آج کی ڈیوٹی ٹاور پر تھی..... حوالدار صاحب کو میں نے رپورٹ پیش کی کہ مسلمان قیدی عامر خان غائب ہے جس پر انہوں نے فوراً الارم کروا دیئے اور مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو رپورٹ دوں۔''

سپاہی نے انہیں کارگذاری پیش کی۔

''جاؤ چابیاں لے کر آؤ..... الیکٹریشن سے کہو فوراً لائٹ چالو کرے.....''

ڈپٹی جیلر نے حکم دیا۔

فوراً دوسرا نمبردار اور دو سپاہی اس طرف بھاگے.....

الیکٹریشن تو پہلے ہی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس بارش کے موسم میں بھی اس نے محض انسان کی خوشنودی کے لئے خطرہ مول لے کر کٹی ہوئی تار جوڑ دی تھی۔ اس اثناء میں ڈیوڑھی سے بنداحاطے کی چابیاں بھی آ گئی تھیں۔

مٹورام نے خود سیل کا تالا کھولا اور سب سے پہلے وہی اندر داخل ہوا۔ اس نے بستر رکھے اپنے کپڑے اور کنستر پر پڑے کمبل کو ٹھوکر مار کر پرے کیا بستر خالی تھا۔

اسی اثناء میں ڈپٹی جیلر اندر آ گیا اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی طاقتور ٹارچ سے فرش اور دیواروں کا ایک ایک انچ کا جائزہ لیا تھا۔ ٹارچ کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ یہاں تو لائٹ کب آ چکی تھی.....

مٹورام نے اس امید پر چھت کی طرف دیکھا تھا کہ شاید عامر خان چھت پھاڑ کر نکل گیا ہو.....

لیکن.....

چھت اپنی جگہ قائم تھی.....!!

ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ پھر وہ فرار کیسے ہوا؟

بالآخر یہ معمہ بھی ان کی سمجھ میں آ گیا۔

ڈپٹی جیلر جانتا تھا کہ کوئی سپاہی اس بات کا اقرار نہیں کرے گا کہ وہ قیدیوں کے لئے اپنے ہاتھوں کھولتا اور بند کرتا ہے.....اسے علم کہ لوگ کسی بھی بیرک یا احاطے میں داخل ہوتے وقت چابیاں ڈیوٹی بردار قیدی کے حوالے کر کے خود ان کی بنائی ہوئی چائے پینے لگتے ہیں۔

ڈپٹی جیلر سکھ ہونے کے ناطے حوالدار جوگا سنگھ کے کردار سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔

اسے علم تھا کہ چھ روز پہلے پولیس نے اس کے بھائی ڈاکٹر اقبال سنگھ کو جس طرح ہلاک کیا تھا اس کے بعد حوالدار جوگا سنگھ کس آگ میں جل رہا تھا۔

یہاں بھی یہی ہی ہوا ہوگا.....سپاہی نے چابیاں جوگا سنگھ کو دیں کہ قیدیوں کی چکر (سیل ٹہلائی کے لئے کھول دے اور خود چائے پینے بیٹھا رہتا ہوگا جوگا سنگھ کو عامر خان نے

خطرناک دہشت گرد کی مدد حاصل ہوگئی ہوگی اور اس نے چابیوں کا نقش اتار کر جعلی چابیاں بنالی ہوں گی جس کے بعد ان کے لئے فرار کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

❁❁❁

اب سارا جلوس ڈپٹی جیلر اور مٹورام کی سربراہی میں ''کورٹ موقعہ'' ٹاور کی طرف جا رہا تھا.....جس کے درمیان والے چبوترے سے بندھا رسہ جس کا ایک سرا دیوار کے دوسری طرف لٹکا ہوا تھا ان کا منہ چڑا رہا تھا.....!

''تم یہاں کے معاملات سنبھالو.....تمام قیدیوں کی گنتی کرو.....میں پولیس لائنز میں اطلاع دیتا ہوں۔''.....

ڈپٹی جیلر نے مٹورام سے کہا اور خود چھاتہ سر پر تانے اپنے آفس کی طرف چل دیا۔

اس نے جیل قوانین کے مطابق مقامی ایس پی کو جیل سے دو خطرناک قیدیوں کے فرار کی رپورٹ دے دی تھی اور ان کے نام پتے اور حلئے بھی لکھا دیئے تھے.....!!

جیل کا سارا ریزرو عملہ طلب کر لیا گیا تھا.....

مٹورام نے ساری جیل کی گنتی شروع کروا دی تھی اور مسلح جوانوں نے بیرکوں اور بند احاطوں کے دروازے سنبھال لئے تھے.....

اگلے احکامات تک قیدیوں کی بیرکیں نہیں کھل سکتی تھی۔ ڈپٹی جیلر کے فون کے بمشکل دس منٹ بعد ہی ایس پی اپنے جوانوں کے ساتھ جیل کے دروازے پر موجود تھا۔

اس نے روانگی سے پہلے ''را'' کے ''ڈیٹ کمانڈر'' سکسینہ کو نیند سے جگا کر اس سانحے کی خبر کر دی جس کی نیند اس نے عملاً حرام کر دی تھی۔

ڈپٹی جیلر نے ایس پی تیاگی کا استقبال جیل کی ڈیوڑھی سے باہر برستی بارش میں کیا اور اس کے عملے کے آدھے جوانوں کو اندر داخل کر کے جیل کے کچھ تجربہ کار سپاہیوں اور ایس پی تیاگی اس کے جوانوں اور دو سدھائے ہوئے کتوں کے ساتھ جیل کی اس دیوار کی طرف چل دیا جدھر سے وہ لوگ فرار ہوئے تھے۔

بارش چھاجوں برس رہی تھی.....!!

دونوں کتوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ وہ اپنی رسیاں تڑا کر بھاگنے

کے لئے باؤلے ہوئے جاتے تھے۔

ایس پی تیاگی کی ہدایت پر مفروروں سے قابل استعمال کپڑے اور کمبل دونوں کتوں سونگھا دیئے گئے تھے۔

جیل کی دیوار کے ساتھ ملحقہ کھیتوں میں قدم رکھنا اور اٹھانا جوانون کے لئے کار دا تھا۔

چکنی مٹی نے بارش کے بعد قریباً دلدل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مٹی میگنٹ کی طرح ا کے جوتوں سے چمٹ رہی تھی۔ ان کے پاؤں اس گارے میں دھنس دھنس جاتے تھے اور ایک ا قدم ایک ایک من کا ہو رہا تھا۔

ایس پی تیاگی نے بڑے دھونس سے پولیس کی نوکری کی تھی۔ اپنی جابرانہ طبیعت ملزموں کے خلاف غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی کاروائیوں کے لئے وہ اپنے محکمے ہی نہیں بلکہ سارے پنجاب میں شیطان کی طرح مشہور تھا۔

لیکن.....

اس طرح بارش کے طوفان میں مٹی میں دھنس کر چلنا اس کے لئے بالکل نیا اور پریشان کن تجربہ تھا۔

بدقت تمام ڈپٹی جیلر کے ساتھ بالاخر وہ اس مقام تک پہنچا جہاں سے رسہ لٹا کر دونو فرار ہوئے تھے۔

''حرام زادے.....''

ایس پی تیاگی نے یہاں پہنچتے ہی گالیاں بکنا شروع کر دیں۔

ڈپٹی جیلر حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ انڈین سول سروس آفیسر اتنی گندی زبان کا مالک ہے۔

اس کے جوانوں نے ٹارچوں سے وہاں مقدور بھر روشنی کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ روشنی ناکافی تھی۔

تیاگی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر کوئی کلو تلاش کرنا چاہا لیکن وہاں تو سوائے با کے قطروں کی ٹپ ٹپ کے اور کچھ سنائی یا سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

پہلے جمع شدہ بارش کے پانی پر جب بارش کے موٹے موٹے قطرے زور زور سے گرتے اور ان کے گرنے سے جو آواز پیدا ہوتی وہ غصے سے بدحال ایس پی تیاگی کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگتی تھی.....

''جیلر صاحب..... اس بارش میں یہاں کیا بچا ہوگا..... جب کوئی کلو ہی نہیں تو کتے بھی کیا کر لیں گے..... ہمیں بارش رکنے کا انتظار کرنا ہوگا..... لیکن تب تک بچے گا کیا''.....

اس نے تمسخرانہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے وائرلیس میسج دے دیا ہے۔ فرار کے ممکنہ راستوں پر پولیس پہنچ جائے گی۔ لیکن مجھے کوئی امید دکھائی نہیں دے رہی۔''

آخری فقرہ اس نے الفاظ کو قدرے چبا کر ادا کیا تھا۔

''کم بختوں نے بڑے منصوبے سے کام کیا ہے..... حرام خور کوئی کلو نہیں چھوڑ کر گئے۔'' ڈپٹی جیلر نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''یہ بات آپ جانے دیں ڈپٹی جیلر صاحب۔''

ایک مرتبہ پھر تیاگی نے اس کے چھوٹے رینک کا تمسخر اڑایا۔

''ایک بات تو صاف صاف دکھائی دے رہی ہے کہ جیل کے عملے کی مدد کے بغیر یہ فرار ممکن نہیں ہو سکتا..... اور جیل سے جس نے بھی ان کی مدد کی ہے اس کا کھوج لگانا ہمارا کام ہے..... ان کا سارا منصوبہ تو مجھے صبح تک پتہ چل جائے گا لیکن ایک بات آپ بھی یاد رکھیں کہ جس جس کا اس میں کوئی ہاتھ ہوا بس اس کی چمڑی اتار کر اس میں بھس بھروا کر انہیں چکیوں میں پھنکوا دوں گا تاکہ باقی عملے کو نصیحت لگ جائے کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت کرنے کا تصور بھی نہ کر سکے..... مجھے تو شرم آ رہی ہے کہ آپ اپنے افسران کے ہوتے ہوئے یہ ممکن کیسے ہوا؟..... یقیناً آپ نے کسی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے..... آپ کے سیکورٹی سسٹم میں کوئی خلا ہے جس کا فائدہ اٹھا کر وہ لوگ فرار ہوئے ہیں..... میں ساری جیل کو لائن حاضر کروا دوں گا..... مجھے سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں..... ایک مسلمان جاسوس اور دہشت گرد ہے اور دوسرا دیش دروہی (غدار) آرمی کا حوالدار ہے..... آپ کو ان دونوں کو زیادہ سے زیادہ (maximum) سیکورٹی میں رکھنا چاہئے تھا..... آپ نے اس حرام زادے جوگا سنگھ کو یہاں نمبردار بنا رکھا ہوا تھا..... یہ

سب افسران کی نااہلی ہے..... ایسے خطرناک سزایافتہ فوجی کو جس نے اپنے میجر کو گولی مارنے کوشش کی تھی آپ نے جیل کے ''کوٹ موقعہ'' پر ڈیوٹی دی ہوئی تھی..... میں ایک ایک کو دیکھ گا..... آؤ میرے ساتھ.....''

آخری فقرہ تو اس نے ڈپٹی جیلر کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا تھا۔

❁❁❁

سپرنٹنڈینٹ جیل مکھن سنگھ کو اس حادثے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ بارش میں اپنے شہر والی کوٹھی سے یہاں تک پہنچا تھا۔ ابھی وہ بمشکل حوالدار مٹورام کی زبانی اس حادثے تفصیلات ہی سن رہا تھا جب آندھی اور طوفان کی طرح اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایس پی تیاگی ڈپٹی جیلر کمرے اس کے آفس میں داخل ہوئے۔

مکھن سنگھ حوالدار سے ترقی کر کے سپرنٹنڈینٹ کے عہدے تک پہنچا تھا۔ اس انگریز کے زمانے میں نوکری شروع کی تھی اور اب تک اس کے ریکارڈ پر ایک بھی فراری نہیں لکھ تھی۔

آج جب اسے دو خطرناک قیدیوں کے فرار کی اطلاع ملی تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھ اب تک زمین کیوں نہ پھٹی اور وہ اس میں کیوں نہیں سمایا۔

اس نے حوالدار مٹورام سے کہا تھا کہ جس کسی کی معمولی سی غفلت بھی اس مسئلے پ گئی وہ اسے ایسی کڑی سزا دلائے گا کہ پھر ساری زندگی کسی کو یہ جرات نہیں ہوگی۔

تیاگی بڑے طمطراق سے اس کی کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا تھا ڈپٹی جیلر کو غصہ تو آیا لیکا بے چارہ اس لئے چپ رہا کہ وہ دو بھینسوں کی لڑائی میں خود کیوں پھنسے۔

اسے امید تھی کہ مکھن سنگھ جیسا پرانا خرانٹ جس کی ساری زندگی بے ایمانی اور کاموں اور اپنے افسران کی کاسہ لیسی سے عبارت ہے ضرور اس بات پر احتجاج کرے گا۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر وہ خاموش رہا۔

''مسٹر مکھن سنگھ مجھے پانچ منٹ کے اندر ان لوگوں کی فہرست چاہئے جو کسی بھی اس فرار میں کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں..... متعلقہ احاطے کے تمام نمبردار وہاں گذشتہ ایک ما

ڈیوٹی دینے والے تمام سپاہی اور حوالدار اور تمام متعلقہ لوگ..... کوئی نہیں بچنا چاہئے..... کوئی نہیں..... آپ میری بات سمجھ گئے ناں۔''

اس نے کرسی سنبھالنے کے بعد اپنی دونوں ٹانگیں میز پر رکھنے کے بعد ٹیلی فون سنبھالتے ہوئے اسے کہا۔

''ٹھیک ہے کپتان صاحب..... جیسے آپ کا حکم۔''

مکھن سنگھ کو تیاگی کی طاقت کا علم تھا۔

''ہری اپ..... ہری اپ۔''

ایس پی تیاگی نے آئی جی کا نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

''امرجیت سنگھ ادھر آ جاؤ۔''

مکھن سنگھ نے اچانک ہی ڈپٹی جیلر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ڈپٹی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ مکھن سنگھ اس مصیبت کے زیادہ منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

وہ مکھن سنگھ کے تعاقب میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

حوالدار مٹورام نے بھی ان کے پیچھے جانا چاہا۔

لیکن.....

''ٹھہرو۔''

اچانک ہی تیاگی نے اسے رکنے کا حکم دیا تھا۔

''یس سر''

اس نے دونوں پاؤں زمین پر جما کر کہا۔

تیاگی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتا چلا گیا جہاں ایک جہان کی نحوست سمائی ہوئی تھی۔

مٹورام نے ایک زمانہ دیکھ رکھا تھا۔ وہ ایس پی تیاگی کے اس طرح دیکھنے کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں کے مصداق وہ تو خود اس موقع کا منتظر تھا کہ ڈپٹی جیلر امرجیت کے خلاف سارا زہر اگل دے جو اس کے دل و دماغ میں سمایا تھا.....!!

اس نے اس سے پہلے لدھیانہ جیل میں بھی امرجیت سنگھ کے ماتحت کام کیا تھا اور جانتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے۔ اس جیل میں بھی وہ اس بات پر کڑھتا رہتا تھا کہ جب کبھی اس نے کسی مسلمان قیدی کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا کر ''چکی بند'' کیا۔ اگلے ہی ''دورے'' پر امرجیت سنگھ قیدی کو ''وارننگ'' دے کر واپس بیرک میں بھیج دیتا تھا۔

اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس سکھ کے ساتھ کچھ کر گزرے۔ بری مشکل سے اس کی جان چھٹی تھی جب اسے علم ہوا کہ امرجیت سنگھ کا تبادلہ نابھہ جیل میں ہو گیا ہے جس پر مٹورام نے ماتا کے مندر میں پرشاد چڑھایا تھا۔

لیکن.....

اسے کیا معلوم تھا کہ مصیبت اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑنے والی..... ابھی اس نے اپنے دل کے ارمان پورے نہیں کئے تھے اور اسے صرف تین مسلمان قیدیوں کے بازو اور ٹانگیں توڑنے کا موقعہ ہی ملا تھا کہ اس کو بھی نابھہ جیل میں تبادلے کے احکامات مل گئے۔

یہاں آنے پر اس کا پہلا شکار عامر خان ہوا تھا جس کے متعلق اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ بھارت ماتا کا غدار اور پکا ''دیش دروھی'' ہے کہ امرجیت سنگھ نے اس کی ڈنڈہ بیڑی اتر

دی۔

وہ تو اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

عین ممکن تھا کہ اگر عامر کو ڈنڈہ بیڑی لگی رہتی تو وہ شاید آسانی سے بھاگنے میں کامیاب

نہ ہو پاتا۔

''اب دیکھوں گا تجھے امرجیت سیاں..... اب دیکھوں گا تو کیسے بچتا ہے''.....

اس نے دل ہی دل میں کہا اور مسکرا دیا۔

''کیا نام ہے تمہارا''.....

ایس پی تیاگی نے جان بوجھ کر سوال کیا حالانکہ وہ اس کا نام جانتا تھا۔

''مٹورام سر۔''

''ہوں..... مٹورام یہ کیا اندھیر مچا ہوا ہے یہاں''..... اس نے اگلا سوال داغ دیا۔

ادر.....

یہ تیر عین نشانے پر لگا۔

''مہاراج جی..... ہم ٹھہرے چھوٹے ملازم ہماری باتوں پر کون دھیان دیتا ہے۔ یہ کچھ تو ہوتا ہی تھا..... کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی جب جیل کے اعلیٰ افسر قیدیوں سے رشتہ داریاں قائم کرنے بیٹھ جائیں تو یہی کچھ ہوتا ہے..... کپتان صاحب سر!

اس نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہا۔

''ہوں ہوں..... تو یہ بات ہے.....''

ایس پی تیاگی کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ جم گئی۔

''یہ عامر خان کسی جرم میں بند تھا؟''.....

یہ سوال بھی اس نے جان بوجھ کر کیا تھا حالانکہ اسے اس کا جواب معلوم تھا۔

''جاسوسی، تخریب کاری اور غداری کے جرم میں تھری آفیشل سیکرٹ ایکٹ۔ مہاراج عامر خان بی ایس ایف انٹیلی جنس یونٹ کا انسپکٹر تھا۔ آپ اس کی فائل پڑھیں..... ایسے آدمی کو تو ایک لمحے کے لئے نہیں کھلا چھوڑنا چاہئے۔ لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے.....''

اس نے تیاگی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم گیٹ پر جاؤ اور ابھی کسی کو اندر نہ آنے دینا۔''

تیاگی کی دلچسپی بڑھ گئی تھی اس نے اپنے ایک انسپکٹر کو جو کمرے کے کونے میں مستعد کھڑا تھا۔ حکم دے کر باہر بھیج دیا۔

اب اس کمرے میں دونوں اکیلے تھے۔

اور.....

مٹورام یہی چاہتا تھا۔

اس نے مرچ مصالحہ لگا کر شکایات کا طومار باندھ دیا اور تیاگی کو بتایا کہ اس نے عامر خان کو بیرک سے نکال کر ڈنڈہ بیڑی لگا کر ''چکی بند'' کیا تھا لیکن امرجیت سنگھ نے جان بوجھ کر اس کی بیڑی اتروائی.....

''ڈپٹی صاحب کو مسلمانوں سے کچھ زیادہ ہی محبت ہے مہاراج..... وہاں لدھیانہ میں بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے..... وہ تو بھلا ہو تیجا صاحب سپرنٹنڈنٹ کا جنہیں اس شخص کی اصلیت کا

پتہ چل گیا اور انہوں نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے ورنہ تو یہ کام ناھہ سے پہلے لدھیا۔
میں ہو جاتا۔"

مٹورام نے کہا۔

"کون سی اصلیت....."

ایس پی تیاگی کے کان کھڑے ہونے لگے تھے۔

"کپتان صاحب کہتے ہیں اس کی ماں مسلمان تھی.....اور اپنی ماں کے کہنے پر ہی
سالا آدھا مسلمان اور آدھا سکھ بنا ہوا ہے۔"

مٹورام نے اس کے نزدیک ہو کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

❁❁❁

پندرہ بیس منٹ تک مٹورام امرجیت کے خلاف زہر گھولتا رہا.....!!

اس نے ایس پی تیاگی کو بتایا کہ حوالدار جوگا سنگھ کو بھی خصوصی رعایت امرجیت ہ
وجہ سے حاصل تھی کیونکہ جوگا سنگھ کی ایک کزن امرجیت سنگھ کے ایک کزن سے بیاہی ہوئی ہے
زیلداروں سے اس کے خصوصی مراسم ہیں.....

اس نے تیاگی کے دماغ میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ایسے خطرناک قیدیوں کو اً
رعایتیں نہ دی جاتیں جو ڈپٹی جیلر نے دی تھیں تو عین ممکن تھا کہ وہ لوگ اس حادثہ فاجعہ سے
نکلتے۔

یہ بات تو ایس پی تیاگی بھی سمجھ رہا تھا کہ مٹورام صورتحال کو کچھ بڑھا چڑھا کر پیش
ہے اور اصلیت وہ نہیں جو مٹورام نے بتائی ہے۔ آخر کو تیاگی بھی اس کا باپ تھا۔ وہ بھی کٹر ہ
اور اس سے کئی گنا زیادہ نفرت اسے مسلمانوں اور سکھوں سے تھی۔

لیکن.....

ایک بات تو صاف تھی کہ جوگا سنگھ کو نمبرداری دینا اور اتنی "حساس جگہ" پر اس کی
لگانا نرم ترین الفاظ میں بھی "مجرمانہ غفلت" تھی۔

اس نے دونوں مفروروں کی فائلیں اپنے پاس منگوالی تھیں.....جیل میں آمد و
رجسٹر اور ڈیوڑھی کی حاضریوں کی ساری تفصیلات اس کے سامنے دھری تھیں جنہیں پڑھ کر

رہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔

جوگا سنگھ کو علاج کے بہانے مہینے میں ایک مرتبہ ہسپتال سے باہر لے جایا جاتا تھا اس
لشاف نے تو اسے بوکھلا کر رکھ دیا.....

وہ جانتا تھا کہ جوگا سنگھ کی نام نہاد بیماری کیا ہو سکتی ہے؟

جیلوں میں بااثر قیدی اس طرح کی رعایتیں اپنے اثر رسوخ سے حاصل کر لیا کرتے
تھے۔

لیکن.....

جوگا سنگھ جیسے خطرناک قیدی کو ایسی رعایت دینا تو ناقابل تصور تھا.....

مٹورام نے اس پر آدھا گھنٹہ تک سوالات کی بوچھاڑ کر کے اور مزید ایک گھنٹہ دونوں کی
ائلوں کا معائنہ کرنے کے بعد وہ ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا.....!

اپنا اگلہ لائحہ عمل طے کرنے کے بعد اس نے آئی جی کو فون ملایا۔ جو اس خبر کے بعد سے
و نہیں سکا تھا اور گھر سے اٹھ کر پولیس ہیڈ کوارٹر میں چلا آیا تھا۔

ایس پی تیاگی آئی جی کی ناک کا بال تھا.....

گو کہ آئی جی سکھ تھا.....

لیکن.....

سکھ اسے "کیسوں والا برہمن" کہا کرتے تھے اور اس کی حیثیت ان کے نزدیک سکھ
نوم کے ایک غدار سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

شراب اور عورتوں کا رسیا جے ایس گل دلی سرکار کی وفاداری میں اندھا ہو کر وہ کچھ کر رہا
تھا جس کا تصور سکھوں نے کبھی اپنے کسی دشمن سے بھی نہیں کیا تھا۔

محض دلی سرکار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نے درجنوں سکھ نوجوانوں کو
اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا تھا.....

وہ کسی بگڑے ہوئے مہاراجے کی طرح پنجاب پر حکومت کر رہا تھا۔ کسی بھی محفل میں
پسند آجانے والے کسی بھی عورت کو اپنے بیڈروم کی زینت بنانا اس کی عادت بن چکی تھی۔

لیکن.....

پنجاب سرکار کی اس کے خلاف شکایات' اخبارات کی چیخ و پکار' اعلیٰ عدالتوں ؛ مقتولین کے لواحقین کی طرف سے اس کے خلاف مقدمات کے باوجود کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا تھا۔

اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی۔ اور وہ یہ کہ اس نے دلی سرکار کو اس بات کا یقین دلا تھا کہ پورے بھارت دیش میں صرف وہی ایک ایسا بگڑا ہوا انسان نما درندہ ہے جو سکھوں کی تحریک کو ایک سکھ ہونے کے ناطے کچل سکتا ہے..... انٹیلی جنس ایجنٹوں کی رپورٹیں اس کے میں تھیں.....

مرکزی سرکار کو ایجنٹوں نے باور کروا دیا تھا کہ جسے ایس گل کو پنجاب سے ہٹانا۔ مطلب ہے شورش کو عام کرنا.....

ایکسٹرا جیوڈیشنل کلنگ کے لئے شہرت یافتہ جے ایس گل کو اب تو اخبارات نے دبے الفاظ میں قصائی کے خطاب سے نواز دیا تھا..... لیکن کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں پایا تھا۔

❁❁❁

گل نے تیاگی کی کال خود ریسیو کی تھی.....

اس کا اپنے ماتحت عملے کو حکم تھا کہ تیاگی اگر آدھی رات کو بھی اسے نیند سے اٹھ آئے تو ایک لمحہ کی غفلت نہ کی جائے جب کہ دوسری طرف صورت حالات یہ تھی کہ اس درجنوں ماتحت کئی کئی روز اس سے بات کرنے کے لئے اپنی باری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ میں تیاگی سے بڑے آفیسر بھی شامل تھے۔ وہ اپنے افسر اعلیٰ کے اس انتہائی غیر انسانی او مناسب رویے سے شاکی رہتے تھے۔ لیکن..... اس کا کچھ بگاڑ نہیں پاتے تھے.....

''ہاں بھئی کیا خبر ہے۔''

اس نے چھٹتے ہی بے تکلفی سے دریافت کیا۔

''سر! کچھ جیل ملازمین کو تفتیش کے لئے حراست میں لینا پڑے گا۔''.....

تیاگی نے کہا۔

''تو کیوں نہیں لیتے..... اے سالے یہ بھی پوچھنے والی بات ہے..... جسے جی پکڑ لے اور سالوں کی مار مار کر کھال اتار دے..... اگر ان دونوں کے بدلے میں تجھے جیل۔

چار ملازمین مارنے پڑتے ہیں تو مار دے..... پرواہ نہ کر..... اور وہ تیری دلی والی میڈم کا کیا بنا؟..... کب آ رہی ہے وہ سالی.....''

گل نے اپنی روایتی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔

''سر! فکر نہ کریں۔ آج رات آپ کے پاس ہو گی..... مجھے پھر اجازت ہے جناب۔''

تیاگی نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

''ابے کیا اب اشٹام لکھوائے گا مجھ سے..... پکڑ لے سالوں کو اور میرے تک اب صرف رزلٹ آنا چاہئے..... پازیٹو رزلٹ..... سمجھ گئے ناں۔''.....

گل نے جیل حکام کو گالیاں بکتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ جانتے ہیں ناں میرے ضلع میں ایس ایس پی نارنگ کو..... وہ کوئی مسئلہ نہ کھڑا کرے۔''.....

اس نے مزید سیکورٹی چاہی.....

جواب میں گل نے ایس ایس پی نارنگ کو گالیاں بکتے ہوئے فون بند کر دیا۔

❁❁❁

دونوں نے اب تک تیاگی کے کمرے کے باہر کھڑے پولیس انسپکٹر سے چار مرتبہ اندر جانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن انہیں ہر دفعہ انتظار کرنے کی ہدایت ملی..... امرجیت کا خون کھولنے لگا تھا۔

لیکن.....

بوڑھے مکھن سنگھ نے اسے ٹھنڈا کئے رکھا۔

''امرجیت سیاں اس سالے کو تو نہیں جانتا۔ گل کی ناک کا بال ہے..... اس کے لئے عورتوں کی سپلائی کا ٹھیکہ اس نے اٹھا رکھا ہے..... اور دلی دربار میں اس کی بڑی پہنچ ہے..... اس کے منہ نہ لگنا..... بڑا خناس ہے.....''

مکھن سنگھ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر متعدد مرتبہ اسے دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مکھن سنگھ کو امرجیت پر مکمل اعتماد تھا..... وہ یہ بھی نہیں

چاہتا تھا کہ جیل کا کوئی ملازم بے گناہ مارا جائے لیکن وہ بندر یا کی فطرت رکھتا تھا جو اپنے پاؤں جلا
پر بچوں کو اپنے پاؤں کے نیچے لے لیتی ہے.....

چاپلوسی اور افسران کی خوشنودی اس کی زندگی کے دو زریں اصول تھے۔ اسے ہر حالا
تیاگی کو خوش کرنا تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے..... اس لئے اس نے مشتبہ افراد
لسٹ بڑی لمبی بنائی تھی۔

امرجیت کے روکنے کے باوجود اس نے اس لسٹ میں ان تمام نمبرداروں کو بھی شا
کیا تھا جو کسی بھی حوالے سے جوگا سنگھ کے دوست رہے تھے۔

یہ لسٹ قریباً تیرہ افراد پر مشتمل تھی جس میں جیل کے چار ملازمین بھی شامل تھے۔ صبح
رہی تھی جب تیاگی نے گھنٹی بجا کر اپنے انسپکٹر کو اندر طلب کیا.....

''یس سر۔''.....

اس نے ایڑیاں بجاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا کر رہے ہیں۔''.....

تیاگی مکھن سنگھ اور امرجیت کے متعلق دریافت کرنا چاہتا تھا۔

''سر! اب تک تین چار مرتبہ اندر آنے کی اجازت مانگ چکے ہیں۔''.....

انسپکٹر جو اس کا ''کار خاص'' لگتا تھا زیر لب مسکرایا.....

''ہوں..... بھیج دو..... کیا یاد کریں گے سالے۔''.....

اس نے انسپکٹر کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

دوسرے لمحے دونوں اندر تھے.....

''جی سردار صاحب..... لسٹ بن گئی۔''.....

تیاگی نے ان کو منہ سے ایک لفظ نکالنے کی مہلت دیئے بغیر کہا۔

امرجیت سنگھ کو اس کے رویے نے غصے سے کھولا کر رکھ دیا تھا لیکن وہ مصلحتاً خاموش
وہ خود اس کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

''ہاں جی بن گئی۔''.....

مکھن سنگھ نے روایتی چاپلوسی کا مظاہرہ کیا اور ایک کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

ایس پی تیاگی نے کاغذ پر لکھے ناموں پر ایک نظر دوڑائی اور وہ لسٹ تہہ کر کے اپنی جیب
میں رکھ لی۔

''ان سب لوگوں کو صبح تک جمع کر لیجئے..... میں لیگل کارروائی پوری کر کے انہیں لے
جانا چاہتا ہوں..... مسلمان قیدیوں کو بارکوں سے باہر نہیں نکالنا جب تک کہ آئی جی صاحب
اجازت نہ دیں..... مجھے ان سب کی تفصیل بمعہ جرائم چاہئے۔ ان میں سے مناسب قیدیوں سے
تفتیش کی جائے گی..... اچھا..... سردار مکھن سنگھ جی جا رہا ہوں..... اور ہاں اس لسٹ میں اپنے
ڈپٹی جیلر امرجیت سنگھ کا نام بھی شامل کر لیجئے۔ مجھے دوران تفتیش ان کی ضرورت بھی پیش آئے
گی۔''

اس نے دروازے کی طرف.....

اس مرتبہ تو امرجیت بھی گھبرا گیا۔

''جے ہند۔''.....

تیاگی نے انہیں کچھ اور کہا.....

''جے ہند۔''.....

دونوں نے اپنے.....

تیاگی جس طرح آیا تھا لوٹ گیا۔

❁❁❁

باب 6

امرجیت سنگھ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسے کچا چبا جائے۔ تیاگی نے بدتمیزی کی انتہا کر دی تھی۔ اس کو یہ مجال کیسے ہوئی کہ ڈپٹی جیلر کو تفتیش کے لئے طلب کرے۔

''سردار صاحب! اگر آپ نے اپنی عزت گروی رکھوادی ہے تو میرا ہی کچھ خیال کر لیا ہوتا۔'' بالآخر وہ مکھن سنگھ کے سامنے پھٹ پڑا۔

''امرجیت سیاں! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو کیونکہ ابھی نوجوان اور غیر شادی شدہ ہو لیکن تمہاری اگر تین جوان بیٹیاں ہوتیں اور موجودہ ''واتاورن'' (حالات) میں کہ جب اس ملک میں سکھ ہونا ہی موت کی دعوت دینے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے۔ جب تیاگی جیسے دلی سرکار کے کتے تم پر حملہ آور ہوتے تو میں بھی تم س شاید ایسے سوال ہی کرتا''.....

مکھن سنگھ کی آواز بھرا گئی۔

وہ سچ کہہ رہا تھا۔

دلی کے دنگوں کے بعد سے جہاں سکھوں کو گاجر مولی کی طرح مارا اور زندہ جلایا گیا تھا۔ سارے ملک میں دہشت کی ایک فضا پھیلی ہوئی تھی۔ خصوصاً کانگرس مخالف سکھوں کے لئے تو زندگی دوبھر ہو گئی تھی۔

پولیس جس سکھ کو چاہتی ''ات وادی'' ہونے کے الزام میں پکڑ لیتی۔ جس سے چھٹکارہ ہی ممکن نہیں تھا۔ دلی دربار نے اپنے راج پاٹ کو قائم رکھنے کے لئے پنجاب پولیس کو لامحدود اختیارات سے مسلح کر کے سکھوں کے خلاف میدان میں اتار دیا تھا۔ بڑے بڑے معزز اور خاندانی سکھ گھرانوں کے نوجوانوں کو پولیس کے معمولی سے تھانیدار نے گھروں سے اغواء کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

امرجیت سنگھ جیسے جیسے معاملات کی گہرائی میں اترا اس کا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ فرار ہونے والے دونوں معمولی قیدی نہیں تھے۔ ان میں سے ایک دہشت گردی اور جاسوسی کے الزام میں اور دوسرا فوج سے بغاوت کے مقدمے میں بند تھا۔

امرجیت کو بھی تیاگی کی طاقت کا علم تھا.....!!

اس نے فوری طور پر اپنے چچا ایم ایل اے سردار جودھا سنگھ کو فون کر کے ساری صورتحال سے مطلع کیا اور اس کے کہنے پر تیاگی کے ہمراہ جانے کے لئے تیار بھی ہو گیا۔ اب اسے کم از کم یہ اطمینان ضرور تھا کہ اس کا معاملہ دلی سرکار تک اٹھایا جائے گا۔ ایس پی تیاگی یا گل کے لئے اسے مار دینا آسان کام نہیں رہا۔

ایس پی تیاگی نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا.....!!

صبح آٹھ بجے پولیس گارڈ متعلقہ افراد کے وارنٹ گرفتاری کے ساتھ جیل کے دروازے پر کھڑی تھی۔ امرجیت کو اب علم ہوا کہ مکھن سنگھ کی بات کا مطلب کیا تھا؟

لیکن.....

یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

مقامی مجسٹریٹ نے اس کے وارنٹ گرفتاری کئے ہوئے تھے اور اسے باقاعدہ ہتھکڑی لگا کر لے جایا جا رہا تھا۔ یہی سلوک جیل کے دیگر عملے کے ساتھ کیا گیا تھا۔

شرم اور غصے سے امرجیت سنگھ کا برا حال تھا۔ زمین نہیں پھٹتی تھی کہ وہ اس میں سما جاتا اس کے لئے ایک ایک قدم من من کا بوجھل ہو رہا تھا۔

جیل کی ڈیوڑھی سے پولیس کی لاری تک کا سفر اس کے لئے پل صراط کا سفر بن گیا تھا۔

پولیس والوں نے شاید خصوصی ہدایات کے تحت اسے بھی جیل کے دوسرے ملازمین اور نمبرداروں کے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔

تیاگی اپنی اوقات بتانے پر تل گیا تھا۔

پولیس کی لاری انہیں سیدھے پولیس لائنز لے گئی جہاں سے انہیں تفتیشی سیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔

ان تفتیشی سیلوں سے متعلق داستانیں تو امرجیت سنگھ نے بہت سنی تھیں لیکن آج زندگی میں پہلی بار اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اور یہاں کے ماحول پر ایک نظر ڈالتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس جگہ سے متعلق جو کچھ بھی کہہ دیا جائے وہ سچ ہی ہوگا۔

امرجیت کو شاید جان بوجھ کر اس سیل میں بند کیا گیا تھا جس کے بالکل سامنے ملزموں سے تفتیش کی جاتی تھی۔

قیدیوں کی طرح ان کے داخلے پر ہاتھوں کے نشانات اور ان سے متعلق تمام تفصیلات محفوظ کر لی گئی تھیں اور انہیں آئے اب تین چار گھنٹے ہونے کو تھے لیکن ابھی تک کسی سیل کو نہیں کھولا گیا تھا۔

❁❁❁

امرجیت ساری رات جاگتا رہا تھا۔

اس کی آج کل نائٹ ڈیوٹی چل رہی تھی۔ نائٹ ڈیوٹی کے بعد دن میں اس کے لئے نیند بہت ضروری ہو جاتی تھی۔ اب بھی وہ سیل کی دیوار سے لگا اونگھ رہا تھا جب ایک زوردار چیخ نے اسے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

امرجیت سنگھ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی انسان کے گلے پر چھری پھیری جا رہی ہو بالکل ایسی ہی آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ سیل کے سلاخوں والے دروازے کے نزدیک پہنچ گیا جس کے سامنے قریباً 20 گز کے فاصلے پر صحن میں بنے ایک درخت سے تفتیشی عملے نے ''بندا حاطے'' کے نمبردار کو الٹا لٹکا رکھا تھا اور ایس پی تیاگی جنونیوں کی طرح اس کی ہڈیوں پر ڈنڈے برسا رہا تھا۔

نمبردار بے چارے کو کچھ علم ہوتا تو وہ بتاتا۔ اسے تو محض اس جرم کی سزا دی جا رہی تھی کہ اس نے جوگا سنگھ سے چائے اور افیون لے کر کیوں کھائی تھی؟.....

جیل میں آٹھ دس سال کی قید نے بے چارے نمبردار کے جسم میں جان ہی کتنی چھوڑی تھی کہ وہ تشدد برداشت کرتا۔ امرجیت کے سامنے وہ اب تک دو مرتبہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

لیکن.....

تیاگی ماہر قصائیوں کی طرح اپنے عملے کی مدد سے دوبارہ ہوش میں لا کر پھر وہی عمل ہرانے لگتا۔ اب نمبردار کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل پا رہی تھی۔ ایک گھنٹہ تک انہوں نے اس بے گناہ کو تختہ مشق بنائے رکھا جس کے بعد اسے بے ہوشی کی حالت میں کھینچتے ہوئے انہوں نے بردار کو مردہ جانور کی طرح ایک سیل میں پھینک کر دروازہ بند کر دیا۔

اس کے بعد ''چکر نمبردار'' کی باری آئی۔

اس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا اور اسے بھی سیل بند کر دیا گیا۔ یکے بعد دیگرے تمام شتبہ جیل ملازمین کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ شام ڈھلنے تک وہ انہیں وحشیوں کی طرح پیٹتے ہے۔ اس دوران ایس پی تیاگی ان کے سر پر بیٹھا رہا۔

اس نے لنچ بھی وہیں کیا اور بار بار چائے بھی پیتا رہا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

تیاگی تھوڑی دیر بعد اٹھ کر چلا گیا۔

❁❁❁

امرجیت سنگھ حیران اور پریشان بھی تھا کہ اسے ابھی تک کیوں نہیں بلایا گیا۔ پھر اسے ردہی اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا کہ ممکن ہے اس کے چاچا ایم ایل اے نے اپروچ کر لی ہو اور اگی کو ''چیتاونی'' مل گئی ہو.....

دوپہر کا کھانا اسے قیدیوں کی طرح سیل ہی میں دیا گیا تھا۔ امرجیت نے بمشکل ایک لقمے ہی زہر مار کئے تھے جس کی وجہ سے اس کھانے کا معیار اور یہاں کے حالات ہی ہو سکتے ہیں۔

شام ڈھل رہی تھی۔

تفتیشی احاطے کے بلب روشن ہونے لگے تھے۔

کسی سیل سے شاید "رہ راست جی" کے پاٹھ کی آواز بھی بلند ہونے لگی تھی۔ ابھی کسی نے امرجیت سے کچھ تعرض نہیں کیا تھا۔

اس سیل میں زمین پر ایک کمبل بچھا ہوا تھا جس کی حالت دیکھ کر امرجیت سنگھ ننگے فرش پر بیٹھنا ہی بہتر جانا تھا۔

مسلسل جاگنے سے اب اس کا بدن ٹوٹنے لگا تھا۔ پھر اسے اونگھ آ گئی اور وہ اپنی ٹانگیں لمبی کر کے دیوار کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر اونگھنے لگا۔

شاید وہ لوگ اسی موقعہ کے منتظر تھے۔

سیل کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی اور اس کے اپنے قدموں پر کھڑے ہونے تک تین چار پولیس والے اس کے سیل میں گھس آئے۔

انہوں نے امرجیت سنگھ کو اس طرح قابو کیا ہوا تھا جیسے اچانک چھاپہ مار کر کسی مسلح کو پکڑا جاتا ہے۔

امرجیت سنگھ کو جس طرح وہ ایک کمرے تک لے کر گئے تھے اس نے سکھ نوجوا خون واقعی کھولا دیا۔ چار پولیس والے اسے گھسیٹتے ہوئے یہاں تک لائے تھے۔ یہ کمرہ اس عما کی پہلی منزل پر بنا ہوا تھا جس کے ایک کونے میں پڑی کرسی پر ایس پی تیاگی بیٹھا سگار کے کش رہا تھا۔

سارا کمرہ دھویں سے بھرا ہوا تھا۔

ایک سکھ ہونے کے ناطے امرجیت سنگھ کے لئے یہ پہلا بھرپور طمانچہ تھا جو اس کی پر تیاگی نے مارا۔

"کیا بکواس ہے یہ..... کیا بدتمیزی ہے۔ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ آپ لوگوں کو میرے ساتھ ایسی بدتمیزی کا حق کس نے دیا۔"

اس نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کمرے میں گھستے ہی کہا۔

ایس پی تیاگی نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پاگلوں کو دیکھا جاتا ہے پھر اس نے اسے یہاں تک لانے والے عملے کو مخاطب کیا۔

"کس نے کی ہے بدتمیزی۔"

اس نے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"سر! ہم نے تو کچھ نہیں کہا..... یہ بکواس کرتا ہے۔"

ایک لمبے تڑنگے مذہبی سکھ نے کہا۔

اور.....

وہاں موجود تمام لوگ قہقہے لگا کر اسے چڑانے کے انداز میں ہنسنے لگے۔

"جیلر صاحب شما کر دیجئے دراصل یہ لوگ ایسے سلوک کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ جیل ہے نہیں یہ تو تفتیشی مرکز ہے۔ یہاں گدھا گھوڑا ایک برابر ہے..... انہیں شاید اس بات کا علم ں کہ آپ خود ایک سرکاری افسر ہیں۔"

اچانک ہی تیاگی نے سگار کا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

امرجیت سنگھ کو اس دھوئیں سے متلی ہونے لگی تھی۔

اس نے اندازہ لگا لیا کہ تیاگی ذہنی مریض ہے اور زبردست اذیت پسند واقع ہوا ہے۔ شاید وہ اپنی کسی حیوانی حس کی تسکین چاہتا تھا۔

"امرجیت سنگھ میرے سوالوں کا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے بصورت دیگر یاد رکھنا یہاں بھگوان بھی تمہاری مدد نہیں کر سکتا..... تمہارا چاچا بے چارہ تو کسی حیثیت کا مالک ہی نہیں..... الٹا وہ تمہارا کیس خراب کر رہا ہے۔ وہ اکالی دل کا ایم ایل اے ہے..... کانگریس کا نہیں۔"

تیاگی نے سگار ختم کر کے اسے پاؤں تلے مسل دیا۔

امرجیت سنگھ خاموشی سے کھڑا رہا۔

"بیٹھ جاؤ..... ادھر بیٹھ جاؤ..... اور اپنے ذہن کو حاضر کر لو۔"

ایس پی تیاگی نے دیوار سے جڑے ایک چبوترے کی طرف اشارہ کیا۔

امرجیت وہاں بیٹھ گیا۔

''کیا تمہارے خیال میں کسی بیرونی مدد کے بغیر جیل سے یہ فراری ممکن ہے۔''.....

ایس پی تیاگی نے اچانک ہی بڑا ٹیڑھا سوال کر دیا۔

''نہیں۔''

امرجیت کے لئے اس کے علاوہ کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔

''شاباش مجھے امید تھی کہ تم عقل مندی کا مظاہرہ کرو گے اور ضد نہیں اپناؤ گے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے امرجیت سیاں کہ اس فراری میں مفروروں کی مدد کون کون کر سکتا تھا۔''

امرجیت خاموش رہا۔

''میں بتاتا ہوں..... میرے خیال سے تم نے اور لکھن سنگھ نے جو لسٹ بنائی ہے اس میں تمام ممکنہ مددگار شامل ہیں۔''.....

''ہاں۔''

امرجیت سنگھ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''ویل ڈن..... شاباش اور مجھے امید ہے کہ تم نے اپنے پیشے سے وفاداری نبھائی ہوگی اس میں سے کسی کا نام چھپایا نہیں ہوگا۔''

تیاگی آکٹوپس کی طرح اسے دلائل کے جال میں جکڑ رہا تھا اور امرجیت سنگھ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے..... ہمیں کیا ضرورت تھی کسی کا نام چھپانے کی۔''

اس نے کہا۔

''امرجیت سنگھ تمہارے سیل کے سامنے ان سب لوگوں سے تفتیش کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک نمبردار تشدد سے مر گیا ہے۔ تین کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں اور باقی سات بھی زندہ درگور ہو گئے ہیں۔ انسانی جسم جتنا تشدد برداشت کر سکتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ ہو چکا ہے..... تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اگر کوئی کسر رہ گئی ہو تو ہم دوبارہ تمہاری موجودگی میں پوری کر دیں گے..... خود چاہو تو ان سے تفتیش کر سکتے ہو..... لیکن مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔''

تیاگی نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''بالکل بے گناہ ہیں۔ انہوں نے فراری نہیں کروائی۔''

امرجیت کو اس خبر سے بے حد صدمہ پہنچا تھا کہ ایک نمبردار تشدد سے مر چکا ہے اور تین ہڈیاں توڑ دی گئی ہیں۔

''اب میں تمہاری بات دہراتا ہوں بقول تمہارے یہ فراری کسی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں سے متعلق ذرا سا بھی شک کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس میں مدد کر سکتے ہیں۔ ان پر ہم نے ری حد تک تشدد کر کے دیکھ لیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ انہوں نے مدد نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا اب آخر میں تم ہی تم رہ گئے ہو۔ جو ایسا کر سکتا ہے۔''

تیاگی نے اچانک ہی اس کے دماغ پر ہتھوڑا مارا۔

''کک کیا مطلب ہے تمہارا..... کیا بکواس کر رہے ہو تم۔''

امرجیت قریباً چیخ اٹھا۔

''میں بکواس نہیں کر رہا..... میں تو تمہاری ہی بات دہرا رہا ہوں..... امرجیت سنگھ میرا ل ہے کہ تم اب سچ اگل ہی دو..... یہ کاغذ قلم یہاں دھرا ہے اپنا بیان لکھو اور یہاں سے ؤ..... ورنہ تو اب تم آخری آدمی رہ گئے جس سے ہم اقبال جرم کروا ہی لیں گے۔''

تیاگی کا چہرہ سپاٹ تھا اور وہ بڑا سنجیدہ دکھائی دیا تھا۔

❁❁❁

کاغذ قلم وہاں رکھ کر تیاگی باہر چلا گیا۔

اس کے ہمراہی بھی تیاگی کی تقلید میں باہر ہی نکل گئے تھے شاید وہ امرجیت کو تنہا رہنے کا قعہ دینا چاہتے تھے امرجیت کو سارے کھیل کی سمجھ آ گئی تھی۔

وہ جان گیا تھا کہ اب اسے بے غیرتی اور غیرت کی موت میں سے کسی ایک کا انتخاب رنا ہے۔

مرنا تو سے بہر حال تھا ہی..... اس بات کے امکانات تو نہ ہونے کے برابر تھے ایک رتبہ تیاگی کے قابو آنے والا کوئی بھی شخص اپنے اوپر تمام جھوٹے یا سچے جرم کا اقبال کئے بغیر زندہ

نکل جائے۔

اس نے دونوں کو فرار نہیں کروایا تھا۔اس نے ایمانداری سے اپنی نوکری نبھائی تھی سارے کیریئر میں کبھی رشوت تک لینے کا تصور نہیں کیا تھا۔

دوسری طرف مکھن سنگھ تھا جس کی ساری زندگی چاپلوسی' منافقت اور حرام خوری عبارت تھی اور بچا ہوا تھا۔امرجیت حوالدار مٹورام کو کافی عرصے سے جانتا تھا یہ سارا دھرا ا رام کا تھا۔

وہ جانتا تھا لدھیانہ جیل سے ذلیل ہو کر نکلنے کے بعد سے مٹورام انتقام کی آگ کس بری طرح جھلس رہا تھا اس نے متعدد مرتبہ مٹورام کے منہ میں آئی ہڈی چھینی تھی۔

اب موقعہ ملنے پر وہ اسے کیسے چھوڑ دیتا۔

امرجیت موت سے نہیں ڈرتا تھا۔

لیکن.....

ایسی حرام اور بے بسی کی موت کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔اسے امید تھی کہ کا چچا ایم ایل اے جودھا سنگھ فارغ نہیں بیٹھا ہوگا۔اگر وہ کوشش کر کے یہاں دو تین دن گزار تو عین ممکن تھا کہ اس دوران جودھا سنگھ کی طرف سے کوئی مدد اس کے لئے پہنچ جاتی اور اس کی بچ جاتی۔

اس نے دو تین دن تک تیاگی کو بے وقوف بنانے کی تدبیر سوچنا شروع کر دی اور ایک نتیجے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔

اسے سپرنٹنڈنٹ مکھن سنگھ پر رحم تو آیا تھا۔لیکن رحم کے جذبات پر اس کا غصہ غالب رہا تھا کہ اس نے امرجیت کے حق میں ایک بھی کلمہ خیر نہیں کہا تھا۔آخر کو وہ بھی تیاگی کے بر آفیسر تھا۔اپنے سٹاف کو اس طرح بھیڑ بکریاں بنا کر تیاگی کو سونپ دینا کہاں کا انصاف تھا۔

اور.....وہ مٹورام.....

اس سے متعلق کس کو خوش فہمی تھی۔

کون سا جرم تھا جو اس کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

رشوت' بدکاری' بدفعلیاں' چور بازاری' بدمعاش قیدیوں کی سرپرستی اور ان سے حصہ ل کرنا۔

کیا کیا نہیں کرتا آیا تھا وہ؟

امرجیت کو اب تیاگی کا انتظار تھا۔اس نے دو تین دن گزارنے کے لئے بہرحال ایک ٹ تیار کر لیا تھا۔

اسے امید تھی کہ آئی جی جیل کے ہوتے ہوئے بھی اس کا چچا یعنی ''جودھا سنگھ'' بے بس ا تھا اسے علم تھا کہ امرجیت کس کی حراست میں ہے اور وہ ضرور کوئی نہ کوئی ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اگر کچھ بھی نہ ہوا تو کم از کم وہ بے غیرتی کی موت قبول نہیں کرے گا.....اس نے فیصلہ کر لیا !.....

اچانک ہی دروازہ کھول کر تیاگی اندر داخل ہوا تھا.....!

اس نے امرجیت کے سامنے دھرے کاغذ قلم کاجوں کا توں پایا تو اس کا پارہ آسمان کو نے لگا۔

''امرجیت تم نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا۔''

اس نے امرجیت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''تیاگی صاحب.....لکھنے سے بات نہیں بنے گی.....میری اطلاع کے مطابق اب سارا ڈرامہ ہی چل رہا تھا۔مجھے تو اب علم ہوا ہے کہ آپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور میرے اس سے بڑا فراڈ ہو گیا ہے۔''.....

اس نے اپنے ذہن میں پہلے تیار کردہ کہانی دھراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا.....کیا بکواس کر رہے ہو تم.....''

''بکواس میں نہیں کر رہا مسٹر تیاگی.....بکواس تو مٹورام اور مکھن سنگھ نے کی ہے۔ ں نے پہلے تمہیں بے وقوف بنایا اور پھر مجھے.....اور اب دونوں عیش کریں گے.....تم مجھے ٹک گولی مار دینا۔لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو.....ہاں عامر اور جوگا سنگھ کو ہم نے ہی فرار وایا ہے.....دس لاکھ روپے اس فرار کے لئے ملے تھے۔مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ تین لاکھ تمہارے

اور سات لاکھ مکھن سنگھ اور مٹورام اور میرے درمیان تقسیم ہوں گے..... گاہک مٹورام ہی ا
میں نے سازش میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس وشواس پر کہ آپ بھی اس م
ہیں لالچ میں آ گیا..... مجھے مکھن سنگھ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تفتیش کے لئے مجھے بھی
جائے گا اور یہ ساری جعلی کارروائی ہوگی..... لیکن جب تمہارے آدمی مجھے سیل سے یہاں
تھے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ جعلی نہیں اصلی کارروائی ہے اور یا تو مجھے قربانی کا بکرا بنایا جا رہا
ان لوگوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا اور آپ کا اس فرار سے کوئی تعلق نہیں ہے....."

امرجیت سنگھ جیسے جیسے بول رہا تھا۔ تیاگی کے چہرے پر حیرت اور غصے کے آ
ہو رہے تھے.....!!

اس نے بڑی غیر یقینی کی کیفیت میں امرجیت کی طرف دیکھا جس کے
سنجیدگی نے اسے کچھ اور سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"اگر تمہاری یہ بات جھوٹ نکلی تو....."

بالآخر تیاگی نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"میرے خیال سے اس سوال کا جواب بھی تم ہی دے سکتے ہو..... دیکھو تم
بات میں کوئی شک نہیں کہ تم گل کے چہیتے ہو..... لیکن یہ بات بھی یاد رکھنا کہ جس آدمی
جے ایس گل ہے وہ اصل میں اپنے باپ کا بھی نہیں..... جو اپنی قوم کا نہیں ہو سکا وہ کسی
نہیں ہو سکتا..... اس پر اعتبار کرنا دانستہ خودکشی کرنے کے مترادف ہے..... میں کسی با
ڈرنے والا نہیں..... مجھے کسی سزا کا بھی افسوس نہ ہوتا اگر کم از کم مجھے میرا حصہ مل
..... بصورت دیگر میں یہاں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لوں گا کہ تم بھی فرار کی رقم میں
ہو..... اور یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اس تفتیشی سنٹر میں آدھے سے زیادہ ملازم گل
ہیں..... وہ یہ خبر فوراً اسے پہنچائیں گے جس کے بعد تمہاری کم بختی آ جائے گی..... کیونکہ
سے اپنے حصے کا تقاضا کرے گا..... تم مجھے جان سے مار ڈالو..... لیکن مرنے سے پہلے
جاؤں گا"۔.....

امرجیت نے بڑے اعتماد اور اطمینان سے کہا۔

تیاگی ایک مرتبہ تو چکرا کر رہ گیا.....

اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

دو ہی صورتیں یا تو امرجیت بہت چالاک آدمی تھا جس کا تصور تیاگی نہیں کر سکتا تھا۔
سے پنجاب میں نوکری کرتے دس سال ہونے کو آ رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ سکھ کتنے چالاک ہو
لتے ہیں۔ بصورت دیگر وہ اسے بلیک میل کر رہا تھا.....! اب سوال یہ اٹھتا تھا کہ کیا امرجیت جیسا
ل کا لونڈا اسے بلیک میل کر سکتا ہے؟ اس کی انا نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کا سیدھا مطلب یہ تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے؟.....

مکھن سنگھ اور مٹورام نے اسے بے وقوف بنایا ہے..... جب اس کے ذہن نے تیاگی کو
گمراہ کیا تو اس نے فوراً ہی دوسری لائن پر سوچنا شروع کر دیا۔ اسے یاد آیا کہ مٹورام نے اسے کس
رح مرچ مصالحہ لگا کر امرجیت کے خلاف بھڑکایا تھا۔

اور وہ مذہبی سکھ وہ بوڑھا مکھن سنگھ..... کس طرح مکاری سے "جی جناب" اور "یس سر
یس سر" کہہ کر اپنا الو سیدھا کرتا رہا۔

غصے سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔

"امرجیت سیاں..... ایک بات یاد رکھنا..... اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے چکر دے کر بچ جاؤ
گے تو یہ تمہارا وہم ہے۔ یہاں سے تم زندہ تب ہی اپنے گھر جاؤ گے جب تمہاری کہانی سچ ثابت ہو
جائے گی..... اور ہاں یہ بھی کان کھول کر سن لو کہ ابھی کوئی مائی کا لال اس صوبے میں پیدا نہیں ہوا
جو میرا بال بھی بیکا کر سکے....."

اس نے بظاہر بڑے مضبوط لہجے میں یہ بات کی تھی.....

لیکن.....

امرجیت سنگھ جانتا تھا کہ اس نے آخری فقرہ صرف اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے
لئے کہا ہے اور اس کا دل چل گیا ہے۔

"میرے خیال سے آپ اس طرح کی باتیں کر کے صرف اپنا وقت ضائع کر رہے
ہیں۔ اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ دونوں کو بلا لیا جائے اور میں باری باری آپ کے سامنے ان

سے چند سوالات کروں گا۔ اگر میری بات غلط نکلے تو آپ کو ہر فیصلے کا اختیار ہے..... مسٹر تیاگی ممکن ہے ابھی ان کو گرفتار کرنے سے کچھ ثبوت باقی رہ جائیں اگر ایک آدھ دن گزر گیا تو وہ سارے ثبوت ضائع ہو جائیں گے۔".....

"ٹھیک ہے۔"

تیاگی نے اس کی آنکھوں سے جھانکتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں اب میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہونی چاہئے۔"

امرجیت نے اس کا اگلا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

تیاگی نے اپنی پوزیشن کا احساس کر لیا تھا۔ وہ امرجیت کے چکر میں فی الوقت پھنسا ہوا تھا۔ اگر امرجیت واقعی یہاں چلانا شروع کر دیتا تو یہ اطلاع گل تک پہنچ جاتی اور پھر تیاگی کے لئے بے پناہ مسائل کھڑے ہو جاتے۔

وہ جانتا تھا کہ گل اسے نوکری سے برخاست کروانے کی دھمکی نہیں دے گا بلکہ اس حصہ کا مطالبہ کرے گا جو امرجیت کے منہ سے نکلنے والی رقم کا کم از کم دوگنا ہوگی اور تیاگی جسے ایک پیسہ بھی نہیں ملا تھا خوامخواہ ایک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس بس کا نہیں چلتا تھا کہ مکھن سنگھ اور مٹورام کو کچا چبا جائے جنہوں نے اس کے نام یہ دھاندلی کی تھی.....

تیاگی کے اشارے پر دو سپاہی امرجیت سنگھ کو احترام سے تیاگی کے کمرے میں گئے جہاں اس نے رات کا کھانا اطمینان سے کھایا اور گہری نیند سو گیا..... صبح اٹھ کر اس نے معمول کے مطابق اشنان کیا پھر "پانچوں بانیوں کا جاپ" کرنے کے بعد ناشتے سے فارغ ہوا تو تیاگی وہاں موجود تھا۔

"میں نے وعدے کے مطابق ان سے براہ راست کوئی سوال نہیں کیا..... اب کہتے ہو"..... اس نے چھٹتے ہی کہا۔

"مکھن سنگھ اور میری علیحدگی میں صرف دس منٹ کی ملاقات کا اہتمام کروا دو۔ دس منٹ کے بعد وہ طوطے کی طرح سب کچھ بولنے لگے گا۔"

امرجیت نے اطمینان سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

تیاگی نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں ایک کمرے میں پہنچے جس میں ایک میز اور دو کرسیاں بچھی تھیں جن میں سے ایک پر پریشان حال مکھن سنگھ براجمان تھا۔

تیاگی اسے خونی نظروں سے گھورتا باہر چلا گیا۔ اب وہاں ایک کرسی پر امرجیت سنگھ اور دوسری پر مکھن سنگھ بیٹھے تھے اور ان دونوں کے درمیان ایک میز دھری تھی۔

"کیا بات ہے مجھے کیوں بلایا ہے۔"

اس نے چھٹتے ہی امرجیت سنگھ سے دریافت کیا۔

"تمہارا کیا خیال تھا کہ یہاں میرے ساتھ کیا میرے گھر والوں کو بلایا جاتا' ظاہر ہے تمہیں ہی بلانا تھا۔"

امرجیت سنگھ نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"امرجیت سیاں۔ رب دا واسطہ صاف صاف بات کرو۔ میرا دل بڑا کمزور ہے۔"

مکھن سنگھ نے کہا۔

امرجیت سنگھ اس کی طرف جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولنے لگا۔

"دیکھو سردار مکھن سنگھ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں۔ میں نے ایک ماتحت کی طرح ہمیشہ تمہاری عزت کی ہے حالانکہ تمہاری ساری حرامکاریاں میری نظر میں ہیں۔ لیکن تم نے مجھے یہاں قربانی کا بکرا بنا کر بھیج دیا۔ یہ لوگ سچ جھوٹ کے چکر میں نہیں پڑتے تم گل اور تیاگی کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو..... دو بندے اب تک تفتیش سے مر چکے ہیں اور میں یہ حرام موت مرنا نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو قیدیوں کو ہم نے فرار نہیں کروایا۔ لیکن تیاگی یہ بات نہیں مان رہا..... اس سے پہلے کہ مجھے بھی مار ڈالے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم بھی

میرے ساتھ ہی مرو.....''

''کک کیا مطلب ہے تمہارا.....تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔''

مکھن سنگھ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

اس کے چہرے پر امرجیت سنگھ کی اس آخری بات بات نے ہوائیاں اڑادی تھیں۔

''مکھن سنگھ میری بات دھیان سے سننا.....میرے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ میں نے تیاگی سے کہہ دیا ہے کہ ہم نے قیدیوں کو فرار کروایا تھا۔''

اس نے ساری کہانی مکھن سنگھ کو سنادی جو اس نے تیاگی سے بیان کی تھی۔

''یہ تم کیا بک رہے ہو.....یہ جھوٹ ہے۔سراسر زیادتی ہے۔'' مکھن سنگھ بلبلا اٹھا۔

''مجھے علم ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔اس طرح تمہیں صرف 5 لاکھ روپے تیاگی کو اس کے حصے کے ادا کرنے ہیں اور تمہارے ساتھ میری جان بھی چھوٹ جائے گی بعد میں جو میرا حصہ بنتا ہے وہ میں تمہیں دے دوں گا۔''

امرجیت سنگھ نے اطمینان سے کہا۔

''امرجیت سیاں تو آستین کا سانپ نکلے گا یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔تم جو جی چاہے بکتے رہو ثابت نہیں کرسکو گے۔تم جانتے ہو یہ غلط ہے۔''

مکھن سنگھ نے غصے سے کہا۔

''مکھن سنگھ تم معاملات کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہے۔یہ غلط ہے یا صحیح اس سے کسی کو کیا لینا دینا۔میں مرنا نہیں چاہتا اور ہاں جہاں تک ثبوت کی بات ہے وہ مجھ پر چھوڑ دو۔تم نے چندی گڑھ کے سی سیکٹر میں جو کوٹھی اپنی داشتہ رکمنی کے لئے پچھلے ماہ تیس لاکھ روپے میں خریدی ہے اس کا علم مجھے ہے۔میں کہہ دوں گا اس میں یہی بلیک منی استعمال ہوئی ہے۔یہ تو ایک مثال ہے میں تمہارے تین ماہ کے سارے کارنامے بیان کردوں گا.....مکھن سنگھ تمہاری بدھی بھرشٹ (عقل ماری گئی) ہے تم کیوں بحث میں وقت ضائع کررہے ہو۔تم نے حرام کا کروڑوں کمایا ہے اگر اس میں سے پانچ لاکھ دے کر تمہاری اور میری جان چھٹتی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔میں نے آج تک تم سے کسی کام میں اپنا حصہ وصول نہیں کیا۔سمجھ لینا کہ میں نے اپنا صرف چھ ماہ کا حصہ لے لیا.....تم آسانی سے باقی معاملات مٹورام پر ڈال کر اپنی جان چھڑا سکتے ہو۔''

اور ہاں ہمیں باتیں کرتے ہوئے سات منٹ گذر گئے ہیں۔دس منٹ کے بعد سب کچھ ختم ہو جائے گا یاد رکھنا ساری عمر جیل کی سلاخوں کے پیچھے گذار دو گے.....میرا نہیں اپنے بیوی بچوں کا نہیں کم از کم اپنی نئی داشتہ رکمنی بائی کا خیال کرلو۔تم کیا پسند کرو گے کہ تمہارے مال پر وہ کسی اور کے ساتھ رنگ رلیاں منائے۔تم تو ساری زندگی جیل میں گذارو گے۔''

امرجیت سنگھ نے مکھن سنگھ کو چاروں شانے چت کردیا تھا.....

اس کے لئے فرار کی کوئی راہ باقی نہیں بچی تھی۔

اب وہ نا چاہتے ہوئے بھی امرجیت کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

''امرجیت سیاں یاد رکھنا آج تمہاری باری ہے۔کبھی میرا نمبر بھی لگے گا.....اچھا بکواس کرو مجھے کیا بیان دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے سردار مکھن سنگھ لے لینا بدلہ فی الوقت تم سارا ملبہ مٹورام پر ہی ڈال دو.....میں باقی ساری بات تیاگی سے کرلوں گا۔''

امرجیت نے دل ہی دل میں اپنی فتح پر نازاں ہوتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

اور.....

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا جہاں تیاگی بے چینی سے ایک کرسی پر بیٹھا پہلو بدل رہا تھا.....!اس نے امرجیت کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر اپنے دائیں بائیں موجود گارڈ کو چلے جانے کے لئے کہا۔

''ہاں.....کیا بنا؟''

تیاگی نے بے چینی سے پوچھا۔

''تیاگی صاحب میں نے غلط بات کبھی نہیں کی.....مکھن سنگھ انکار کیسے کرتا۔اب آپ میری دوسری بات بھی غور سے سن لیں.....اگر دل چاہے تو مان لیں نہ چاہے تو جو آپ کی مرضی وہ کریں۔''

اس نے تیاگی کے سامنے کرسی پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

تیاگی نے صرف اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا۔

''تیاگی صاحب یہ سارا کیا دھرا اصل میں حوالدار مٹورام کا ہے..... سچی بات یہ ہے کہ مکھن سنگھ سے بھی دھوکہ ہوا اور مٹورام اسے بلیک میل کر رہا ہے..... آپ جیسا بیان بھی صادر کریں گے اس پر مکھن سنگھ اور میرے دستخط لے لیں..... پانچ لاکھ روپے کیش ہماری طرف سے حاضر ہیں..... یہ رقم زیادہ بھی ہو سکتی ہے اگر آپ مٹورام کو قابو کر لیں..... اس سے جو نکلوا لیں آپ کا بونس.....''

امر جیت نے اطمینان سے کہا۔

پانچ لاکھ کا نام سنتے ہی تیاگی کی رال ٹپکنے لگی۔ اسے یاد آیا کہ اس کی گرل فرینڈ نے ڈلہوزی میں ایک بنگلہ پسند کیا ہوا ہے جس کے لئے وہ کسی موٹی مرغی کی تلاش میں تھا..... کارروائی اس نے ڈال دی تھی دو بے گناہ تفتیش کے چکر میں مار ڈالے تھے۔ ایک دو کی ہڈیاں توڑ دی تھیں بس یہ کچھ کافی تھا..... اب وہ اطمینان سے اپنی رپورٹ لکھ کر سارا ملبہ خالصتان کمانڈو فورس پر ڈال سکتا تھا..... خانہ پری کے لئے حوالدار مٹورام موجود تھا..... باقی کسر وہ جوگا سنگھ کے رشتہ داروں سے نکال سکتا تھا۔

روایت کے مطابق اس نے پہلے تو آئیں بائیں شائیں کیا پھر مان گیا..... تھوڑی دیر بعد ہی سی آئی ڈی کے اس تفتیشی مرکز کے سپاہی حوالدار مٹورام کو ڈنڈہ ڈولی کرتے عقوبت خانے کی طرف لے جا رہے تھے اور دونوں سردار صاحبان کو باعزت رہائی مل رہی تھی.....

مکھن سنگھ نے اگلے روز شام تک ساری رقم کیش کی صورت میں تیاگی کے بتائے ہوئے اکاؤنٹ میں جمع کروانے کا وعدہ کر لیا تھا۔

اور.....

اس نے ایسا کر بھی دیا.....

پانچ روز بعد ایس پی تیاگی کی طرف سے مکمل رپورٹ آئی جی جے انیس گل کو پیش کر دی گئی۔ جس میں دونوں کو بے گناہ اور مٹورام کو قصوروار ٹھہرایا گیا تھا.....

اگلے ہی روز اخبارات کی خبروں کے مطابق ایس پی آفس سے ایک بیان جاری ہوا جس میں بتایا گیا کہ جیل حوالدار مٹورام کو پولیس ریمانڈ لینے کے لئے علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں لے جا رہی تھی کہ ملزم نے ایک سپاہی سے رائفل چھین کر حملہ کیا اور فرار ہونے کی کوشش کی۔

لیکن.....

ملزم فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا اور مقابلے میں مارا گیا.....

ایسی کہانیاں آئے روز اخبارات میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

لیکن.....

اس مرتبہ ایک عجب بات ہوئی کہ فرار ہونے اور پولیس کے ساتھ مقابلے میں مارے جانے والا کوئی سکھ نہیں بلکہ ''ہندو'' تھا.....

❁❁❁

باب 7

سکینہ کے سامنے عامر خان کی فائل دھری تھی اور وہ بے چینی سے اس پر جھکا فائل مطالعہ کرتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں ہلا رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ..... میں نے پہلے ہی کہا تھا اسے مار ڈالو..... یا تہاڑ میں رکھو..... لیکر میری بات مانتا ہی کون ہے۔''

اس نے اپنے سامنے بیٹھے ''را'' کے ایریا کمانڈر دوبے سے کہا۔

''دیکھو سکینہ تم نے کہا کیا تھا۔ میں نے کہا کیا تھا اس سے ہمیں کچھ لینا دینا نہیں ہے جتنی جلدی ممکن ہے سے دوبارہ پکڑنا ہوگا..... یاد رکھنا اگر یہ لونڈا اسکھوں کے ہاتھ لگ گیا تو پنجاب میں بڑی تباہی لائے گا۔ تم جانتے ہو وہ بارود کا کتنا ماہر ہے..... اور ہاں..... اس مرتبہ اسے جیل بھیجنے کا تکلف نہیں کرنا..... میں یہ کیس مکمل تمہارے حوالے کر رہا ہوں..... تم جو بھی فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہوگا''.....

دوبے نے جو سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے کمرے کا چکر کاٹ رہا تھا پلٹ کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

''لیکن سر..... آپ جانتے ہیں..... وہ آسانی سے ہاتھ لگنے والا نہیں''..... سکینہ بے چینی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''سکینہ یہ بات تم کہہ رہے ہو..... تم اسے لے کر آئے تھے..... تمہاری بلی اور تمہیں کیسے میاؤں کرے گی۔''

دوبے نے مکاری سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تب کچھ اور بات تھی دوبے صاحب سر! میں نے جب چارج چھوڑا ہے تو بتا دیا تھا کہ یہ لڑکا کسی بھی وقت ڈبل کراس ہو سکتا ہے..... بہت چالاک ہے..... بہت چالاک..... کم بخت نے ہمارے ہی ہتھیار ہم پر آزما لیے۔''

سکینہ نے ماضی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے علم ہے سکینہ لیکن ہمارا بزنس ہی ایسا ہے جس میں بہت کچھ جانتے ہوئے بھی بہت دفعہ بلائنڈ کھیلنا پڑتا ہے..... یہ لونڈا اتنا دور جا چکا تھا کہ اب اسے واپس کھینچنا بھی ہمارے لئے اس سے بڑی تباہی لاتا..... تمہیں یاد ہے اس نے ہمارا پہلا مشن کتنی آسانی سے مکمل کیا تھا''.....

دوبے نے اسے کچھ یاد دلایا۔

''آئی نو سر! آئی نو..... بڑا ذہین ہے کمبخت لیکن مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ پہلے ہی روز سے ڈبل کراس تھا..... شاید مجھے ہی اسے سمجھنے میں غلطی لگی تھی۔''

سکینہ نے بے یقینی کے لہجے میں کہا۔

''نہیں سکینہ غلطی تمہیں نہیں لگی تھی..... یہ سارا کیا دھرا اس ہرام خور پورن سنگھ کا ہے۔ جس نے ہمیں اور عامر دونوں کو دھوکہ دیا..... ارے تمہیں کیا ضرورت تھی اس کی بہن کو پکڑ کر لانے کی اور اس کے ساتھ یہ سلوک.....!''

دوبے نے اپنا فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں سر! کاش میں نے پورن سنگھ پر اعتماد نہ کیا ہوتا..... اس نے ہم سب کو مار ڈالا.....''

سکینہ نے کہا۔

''تم خود سوچو سکینہ..... اگر بھگوان نہ کرے تمہاری بہن کو ریپ کرنے کے بعد گلہ گھونٹ کر مار دیا جائے تو تم کیا کرو گے..... تمہاری اپنے ملک اور اپنے ڈیپارٹمنٹ سے وفاداری تمہیں کہاں تک روکے گی..... کہاں تک.....''

دوبے نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

سکسینہ خاموش رہا.....

اسے یاد آ گیا کہ انہوں نے واقعی عامر خان کو آخری کونے تک دھکیل دیا تھا۔

''اس کا گناہ ہی کیا تھا.....صرف یہ کہ وہ مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔ارے یہ بھی ممکن تھا کہ ان لڑکوں کا ''ہولڈر'' ہی تمہیں ڈاج کر گیا ہو.....سکھ تھا وہ بھی.....ادھر ملا ہوا ہو۔

لیکن.....

دوبے نے پھر نامکمل بات کہہ دی۔

''اس کی تفتیش کی تھی سر! لیکن وہ بھی مارا گیا۔''

سکسینہ نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''اینی وے Anyway اب تم چوکس رہو.....اپنے کارڈ کھیلو.....کمانڈو فورس کو اپنے سارے سورس ایکٹی ویٹ کرو.....اس ایریا میں وہی آپریٹ کر رہے ہیں.....وہ کیا نام۔ اس لڑکے کا جسے تم نے دلباغ سنگھ کے پیچھے لگایا ہوا ہے.....''

دوبے نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

''گورنام سنگھ سر!''.....

سکسینہ نے بتایا۔

''ہاں.....اسے ذرا ہلا شیری دو.....جوگا سنگھ کے گاؤں کے تین چار لڑکے دلباغ کے گروپ میں شامل ہیں.....عین ممکن ہے اس کی مدد سے دونوں فرار ہوئے ہوں۔کسی بھی طرح پتہ لگاؤ وہ آج کل ہیں کہاں۔''

دوبے نے ہدایت جاری کی۔

''سر! آخری اطلاع کے مطابق اسے امرتسر میں دیکھا گیا تھا۔آئی بی والوں نے رپورٹ دی تھی کہ وہ ''سربت خالصہ'' پر دربار صاحب امرتسر آیا تھا.....میرے خیال سے وہیں کر رہا ہے.....''

سکسینہ نے اپنی معلومات کی حد تک بتایا۔

''نہیں سکسینہ میرا من نہیں مانتا.....پچھلے دس روز میں جو بڑی وارداتیں ہوئی ہیں

کسی عام لڑکے کے بس کی بات نہیں.....ضرور دال میں کچھ کالا ہے.....گو کہ دونوں کی ذمہ داری ٹائیگر فورس نے قبول کی ہے لیکن میرا من نہیں مانتا ضرور دلباغ سنگھ یہاں پہنچ گیا ہے۔''

دوبے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''آل رائٹ سر! اگر ایسی بات ہے تو مجھے آج رات تک اطلاع مل جائے گی۔میرے پاس اس کی موجودگی چیک کرنے کے لئے ''کچھ ذرائع'' ہیں۔

سکسینہ نے اطمینان سے کہا۔

''اور ہاں.....کسی بھی کام میں پولیس سے کوآرڈی نیٹ نہیں کرنا.....میں اس سالے تیاگی اس کے باپ اور سارے خاندان کو جانتا ہوں.....''

دوبے نے اسے رخصت ہونے سے پہلے آخری ہدایت کی۔

دوبے دہلی سے بطور خاص یہاں آیا تھا.....

عامر خان کے فرار کی خبر نے ایک مرتبہ تو ''لودھی روڈ دہلی'' کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ہیڈ کوارٹر نے اس کا فرار کا بڑا سیریس نوٹس لیا تھا۔

انہوں نے دوبے کو جو مفرور ملزمان کی تلاش اور گرفتاری کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔سکسینہ کی مدد کے لئے یہاں خاص ہدایت دے کر روانہ کیا تھا۔

اور.....

اس وقت دونوں باری باری عامر خان کی فائل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی گرفتاری سے معلق اپنی حکمت عملی تیار کر رہے تھے۔

❁❁❁

سنگرور شہر کے اس محلے میں سردار سنگھ کی یہ خاندانی حویلی تھی.....!

اس کے بزرگوں نے یہ شہر آباد کیا تھا اور یہاں کے مکین اس خاندان کی بہت عزت کرتے تھے۔

سردار سنگھ تقسیم ہند کے بعد سے مسلسل اکالی دل کے ٹکٹ پر اس حلقے سے الیکشن جیتتا آیا تھا۔

لیکن.....

دربار صاحب امرتسر پر بھارتی فوج کے ایکشن کے بعد سے سردار سنگھ نے پراسرار خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اس نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی اور اب ا سیاست سے صرف اتنا علاقہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے شہر میں گرفتار ہونے والے بے گناہ نوجوا کے لواحقین کے ساتھ پولیس اور سرکار دربار میں جاتا اور ان کی رہائی کے لئے کوشش کرتا رہتا اس میں کامیابی مل جاتی لیکن اکثر ناکامی ہی ہوتی.....

پولیس نوجوانوں کو اغواء کر کے غائب کر دیتی اور پھر انہیں جعلی پولیس مقابلوں میں دیا جاتا۔

اس صورت حال نے سردار سنگھ کو بڑا بددل کر دیا تھا۔

اس نے کبھی خود کو بوڑھا محسوس نہیں کیا تھا۔

لیکن.....

موجودہ حالت نے اس کی کمر توڑ دی تھی.....!

بڑی مشکل سے اس نے دل میں ڈیرے جمانے کے بعد ایس پی تیاگی کا تبادلہ سے کروایا تھا لیکن.....اس سے کیا فرق پڑا۔

وہ ناھہ میں تعینات ہوگیا اور اب اس کا گھناؤنا کھیل وہاں جاری تھا۔

سردار سنگھ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کو مار ڈالے اس کی خواہش تھی کہ کوئی سکھ سو ضرور ہو جو درجنوں بے گناہ سکھ نوجوانوں کی ہلاکت اور لڑکیوں کی آبروریزی کا انتقام تیا لے.....

اس کے مزارعے بابا کاہن سنگھ کی بیٹی نے اس موذی کے عقوبت خانے میں خو کے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔ جسے تیاگی کے بندوں نے کالج سے واپسی پر اغوا کرلیا تھا تاکہ ا اس کے مفرور بھائی کا پتہ دریافت کرسکیں۔

اس صورت حال نے سردار سنگھ کو مریض بنا کر رکھ دیا تھا۔ اسے اس بات کا علم کہ جس آگ میں وہ جل رہا ہے اس کا ایندھن اسی کا سب سے چھوٹا بیٹا اوتار سنگھ بھی بن چکا

پٹیالہ یونیورسٹی میں ایم ایس سی کیمسٹری کا طالب علم اوتار سنگھ خالصتان کمانڈو فو ایریا کمانڈر دلباغ سنگھ کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔

لیکن.....

کسی مصلحت کے تحت اسے سختی سے منظر عام پر آنے سے روکا گیا تھا کیونکہ وہ پس پردہ رہ کر سنگھرش (جہاد) کی زیادہ خدمت کرسکتا تھا۔ اس وقت بھی جوگا سنگھ عامر خان اور دلباغ سنگھ اس کے مہمان تھے لیکن کسی کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ ناھہ جیل سے فرار ہونے والے یہ دونوں خطرناک قیدی یہاں موجود ہیں۔ عامر خان نیند سے بیدار ہوا تو شام ڈھل رہی تھی۔

اس نے سب سے پہلے سجدہ شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر التجا کی کہ وہ اسے اپنے ان گناہوں کے کفارے کی مہلت اور ہمت عطا فرمادے جو اس نے ''را'' کے ایجنٹ کی حیثیت سے ماضی قریب میں کئے تھے۔

❁❁❁

دہلی یونیورسٹی کے اس ہونہار طالب علم عامر خان کا سارا خاندان نسل در نسل دلی سرکار کی غلامی کرتا آرہا تھا۔ پہلے ان کے آقا انگریز تھے اور اب براہمن.....!!

اس کا باپ' دادا پولیس کے ریٹائرڈ افسران تھے ایک بھائی ائرفورس میں ملازم تھا اور وہ خود اپنی خاندانی غلامانہ روایات کے مطابق پولیس میں جانے کے لئے پرتول رہا تھا۔ جب زندگی کے ایک موڑ پر اچانک ہی وہ کشمیری مجاہدین سے ٹکرا گیا۔

عامر خان اپنے ہم مکتبوں کے ساتھ سالانہ چھٹیاں گزارنے مقبوضہ کشمیر کے شہر سرینگر گیا ہوا تھا اور وہ لوگ اس سال سرینگر کے مضافات میں ایک ڈاک بنگلے میں مقیم تھے جب رات کو اچانک کشمیری مجاہدین کے قابو آ گئے۔

مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی اور مجاہدین نے چند روز پہلے ہی کشمیر میں سیاحت کے لئے آنے والوں کو وارننگ جاری کر دی تھی کہ وہ سرینگر نہ آئیں۔

لیکن.....

کسی نے اسے درخور اعتنا ہی نہ جانا یونیورسٹی کے کھلنڈرے طالب علموں نے تو اسے بالکل سیریس نہیں لیا تھا۔

اب جو اچانک مجاہدین کے ایک گروپ نے وہاں چھاپہ مار کر انہیں قابو کیا تو سب کے

ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مجاہدین نے اپنی روایات کے مطابق ان کی ساتھی لڑکیوں کو تو جانے دیا..... لیکن عامر خان اور اس کے چھ ساتھیوں کو راتوں رات پہاڑیوں اور جنگلات کا طویل سفر طے کر کے اپنے خفیہ ٹھکانے پر لے آئے جہاں باری باری حرکت الانصار کے ایریا کمانڈر شاہین نے ان سے ملاقات کی۔

جب عامر نے اسے اپنا نام بتایا تو کمانڈر شاہین مسکرایا.....

''مسلمان ہو کر لڑکیوں کے ساتھ اس طرح کچھ رے اڑاتے تمہیں شرم نہیں آتی؟''

اس نے عامر خان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

عین اس مرحلے پر عامر خان کے اندر موجود ایکٹر جاگ اٹھا وہ مسلسل تین سال سے اپنے کالج کے بہترین اداکار کا پرائز جیت رہا تھا۔

''آتی ہے..... اور یہ شرم ہی مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔''

اس نے جواب دیا تو ایک لمحے کے لئے کمانڈر شاہین بھی چونک پڑا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟''

اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

اس کے ساتھ ہی عامر خان نے اسے جذبات سے بھری ہوئی آواز میں اپنا مطلب سمجھانے کے لئے ایک کہانی سنا دی۔ جس کے مطابق اس نے یہ سفر ہی کشمیری مجاہدین تک پہنچنے کے لئے کیا تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ اپنے مسلمان مجاہد بھائیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے کتنا بے قرار تھا اور کسی بھی طرح ان کی صفوں میں شامل ہونا چاہتا تھا لیکن بے بس تھا اس کا ایمان تھا کہ سری نگر پہنچ کر وہ کسی نہ کسی طرح ان سے رابطہ ضرور قائم کر لے گا۔

اور.....

آج اس کی مراد بر آئی تھی.....

سادہ دل مجاہد کمانڈر شاہین نے اس کی بات پر یقین کر لیا..... اس نے کمانڈر شاہین سے کہا کہ ان لڑکوں کو رہا کر دے۔ اس سے ان پر مثبت اثر ہو گا اور وہ دہلی میں ان کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈہ کو غلط ثابت کر سکیں گے۔

جہاں تک اس کی ذات کا تعلق تھا وہ اب یہاں سے مر کر ہی واپس جائے گا۔ اس کی شاندار اداکاری اور جذبات نے کمانڈر شاہین کو یقین دلا دیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہی سچ ہے۔

کمانڈر شاہین اور اس کے ساتھیوں نے طے کیا کہ وہ عامر اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیں گے اور عامر سے بعد میں خود رابطہ قائم کریں گے عین ممکن ہے کہ وہ دہلی ہی میں ان کے لئے زیادہ موثر کام کرے..... فی الوقت اس کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں اس طرح اس کے خاندان کے لئے بے پناہ مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔

عامر کسی طرح راضی نہ ہو رہا تھا۔

بڑی مشکل سے اسے منایا گیا اور مجاہدین نے منصوبے کے مطابق انہیں اگلے روز رہا کر دیا۔ عامر کی شاندار اداکاری پر اس کے ساتھیوں نے جی بھر کے اسے خراج تحسین پیش کیا اس نے بڑے فخر سے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ کس طرح اس نے مجاہدین کو بے وقوف بنا کر ان سے جان چھڑائی ہے۔

یہ اس کی مجاہدین کے ساتھ پہلی ملاقات تھی اور عامر خان کی خواہش تھی کہ یہ آخری ملاقات ہی ثابت ہو۔

لیکن.....

گھر پہنچنے پر جب اس کے ساتھیوں نے یہ کارنامہ اپنے گھر والوں کو سنایا تو اگلے ہی روز ''را'' کا آفیسر سکسینہ اس سے ملاقات کے لئے آ گیا۔

❁❁❁

اس نے عامر سے تعارف کروانے کے فوراً بعد اسے داد دی۔

''تھینک یو سر..... تھینک یو.....؟''

عامر نے اداکاری کی طرح جھک کر اسے کورنش بجالاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کر کے سکسینہ اس کے جذبات اور خیالات پرکھتا رہا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ لڑکا کام کا ہے۔ دلی کے روایتی ''سیکولر خاندان'' کی طرح جو صرف برائے نام مسلمان تھے اور جن کی سرشت میں غلامی سمائی تھی عامر بھی خاصا دھریہ دکھائی دے رہا

سکینہ نے اندازہ کرلیا کہ معمولی سی ہلاشیری پر وہ ان کے لئے بہت کچھ کرسکتا ہے۔
اس کا کسرتی بدن اور اداکارانہ صلاحیتیں اسے بہترین ایجنٹ بنا سکتی ہیں۔

''عامر میاں اگر یہ کھیل جاری رہے تو کیا ہے؟''

سکینہ نے اچانک ہی چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا تھا۔

''اور مائی پلیئر سر!''

عامر خان نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جھکتے ہوئے کہا۔

''ویل.....تم تیار ہوناں''.....

''وائی ناٹ Why not سر۔''

عامر خان نے اس کی آس کو یقین میں بدلتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے کل مس جین تم سے ملیں گی۔''.....

سکینہ نے زمین زرخیز دیکھ کر بڑا اچھا بیج ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''ارے کل کیوں میں کسی بھی مس سے آج ہی کیوں نہ ملوں۔''.....

عامر نے بے حیائی دانت نکالے۔

''ارے یار صبر نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے زمانے میں.....ایک مرتبہ اسے دیکھو گے تو سالی ہالی وڈ کی ایکٹرسوں کو بھول جاؤ گے۔''.....

سکینہ نے اس کی نفسانی خواہش کو مزید بھڑکایا۔

''پھر تو میں قیامت تک انتظار کرسکتا ہوں سر۔''

اس نے اپنی دائیں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''نہیں بے فکر رہو قیامت سے پہلے ہی سب کچھ ہو جائے گا.....کل تم اسی وقت اسی جگہ چلے آنا۔''

سکینہ نے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی مزید باتیں کرنے کے بعد سکینہ چلا گیا۔

ان کی ملاقات صفدر جنگ روڈ پر ایک خوبصورت بنگلے میں ہوئی تھی۔ بظاہر تو یہ سرکاری محکمے کا ریسٹ ہاؤس تھا لیکن اصل میں یہ بنگلہ ''را'' کا سیف ہاؤس تھا جہاں عامر خان

کرائے کے ٹٹو لائے اور لے جائے جاتے تھے۔

❁❁❁

اگلے روز وہ وقت مقررہ پر سیف ہاؤس میں پہنچ گیا جہاں بنگال کی ساحرہ مس جین اور سکینہ اس کے منتظر تھے۔

مس جین ''را'' کی انسٹرکٹر تھی اور بلا کی ذہین.....اس کے سدھائے ہوئے کئی زرخرید ایجنٹ بڑی کامیابی سے بھارت ماتا کے دشمنوں کی صفوں میں سرگرم عمل تھے.....''را'' کے اعلیٰ حلقوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ مس جین کی تربیت میں آنے والا کوئی ایجنٹ اس کے لئے جان دینے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے اس کی وجہ مس جین کا بے پناہ نسوانی اور جنسی حسن تھا۔

وہ ''را'' کے حلقوں میں جنسی بلی کے نام سے مشہور تھی۔

''را'' کے چنگل میں پھنسنے والے کسی بھی ایجنٹ کے ذہن میں اگر معمولی سا بھی کوئی شک یا بغاوت جڑ پکڑتی تو مس جین کی جنسی تھراپی سے اس کی مکمل برین واشنگ ہو جاتی تھی۔

عامر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس بات کا یقین کرلیا تھا کہ سکینہ کے بتائے سے بھی وہ آگے کی چیز تھی۔

اس نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت سمارٹ اور جنسی کشش کی حامل لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ واقعی ایسی تھی جسے ایک مرتبہ ملنے کے بعد دنیا کا بڑے سے بڑا پارسا بھی اسے بار بار ملنے کی خواہش رکھتا جب کہ عامر تو تھا ہی پرلے درجے کا پاپی.....

وہ تو کالج لائف ہی سے گناہ آلود زندگی بسر کر رہا تھا.....!!

یہ الگ بات کہ اسے اپنی کزن فریدہ سے بہت محبت تھی جس نے آج تک عامر کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیا تھا اور عامر نے بھی کبھی اس سے متعلق اس طرح کے جذبات محسوس نہیں کئے تھے۔ جیسے وہ عموماً کلبوں میں اپنے اپنے ناچنے والی لڑکیوں سے متعلق کیا کرتا تھا۔

لیکن.....

اس نے کبھی فریدہ سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

فریدہ نے اسے متعدد مرتبہ آوارہ مزاج لڑکیوں کے ساتھ گھومنے اور ڈسکو میں جانے سے روکا تھا اور..... ہر مرتبہ عامر نے اس سے وعدہ کرنے کے باوجود اپنی یہ عادت ترک نہیں کی

تھی۔

جین نے پہلی دو تین ملاقاتوں ہی میں اس کی اچھی بھلی برین واشنگ کر دی تھی۔ ا
نے عامر خان کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ کشمیری مجاہدین دراصل کشمیر کی آزادی نہیں بل
بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں اور یہ کچھ بھی وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ غیر ملکی طاقت
اشارے اور آشیر باد سے کر رہے ہیں۔

اس نے عامر خان کی ایڈونچرس طبیعت کا شاندار فائدہ اٹھا کر اسے کشمیری مجاہدین
صفوں میں داخل ہو کر ''را'' کے لئے کام کرنے پر تیار کر لیا تھا۔

عامر خان کی ٹریننگ کے لئے وہ اسے اپنے ساتھ بھارت کے دور دراز تفریحی مقام
لے گئی تھی جہاں اس نے اپنے ناز و انداز اور جنسی شکنجے میں عامر کو اس بری طرح جکڑ لیا تھا کہ ا
وہ اس کے قریب کے لئے باؤلا ہوا جاتا تھا.....

عامر خان جب مکمل ایجنٹ بن کر گھر واپس لوٹا تو ''شاہین'' نامی کسی دوست کے دو
ٹیلی فونوں کا پیغام اس کا منتظر تھا۔

وہ زیر لب مسکرا دیا۔

بلی جال میں پھنسنے کے لئے آ گئی تھی۔

شاہین نے ایک فون نمبر چھوڑا تھا کہ جب عامر واپس لوٹے تو اس پر رابطہ کر لے
نے فوراً سکسینہ کو اس فون نمبر اور شاہین کی آمد سے متعلق مطلع کر کے مس جین کے ساتھ گذا
راتوں کا حق نمک ادا کرنا شروع کر دیا۔

''تم بنگلے پر چلے آؤ وہاں بات کرتے ہیں۔''

سکسینہ نے فون رکھ دیا۔

❁❁❁

بنگلے سے مراد سیف ہاؤس تھا۔

عامر خان پہنچا تو مس جین جنسی ہتھیاروں سے مسلح اپنے باس سکسینہ کے ساتھ ا
منتظر تھی۔

''شاباش عامر یہ تمہارا امتحان ہے اور اس میں تمہارے جتنے زیادہ مارکس ہوں

مجھے اتنی زیادہ خوشی ہوگی۔''

''آپ یہ بتائیں کیا کرنا ہوگا۔''

عامر نے جس کی رگوں میں جین کی قربت نے انگارے دوڑا دیئے تھے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

''پہلے اس سے فون پر بات کر کے اپنی غیر حاضری کی معذرت اور ان کی خاطر جان وغیرہ قربان کرنے کے وعدے کرو اور اسے ملاقات کے لئے کہو..... ملاقات کے لئے جگہ کا تعین اسے خود کرنے دینا''.....

سکسینہ نے ایک فوج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عامر خان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کی طرف سے فون نمبر ملتے ہی ''را'' ایکٹو ہو گئی تھی۔ انہوں نے نہ صرف اس جگہ کا پتہ چلا لیا تھا جہاں کا یہ فون نمبر تھا بلکہ یہاں شاہین کی موجودگی کی تصدیق بھی ہو گئی تھی.....

اب وہ ''را'' کے گھیرے میں تھا اور اس کی نقل و حرکت پر ان لوگوں نے بڑی گہرائی سے نظر رکھی ہوئی تھی۔

انہیں دہلی میں مجاہدین کے زیادہ سے زیادہ ''سیف ہاؤس'' معلوم کرنے تھے۔ جن پر نظر رکھ کر وہ مستقبل میں تمام خطرات سے آزاد ہو سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد متعلقہ فون نمبر پر شاہین کے ساتھ اس کا رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ اس نے ''را'' کی ہدایت کے مطابق پہلے اپنی غیر حاضری پر معذرت اور شرمندگی کا اظہار کیا کیونکہ شاہین گذشتہ دو روز سے اس کا منتظر تھا۔

''اگر آپ نے مجھے اپنی آمد کی تاریخ سے مطلع کر دیا ہوتا تو میں موجود رہتا۔''

اس نے آخر میں کہا۔

''کوئی بات نہیں بھائی پھر کیا ہوا..... آپ جانتے ہیں ہمارے لئے کسی کو اپنی آمد سے پہلے مطلع کرنا ممکن نہیں۔''

شاہین نے اس کی اپنی دانست میں دلجوئی کی تھی کیونکہ اس نے محسوس کیا تھا کہ عامر خان اس معمولی زحمت ہونے پر شرمندگی کا اظہار کر رہا ہے۔

''ٹھیک ہے شاہین بھائی لیکن میں.....''

اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''خیر چھوڑیہ بتاؤ کہ اب ملاقات کب اور کہاں ہو رہی ہے۔''

شاہین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''جب اور جہاں آپ فرمائیں۔ میں 24 گھنٹے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔''

عامر خان نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے آج شام چھ بجے غریب نواز ہوٹل میں ملتے ہیں۔ تم جانتے ہی ہو گے اس ہوٹل کے متعلق۔''.....

شاہین نے کہا۔

''ہاں شاہین بھائی دلی کا کون سا مسلمان ہے جو نہیں جانتا۔ انشاءاللہ چھ بجے سے پہلے وہاں موجود ہوں گا۔''.....

عامر نے کہا۔

اور.....

شاہین نے دعائیہ کلمات کے ساتھ فون بند کر دیا۔

ان کی ساری گفتگو کی مکمل ریکارڈنگ ہو چکی تھی۔

مس جین نے داد بھری نظروں سے سکسینہ کی طرف دیکھا جس نے ایک آنکھ دبا ہوئے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو گولائی کے انداز میں ملا کر مخصوص اشارہ کر اسے داد دی۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کا تیار کردہ بکرا بہترین کارکردگی دکھا رہا ہے۔

❁❁❁

ہوٹل غریب نواز پرانی دہلی میں قیام پاکستان سے پہلے قائم ہوا تھا اور اس کی وہی آج تک بحال تھی..... جامع مسجد دہلی آنے والے ملکی غیر ملکی مسلمان عموماً اس ہوٹل سے کھاتے تھے دہلی کے مکین ان سے سوا تھے۔ سارا دن اس ہوٹل میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔

یوں تو سارا سال ہی اس ہوٹل پر بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظریں

نہیں۔

لیکن.....

آج بطور خاص اہتمام ہوا۔

''را'' نے راز داری کا انتہائی اہتمام کرنے کے لئے عامر خان کو بھی یہ نہیں بتایا کہ اس کی نگرانی کی جائے گی۔

عامر خان کو لاعلم رکھ کر وہ لوگ اس روز سے اس کی نگرانی کر رہے تھے جس دن سے وہ مقبوضہ کشمیر سے واپس لوٹا تھا۔

مس جین کی تربیت مکمل ہونے کے بعد اس کی تربیت کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے عامر خان کے نزدیکی حلقوں میں اس کی گفتگو تک سننے اور ریکارڈ کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا اور اسے تب میدان میں اتارا گیا تھا جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب شکار ان کے جال میں بری طرح پھنس چکا ہے اور اس کے واپس نکل جانے کے چانسز نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کشمیری مجاہدین کو خصوصی بصیرت عطا فرمائی تھی.....!!

گو کہ وہ بھارتی حکومت جیسے وسائل نہیں رکھتے تھے۔

ان کا اسلحہ اور محدود نفری دشمن کے مقابلے میں ہاتھی اور چیونٹی کے مصداق بھی نہیں تھی۔

لیکن.....

قوت ایمانی کے بل پر انہوں نے بھارت کی سیکورٹی ایجنسیوں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔

شاہین نے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا کہ عامر خان کی نگرانی ہو رہی ہو گی۔ حالانکہ اس کے ذہن میں یہ بات بھی رہی تھی کہ خصوصی غلامانہ پس نظر رکھنے والے اس نام نہاد مسلم گھرانے کے نوجوان پر بھارتی زیادہ شک نہیں کریں گے.....

مجاہدین کی مجلس شوریٰ نے اسے یہ خطرہ مول لینے سے روکنا چاہا تھا۔

لیکن..... بادل نخواستہ اسے اجازت بھی دے دی کیونکہ مجاہدین کو اب اپنی جنگ بھارت کے کونے کونے تک پھیلانی تھی۔

یہی ایک صورت تھی جس سے وہ بھارتی سامراج کو مذکرات کی میز تک لانے پر مجبور کر سکتے تھے۔

بصورت دیگر تو ابھی پچاس سال مزید یہ جنگ رہتی تو بھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ
بھارتی حکمرانوں کے پاس مروانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں بھارتی ناگرگ موجود تھے۔

ایک بھارتی سپاہی کے مرنے پر اس کی جگہ بھارتی دس سپاہی لے آتے تھے کیونکہ اس
ملک میں ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار پر مرنے والوں کی تعداد کروڑوں میں تھی..... جب کہ مجاہدین کی
نفری محدود تھی.....

انہیں اپنے ایک ساتھی کی شہادت خصوصاً ایسے ساتھی کی شہادت جس کو تربیت کے
کڑے مراحل سے گذار کر وہ میدان میں اتارتے تھے ان کے لئے بڑے مسائل پیدا کر دیا کرتی
تھی۔

بین الاقوامی امن کے نام پر غنڈہ گردی پھیلانے والی سپر طاقتوں کی موجودگی میں ان
کے بھائی بندوں کے لئے ان کی ایک حد سے زیادہ مدد بھی ممکن نہیں رہی تھی.....

یہ وہ زمینی حقائق سے جن سے صرف نظر ان کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔

وہ دہشت گرد نہیں تھے.....

تباہی پھیلانا تو ان کا مشن نہیں تھا۔

وہ تو امن کے سفیر تھے.....

ان کا تعلق اس وادی جنت نظیر سے تھا جو صدیوں سے امن و آشتی کا گہوارہ رہی جس کی
فضائیں، ہوائیں صدیوں سے محبتوں کے گیت الاپتی آ رہی تھیں.....!!

ان کی شاعری ان کا ادب دنیا بھر کے ادب میں ایک ممتاز مقام کا حامل رہا تھا۔

وہ تو پرسکون زندگی کے متلاشی تھے۔

وہ کوئی ناجائز مطالبہ نہیں کر رہے تھے۔

آزادی مانگ رہے تھے۔

وہ حق جو بطور انسان انہیں قدرت کی طرف سے ملا تھا۔

ہندوستان کی غیر ملکی استعمار سے آزادی کی جنگ میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے۔
انہوں نے بھی اس جنگ آزادی میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر انہیں اس حق سے محروم کر دیا گیا۔

انہیں حکم ملا کہ غلاموں کی طرح چپ چاپ جیتے رہو۔ لیکن کھانے پینے کی تمام اشیاء
مقابلتاً سستی فراہم کی جائیں گی.....

تمہارے بچوں کو نوکریوں میں خصوصی کوٹہ ملے گا۔

لیکن.....

تم غلام رہو گے.....

انہیں سونے کے پنجرے میں بند رہ کر گھی کے نوالے کھانے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

اور.....

ایسی زندگی کوئی طوطا تو جی سکتا ہے.....

کوئی انسان نہیں جی سکتا۔

انہوں نے طویل انتظار کے بعد ساری دنیا سے دنیا بھر کے ممالک کی عالمی تنظیم سے جو
امن کی نام نہاد ٹھیکیدار بنی ہوئی تھی متعدد مرتبہ اپیلیں کیں.....

انسانی ضمیر سے بار بار التجا کی کہ انہیں جانوروں کی طرح زندگی جینے پر مجبور کرنے
والے انسان نما درندوں سے نجات دلا کر اپنی مرضی کی زندگی جینے کا انسان کا ازلی حق آزادی دیا
جائے۔

لیکن.....

یہاں کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تھی۔

یہاں کس کے پاس وقت تھا کہ ان جیسے کمزور ناتواں اور سیدھے سادے انسانوں کی
آواز پر کان دھرتا.....

جب بار بار دستک دینے پر بھی انسانی ضمیر نے انگڑائی نہ لی۔

جب بار بار فریاد کناں ہونے پر بھی ہیومن رائٹس کے علمبرداروں نے ان کی آواز پر
کان نہ دھرے تو مجبوراً انہوں نے بندوق اٹھالی۔

انہیں سمجھ آ گئی تھی کہ بہترین دلیل توپ کے منہ سے برآمد ہوتی ہے.....اس
اندھے، گونگے اور بہرے سماج کو شاید صرف گولی کی آواز سنائی دیتی تھی۔

وہ دہشت گرد نہیں تھے.....

وہ تو اپنی آواز عالمی ایوانوں تک پہنچانے کے لئے عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے بندوق اٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔

ان کی خواہش تھی کہ جلد از جلد وہ اپنی بے پناہ، بے مثال قربانیوں سے بھارتی حکومت اور عالمی امن کے نام نہاد ٹھیکیداروں کو مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لئے مجبور کر دیں تا کہ وہ ان کا حق استصواب رائے انہیں لوٹا دیں۔

دشمن نے جس طرح مقبوضہ کشمیر میں ان پر قہر توڑا تھا۔

انسانی مظالم کی تاریخ میں ایسی مثالیں نہیں ملتی تھیں۔

بہمیت کی جتنی مثالیں قدیم ترین انسانی معاشروں میں پڑھنے کو ملتی تھیں وہ بھارتی سامراج کے ان مظالم کے سامنے ہیچ دکھائی دیتی تھیں۔

اب وہ مجبور ہو رہے تھے کہ اپنی جنگ دشمن کے طے کردہ میدان میں نہیں بلکہ اس کے گھر میں جا کر لڑیں۔

اور.....

عامر خان سے ملاقات اسی حکمت عملی کی کڑی تھی۔

❁❁❁

غریب نواز ہوٹل کے دروازے کے باہر عامر ایک چھوٹی سی دکان کے سامنے ایس منتظر تھا۔ عامر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کی یہاں آمد سے پہلے ہی ''را'' نے اس ہوٹل کو اس طرح اپنی نظروں کے حصار میں جکڑ رکھا تھا کہ یہاں ہونے والی کوئی معمولی سی سرگرمی بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

یہ پرانی دہلی کا علاقہ تھا۔

جامع مسجد نزدیک ہونے کے سبب دنیا بھر سے مسلمان ادھر آتے جاتے رہتے تھے۔ یورپی ممالک سے آنے والے مسلمان عموماً اپنے ہاتھوں میں کیمرے پکڑے گھومتے دکھائی دیتے تھے۔

عامر کو احساس ہی نہ ہو سکا کہ اس روپ میں ''را'' کے ایجنٹ بھی ان کے گرد منڈلا

تھے اس کی یہاں آمد کے فوراً بعد ہی سے فلم بننی شروع ہو گئی تھی۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔

شاہین نے یہی وقت ملاقات کے لئے طے کیا تھا۔

لیکن.....

دور دور تک اس کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک ہی وہ گھبرا کر پلٹا کسی نے اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

عامر جیسے ہی اس طرف پلٹا اس کے سامنے شاہین کھڑا تھا۔

اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے شاہین کو گلے لگا لیا وہ حیران رہ گیا کہ شاہین اِدھر سے تھا۔ اپنی دانست میں وہ بڑا چوکنا ہو کر کھڑا تھا اور اس طرف آنے والے ممکنہ راستوں پر اس نے نظر رکھی ہوئی تھی۔

لیکن.....

اسے بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ شاہین پہلے ہی سے یہاں موجود تھا اور اس نے پورے منٹ مسلسل عامر کو واچ کیا تھا محض یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی اور تو اس کی نگرانی نہیں کر رہا۔

اس بات کی خبر شاہین کو تو نہیں تھی البتہ ''را'' نے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عامر کی گھر سے روانگی سے یہاں آمد تک کسی نے اس کے نزدیک بھی پھٹکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اپنی دانست میں تو شاہین چاروں اطراف سے مطمئن ہونے کے بعد ہی اس سے ملا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ دونوں کی ملاقات کا ایک ایک لمحہ سیٹلائٹ کی فلم پر منتقل ہو رہا ہے۔ سوائے دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے..... جس کی تفصیلات کا علم بعد میں ''را'' کو عامر کے ذریعے ہو جاتا۔

شاہین نے اسے تحریک آزادی کے مقاصد اور اپنے مسائل سے آگاہ کیا تھا اور اشارے کنایے میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

عامر نے جذباتی انداز اور گرم جوشی سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اس نے تھوڑی دیر کے لئے تو شاہین بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ واقعی وہ سچ بول رہا ہے یا اداکاری کر رہا ہے۔

دونوں کے درمیان ایک پروگرام طے پا گیا تھا جس کے مطابق اب عامر کو سرینگر میں ان سے ملاقات اور کچھ تربیت حاصل کرنی تھی۔ اس نے شاہین کو بتا دیا تھا کہ کیمسٹری کا طالب علم ہونے کے ناطے وہ دھماکہ خیز مواد تیار کرنے کی خصوصی اہلیت بھی رکھتا ہے اور معمولی تربیت کے بعد اس کی صلاحیتیں مزید نکھر جائیں گی جس سے وہ مجاہدین کے لئے زیادہ فعال ثابت ہوگا۔

عامر نے اسے بہت زور دے کر اپنے گھر اگلے روز کھانے کے لئے مجبور کیا تھا اور شاہین نے اس کے اصرار پر بادل نخواستہ یہ دعوت قبول کی تھی۔

ہوٹل ہی سے عامر اور شاہین الگ ہو گئے تھے اور دونوں کو ''را'' الگ الگ واچ کر رہی تھی۔

''را'' نے اپنے اصول کے مطابق شاہین ہی کی طرح عامر کو بھی اپنے دیش کے لئے خطرے کی علامت جان کر اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس کا شمار تو اس روز سے ''را'' کی مشکوک لسٹ میں ہونے لگا تھا جب وہ سرینگر میں مجاہدین کی قید سے اپنے ساتھیوں کو رہا کروا کر لایا تھا۔

انہیں تو روز اول ہی سے یہ چال دکھائی دے رہی تھی۔

اگر یہ واقعہ دہلی کے کسی عام مسلم گھرانے کے نوجوان کے ساتھ گزرا ہوتا تو اب تک ''را'' کے کسی عقوبت خانے میں ایڑیاں رگڑ رہا ہوتا۔ یہ تو عامر کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا تعلق ایسے سیکولر گھرانے سے تھا جس کے متعلق حکومت کی نپی تلی رائے تھی کہ یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں۔

❁❁❁

گھر پہنچ کر اس نے فوراً ہی جین سے رابطہ کیا تھا.....!!

''ہوں کیسی رہی ملاقات۔''

جین نے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

''ایک دم شاندار۔''

عامر نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس خدمت کا معاوضہ اسے کسی بھی لمحے مس جین کے ساتھ رات بھر کی صحبت کی صورت ملنے والا ہے۔

''ویل ڈن..... بہت اچھے جا رہے ہو۔''

جین نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''ارے میڈم کچھ انعام ملنا چاہئے ناں..... آج کتنے روز گزر گئے معلوم ہے۔''

دوسری طرف سے عامر پر جنسیت نے مکمل قبضہ جما رکھا تھا۔

''کچھ صبر کر لیا کرو..... وہاں میرے بغیر کیسے رہو گے ڈارلنگ۔''

جین نے دوسری طرف فون کو آنکھ مار کر کہا۔

''تب دیکھا جائے گا..... ابھی تو.....''

عامر نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''او۔ کے ابھی تمہیں خود کال کرتی ہوں کہیں جانا نہیں۔''

جین نے فون بند کر دیا۔

اسے بھی سکسینہ کی طرف سے کلیرنس کا انتظار تھا..... جب تک ''را'' کو یقین نہ ہو جاتا کہ عامر کا تعاقب نہیں کیا گیا یا اس کی کسی بھی حرکت سے اس کا تعلق ثابت ہونے کا شک نہیں ہے تب تک وہ اس سے فوراً ملاقات کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

سکسینہ تھوڑی دیر بعد ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔

''سر! آپ نے تو مجھے مصیبت میں ڈال دیا..... وہ تو ہر روز مجھے اپنے پہلو میں دیکھنا چاہتا ہے۔''

مس جین نے سکسینہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس میں اس بے چارے کا کیا قصور..... تم ہو ہی سالی ایسی چیز۔''

سکسینہ نے اس کی طرف دیکھ کر بے ہودہ سا اشارہ کیا۔

''اب کیا حکم ہے وہ مل کر رپورٹ دینا چاہتا ہے۔''

جین نے داد وصول کرتے ہوئے کہا۔

''فوراً ملو..... مگر مس جین یہ لڑکا اندھے کے ہاتھ بٹیرہ لگنے والی بات ہے۔ اسے اپنے جسم کا اتنا عادی بنا لو کہ ساری زندگی تمہارے تلوے چاٹتا رہے..... اسے کتے کی طرح اپنا تابعدار کر لو..... مجھے اس سے بہت کام لینے ہیں..... ایجنسی کو بہت عرصے بعد ایسا گدھا ہاتھ لگا ہے..... جین یہ لڑکا ہمارے لئے بہت کام کرے گا..... میں اسے مجاہدین کی صفوں میں داخل کر کے

سرحد پار بھیجنا چاہتا ہوں.....ان کے بیس کیمپ میں.....میں اس کی مدد سے ان کا بیس کیمپ ہی تبا کروادوں گا.....نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔''

اس نے رک کر سگریٹ سلگایا اور دوبارہ جین کی طرف متوجہ ہوا۔جین کو اس کا چہرہ اس لمحے ایسے بچے کی طرح دکھائی دے رہا تھا جو ساری زندگی چاند کو پانے کی خواہش کرتا آیا ہو اور جسے یقین ہو کہ وہ چاند اب اسے مل جائے گا۔

''میں تمہاری لئے سپیشل فنڈز اوپن کر رہا ہوں پروانہ کرنا.....آج اسے کسی فائیو سٹار میں ٹریٹ (Treat) دو.....اس کا دماغ خراب کر دو.....جین اس مچھلی کو جال سے کبھی نہ نکلنے دینا۔''

اس نے مس جین کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ایسا ہی ہوگا سر!ایسا ہی ہوگا.....اب وہ بچ کر جا ہی نہیں سکتا۔میں اسے جنسیت کی ایسی چاٹ لگادوں گی کہ اس کے بچ نکلنے کے امکانات ہی ختم ہو جائیں گے۔''

مس جین نے بڑے تکبر سے اپنے جسمانی خطوط کو سکسینہ کے سامنے نمایاں کر۔ ہوئے کہا۔

''او۔کے مائی ڈیر گو آئیڈ۔''

سکسینہ نے اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

❁❁❁

عامر بے چینی سے فون کے گرد ٹہل رہا تھا جب اچانک فون کی گھنٹی بجی اور اس۔ بیقراری سے فون اٹھالیا۔

''یس۔''

اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''آج رات کو تو فارغ ہوناں۔''

دوسری طرف جین نے اس کی آواز پہچانتے ہی کہا اور اس کے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

''ہاں.....ہاں۔یس مائی ڈیئر.....''

عامر نے بیقراری سے کہا۔

''ٹھیک ہے ابھی ادھر آفس میں آ جاؤ.....سکسینہ صاحب موجود ہیں پھر یہیں سے ۔ کہیں اور چلتے ہیں۔''

جین نے اس کے سارے بدن کو محض ایک فقرے سے جھنجھلا کر رکھ دیا تھا۔

''آتا ہوں۔''

کہہ کر عامر نے فون رکھ دیا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلنا چاہا۔

لیکن.....

اچانک ہی جیسے زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لئے سامنے سے فریدہ آ رہی تھی۔نجانے یوں وہ فریدہ کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا تھا۔اسے آج تک سمجھ نہیں آئی تھی فریدہ شاید دنیا کی حد لڑکی تھی جس سے اس نے باقاعدہ محبت کی تھی اور جس کے جسم پر اس نے کبھی دھیان نہیں دیا ا۔

لیکن.....

دہلی کے بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیوں میں ''فیورٹ'' سمجھے جانے والے عامر کو ریدہ نے اس انداز سے لفٹ نہیں کروائی تھی جیسے وہ چاہتا تھا۔

کبھی کبھی اس کے شدید اصرار پر فریدہ اس کے ساتھ کسی کافی ہاؤس تک ضرور چلی جاتی فی لیکن اس سے آگے کچھ نہیں اس نے کبھی عامر کو اتنا موقعہ ہی نہیں دیا تھا کہ وہ اس سے خلاف خلاق ہی کوئی بات کر سکتا۔

''ہیلو فریدہ تم.....اچانک یہاں۔''

اس نے فریدہ کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

''کیوں کیا میں اچانک یہاں نہیں آ سکتی۔آخر یہ میری موسی کا گھر ہے۔میرے لئے کوئی آؤٹ آف باؤنڈ ایریا تو نہیں۔''

فریدہ نے حسب سابق بڑی لاپروائی سے اپنے ماتھے پر گری لٹ کو ہاتھ کی پشت سے لٹاتے ہوئے کہا۔

''مم میرا مطلب یہ نہیں تھا.....ٹھیک ہے آؤ بیٹھو۔''

اس نے بادل نخواستہ فریدہ کو اندر کمرے میں آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہیں بیٹھ جاتے ہیں تمہیں کوئی کام تو نہیں۔''

فریدہ نے وہیں برآمدے میں دھری ایک آرام دہ کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

''نہ نہیں تو مجھے بھلا کیا کام ہوگا۔''

عامر نے بے چینی سے اس کے سامنے بیٹھ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے گھبرائے ہوئے لگتے ہو..... میرے اچانک آنے سے ڈر گئے کیا؟''

فریدہ نے اس کی طرف شرارتی نظروں سے دیکھا۔

''ارے نہیں بابا..... میں تو..... دراصل ایک دوست کے والد ہسپتال میں داخل ہیں اس کا فون ابھی آیا ہے..... بے چارہ بہت پریشان تھا۔ اس لئے مجھے جانا پڑے گا..... شاید رات کو بھی دیر ہو جائے۔''

اس نے فوراً ہی بہانہ گھڑ لیا۔

فریدہ اس کی مکمل خبر رکھتی تھی۔

''کون وہ ارملا..... ارے لعنت بھیجو بھئی کس کا نام لے لیا..... وہ تو ماضی کا قصہ تھا میں نے وہ سب کچھ کب کا چھوڑ دیا۔''

اس نے فریدہ کے سامنے بظاہر اپنے ماضی پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''عامر..... میں تمہاری کزن ہی نہیں بچپن کی دوست بھی ہوں..... کم از کم مجھ سے جھوٹ نہ بولا کرو..... چور چوری سے جائے لیکن ہیرا پھیری سے نہیں جا سکتا۔''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فریدہ یقین کرو.....''

''اینی وے (Any Way) خدا حافظ۔''

فریدہ نے اس کی بات کاٹ کر کمرے کی طرف قدم بڑھائے جہاں اسے عامر کی بہ اپنی کزن اور گہری دوست آصفہ کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

''خدا حافظ۔ میرے دوست کے والد کے لئے دعا کرنا۔''

عامر نے بظاہر مزاح کے انداز میں کہا۔

اور.....

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے مخصوص دفتر کے سامنے موجود تھا جہاں سکینہ آج کی رپورٹ س سے سننے کے لئے بے قرار تھا۔

اس نے بڑی گرم جوشی سے عامر کا استقبال ہاتھ ملاتے ہوئے کیا تھا جب کہ مس جین نے اس سے بھی زیادہ گرم جوشی دکھائی اور مصافحے کے بعد سکینہ کے سامنے ہی اس سے معانقہ کر یا تھا۔

''کیسی رہی مجاہد کشمیر سے ملاقات۔''

سکینہ نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔

''ارے سکینہ صاحب ملاقات کی آپ نے بھلی پوچھی..... خدا جانے آپ ان لوگوں کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ ارے وہ تو سالا بالکل بے وقوف تھا۔ ایک دم بے وقوف جذبہ میں نے لگایا لگ گیا۔ ارے سکینہ صاحب آپ دیکھتے رہئے کم از کم اس کی تنظیم کا تو میں اگلے چند ہفتوں میں کوئی بڑا کمانڈر ضرور بن جاؤں گا۔''

اس نے شیخی بگھارنے کے انداز میں کہا۔

''بس یہی ہم چاہتے ہیں..... اب تم نے خود ہی مطلب کی بات کہہ دی۔''

اس کے آخری فقرے پر سکینہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ تم ان میں گھس جاؤ پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔''

اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

''ارے گھس گیا مہاراج۔ میں بہت جلد تنظیم جہاد جوائن کر رہا ہوں..... سری نگر جا رہا ہوں۔ مجھے شاہین کے ساتھ مل کر دہلی پر قبضہ کرنا ہے۔''

اس نے سکینہ کی تقلید میں مجاہدین کا تمسخر اڑاتے ہوئے اسے شاہین کے ساتھ ہونے والی اپنی ساری گفتگو سنا دی تھی۔

دوران گفتگو مس جین ان کے لئے کافی رکھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی اور سکینہ نے اس کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ اپنے سوالات اور عامر کے جوابات سمیت ریکارڈ کر لیا تھا۔

عامر کو اب گفتگو کی یہ طوالت کھٹکنے لگی تھی وہ یہاں سکینہ سے مل کر بھارت ماتا کی رکھشا

کرنے نہیں بلکہ مس جین کی صحبت سے فیض یاب ہونے آیا تھا۔

لیکن.....

یہی تو ان لوگوں کا کمال فن تھا۔

سکسینہ نے اگلے ہی لمحے اس کی بے چینی محسوس کر لی تھی۔

''ٹھیک ہے.....ویل ڈن۔اب پرسوں ملتے ہیں۔کل تو وہ تمہارے ہاں کھانے پر رہا ہے۔رات اطمینان سے گزارنا۔اگلے روز فریش ہو کر ملیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے جین اس کے سامنے اپنی تمام حشر سامانیوں سمیت کھڑی تھی۔

''لو بھئی سنبھالو اپنے عامر صاحب کو.....میں اب کباب میں زیادہ دیر تک ہڈی نہیں بننا چاہتا۔''

اس نے مس جین کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی پھر عامر کی طرف مڑ کر کہا۔

''واہ استاد.....ہم تو پانچ سال میں کچھ نہ کر سکے اور تم نے پانچ ہفتوں ہی میں مس جین کو چاروں شانے چت کر دیا.....بھئی بڑے گورو ہو.....ہمیں بھی کوئی داؤ بتا دو ناں۔''

تینوں نے ایک ساتھ شیطانی قہقہے بلند کئے تھے۔

سکسینہ دونوں سے باری باری ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

اب کمرے میں وہ دونوں اکیلے تھے۔

''جی کیا ارادے ہیں۔''

جین نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''ارادے تو نیک نہیں.....آگے جو آپ کا حکم۔''

عامر بے قابو ہوا جاتا تھا۔

''بندی آپ کی کنیز ہے مہاراج۔پدھاریے.....تاج محل چلتے ہیں۔جہاں آپ ڈنر اور دیگر تواضع کا مکمل بندوبست کیا گیا ہے۔''

جین نے اس کے آتش شوق پر تازیانہ لگاتے ہوئے کہا۔

وہ بالکل لکھنوی انداز میں اس کے سامنے کورنش بجالائی تھی۔

دونوں مس جین ہی کی کار میں تاج ہوٹل پہنچے تھے.....جہاں ان کے لئے سیٹیں پہلے سے ریزرو تھیں۔

جین اس کا ہاتھ پکڑے سیدھی بار روم کی طرف گئی تھی جہاں اس وقت کیبرے ڈانس ہو رہا تھا.....عامر کے لئے اس نے پیگ اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔

دونوں کافی دیر بدمستی سے ناچتے رہے پھر ڈنر زہر مار کر کے اپنے لئے پہلے سے بک کمرے میں پہنچ گئے۔

یہ کمرا ''را'' کے لئے ہمیشہ سے بک رہتا تھا۔

ساری رات یہاں رقص ابلیس ہوتا رہا۔

مس جین نے اپنے فرائض اپنے افسران کی توقع سے بڑھ کر انجام دیئے تھے۔اس نے اپنی جنیئر کا سارا زہر عامر کی رگوں میں انڈھیل دیا تھا اور اسے لذت اور گناہ کے ان جہانوں کی سیر کروا دی تھی جن کا عامر نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

صبح دیر گئے تک وہ بدمست ہو کر سوتے رہے۔

فون کی گھنٹی کی آواز نے عامر کو بیدار کیا تھا۔

''یس۔''

اس نے نیند سے ڈوبی آواز میں کہا۔

''صاحبزادے کچھ گھر کی بھی فکر ہے یا نہیں.....کیا دوپہر کے بعد اٹھو گے۔''

دوسری طرف سکسینہ کی آواز نے اس کے حواس قائم کر دیئے۔

''اوہ سوری سر!واقعی دیر ہو گئی۔رات کچھ زیادہ ہی پی لی سوری سر۔''

اس نے دیوار پر لگی گھڑی کی سوئیوں پر نظر دوڑائی جہاں صبح کے دس بج رہے تھے اور ٹھ کر بیٹھ گیا۔

جین نے لیٹے لیٹے اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر دی تھیں۔

عامر کا جی تو نہیں چاہتا تھا۔اس کے گھر میں بھی کسی نے اس سے باز پرس نہیں کرنی تھی۔

لیکن.....

نجانے کیوں ایک پھانس سے اس کے دل و دماغ میں اٹک گئی تھی کہ رات فریدہ نے اسے دیکھ لیا تھا۔

اسے ضرور علم ہو جائے گا کہ اس نے رات گھر سے باہر گزاری ہے۔

اور.....

یہ کوئی اچھی بات نہیں۔

اس کی یہ خواہش رہی تھی کہ فریدہ اس سے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرے۔ بھلے ساری دنیا اسے برا جانے۔

❁❁❁

باب 8

گھر سے اسے مس جین ہی ڈراپ کرنے آئی تھی۔ اس نے عامر کو ان کے بنگلے کے سامنے اتار دیا تھا۔ دونوں ہی نہ دیکھ سکے۔ درختوں اور پھولوں کی بیلوں میں گھرے بنگلے کی ایک کھڑکی کے کھلے پٹ کے پیچھے لہراتے پردے کی اوٹ سے دو آنکھوں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔

یہ فریدہ تھی جس نے ارادتاً یوں ہی تازہ ہوا کے لئے کھڑکی کے پٹ کھولے تھے۔ وہ آصفہ کے اصرار پر رات یہیں رک گئی تھی اور اب ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس کمرے میں بیٹھی اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھی۔

اخبار پڑھنا اس کی بچپن کی عادت تھی۔ کم عمری ہی میں اس کی مرحوم دادی اس سے اخبار کی خبریں سنا کرتی تھیں پھر دادا ابا نے یہ سلسلہ جاری رکھا ان کی موت کے بعد گو کہ کسی نے فریدہ کو یہ ڈیوٹی نہیں سونپی۔

لیکن.....

اس نے اس عادت کو اپنا لیا تھا۔

اسے دیکھ کر یقین نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق اس خان فیملی سے ہے جو اپنی آزاد خیالی اور سیکولر نظریات کے لئے خاصی شہرت رکھتی تھی۔ اس کے درجنوں رشتہ دار لڑکوں اور لڑکیوں میں اگر کوئی اس کے نزدیک تھا تو وہ اس کی خالہ زاد بہن آصفہ تھی۔

آصفہ بھی فریدہ کی طرح اپنی خاندانی روایات سے کٹ کر جی رہی تھی۔ دونوں کو اپنے خاندان میں اچھوت کی سی حیثیت حاصل تھی اور وہ اکثر ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہ کر خوش رہتی تھیں۔

دونوں تاریخ کی طالب علم تھیں۔

دونوں کو بھارت میں پڑھائی جانے والی تاریخ میں ہونے والے فراڈ کا علم اور احسا تھا۔ ان کا تعلق امیر گھرانوں سے تھا اور اپنی مرضی کی کتابیں وہ غیر ممالک سے منگوا سکتی تھیں۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ سچ وہ نہیں جو ان کے والدین اور یہاں کے کرتا دھرتا انہیں بتاتے' سناتے اور پڑھاتے آ رہے ہیں بلکہ کچھ اور ہے۔

بھارتی مسلمانوں پر براہمن سامراج کے مظالم سے فریدہ کا کلیجہ پھٹتا تھا جب بھی بھارت کے کسی شہر سے مسلمانوں پر ہندو بلوائیوں کے مظالم کی خبریں آتیں اس کا دل خون کے آنسو روتا۔

لیکن.....

وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ آصفہ کے ساتھ اپنا دکھ مشترک کر لے۔ کیونکہ آصفہ بھی اسی راہ کی مسافر تھی جس پر وہ چلتی آئی تھی۔

افغانستان کے جہاد کے بعد سے دنیا میں آنے والی تبدیلیاں خصوصاً اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ان کی دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ فریدہ محسوس کر رہی تھی کہ افغانستان سے کامیاب جہاد نے روس ہی کے ٹکڑے نہیں کیے بلکہ دنیا بھر میں موجود ستم رسیدہ مسلمانوں کی سوچ کو بھی جلا بخشی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت تھی کشمیر کی تحریک آزادی.....!!

اس نے بڑی باریک بینی سے اس تحریک کا جائزہ لیا تھا اور یہ بات بڑی واضح تھی کہ تحریک کو زندہ کرنے میں پاکستانی پراپیگنڈہ کا نہیں بلکہ افغان جہاد کے اثرات کا کردار نمایاں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ان کے ہمسایہ میں موجود بھارت کی آنکھ میں ہمیشہ سے کانٹے کی طرح کھٹکنے والا ملک پاکستان اب دنیا بھر کے آزادی پسند مجاہدین کی امید گاہ بنتا جا رہا ہے۔

دنیا بھر سے مجاہدین اپنے گھر بار چھوڑ کر جوق در جوق پاکستان کا رخ کرتے جہاں سے وہ پھر افغان مجاہدین کے جہادی کیمپوں میں پہنچ جاتے اور وہاں سے حاصل کردہ تربیت اور تزکیہ

کے ساتھ وہ ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے محکوم ملکوں کی طرف لوٹنے لگے تھے۔

اس کی خواہش تھی کہ کشمیر کا جہاد بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے اُسے امید تھی کہ اگر مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں نے بھارتی سامراج کو جھکا دیا تو دنیا کی کوئی طاقت بھارت ماتا کے ٹکڑے ہونے سے نہیں روک سکے گی کیونکہ یہاں تو قدم قدم پر ایتا چار (ظلم) ہو رہا تھا۔

یہاں تو گلی گلی میں سیکولرازم کے نام پر براہمن واد نے اپنا رومن اکھاڑہ جما رکھا تھا۔ دہلی کی راجدھانی کو پایہ تخت بنا کر بھارت کی کل آبادی کے صرف 6 فیصد براہمن اور اونچی جات کے لوگ کروڑوں شیڈول کاسٹ انسانوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔

مقبوضہ کشمیر کی تحریک نے جیسے ان غلاموں کو نیا خون دے دیا تھا۔ ان کی سرشت ہی بدل ڈالی تھی اور اب بھارتی سامراج کو اپنے ہی ملک میں چھ مضبوط ترین آزادی اور علیحدگی پسند تحریکوں کا سامنا تھا۔

وہ بڑی دلچسپی سے مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی کامیابیوں کی خبریں پڑھا کرتی تھی۔ اس کی دلی دعا تھی کہ کامرانیاں ان کے قدم چومیں۔ کشمیریوں پر بھارتی فوج کے مظالم اسے خون کے آنسو رلاتے تھے۔ لیکن ایک بے بس اور مجبور لڑکی ہونے کے ناطے وہ سوائے ان کے لئے دعا کے اور کیا کر سکتی تھی۔

❁❁❁

عامر کو اس نے ساری رات غائب رہنے کے بعد جس شخصیت کے ساتھ اترتے دیکھا تھا۔ اس کی چال ڈھال نے فریدہ کو گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور خاص چھٹی حس ودیعت کی تھی اور اکثر اس کے اندازے صحیح ہی ثابت ہوا کرتے تھے۔ آج بھی جب اس نے محض ایک جھلک ہی مس جین کی دیکھی تو ایک پھانس سی اس کے دل میں اٹک کر رہ گئی۔

یہ تو ممکن تھا کہ عامر نے گھر سے باہر رہنے کے لئے کوئی بہانہ تراشا ہو۔ فریدہ جانتی تھی کہ اپنی خاندانی روایات کے مطابق عامر بھی حرام کاری ہی کرے گا۔

لیکن.....

نجانے کیوں اسے یہ لڑکی غیر معمولی نظر آئی تھی۔

سری نگر سے آنے کے بعد سے یوں بھی عامر کی سرگرمیاں کچھ مشکوک سی ہو رہی تھیں۔

وہ اچانک کسی تفریحی ٹور کا بہانہ بنا کر گھر سے آٹھ دس روز کے لئے غائب ہو گیا تھا حالانکہ اس کے کالج کا کوئی ساتھی اس تفریحی ٹور پر نہیں گیا تھا۔

ضرور دال میں کچھ کالا تھا!

لیکن' کیا؟

اسے اب اس کا جواب تلاش کرنا تھا۔

یہ بات تو وہ بھی جانتی تھی کہ عامر کے پاس اس کا جواب نہیں ہوگا۔ وہ کبھی اس سے سچ نہیں بولے گا۔

اس کی وجہ کوئی ڈر یا خوف نہیں بلکہ عامر کا ایک طرح سے نفسیاتی مسئلہ تھا وہ فریدہ کے سامنے کسی بات یا حرکت پر شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

اور ایسا ہوا بھی.....

عامر نے گھر میں داخل ہونے کے بعد اس کمرے سے گزر کر اپنے کمرے تک جانا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا فریدہ سوال بن کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا حال ہے تمہارے دوست کا؟''

اس نے چھٹتے ہی پوچھا۔

''بہت بہتر..... آج گھر چلا جائے گا۔''

عامر چند لمحوں کے لئے تو اسے اچانک وہاں دیکھ کر اور اچانک ہونے والے سوال پر گھبرا گیا تھا۔

''ہوں.....''

فریدہ نے صرف لمبی ہوں پر اکتفا کیا تو عامر کا ماتھا ٹھنکا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے کل شام ہی فریدہ کو بتایا تھا کہ اس کے دوست کی والدہ بیمار ہے اور اب اپنے دوست کو بیمار کر دیا؟ سنبھالا لینے کے لئے اس نے خود ہی فریدہ سے پوچھ لیا۔

''خیریت آپ آج صبح صبح یہاں''.....

''کیوں اچھا نہیں لگا کیا؟''

فریدہ نے بظاہر بے رخی سے پوچھا۔

''نہیں نہیں..... تم جانتی ہو فریدہ مجھے تمہارا اپنے نزدیک ہونا کتنا اچھا لگتا ہے۔''

عامر نے سنبھل کر کہا۔

''اچھا..... میرے خیال سے مجھے اس بات پر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ ہے ناں.....''

وہ عامر کو شرمندہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''فریدہ خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ میں تمہیں ناراض نہیں کر سکتا۔''

عامر نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک مرتبہ پھر تمہارا شکریہ۔ میرے خیال سے تم آرام کر لو..... ساری رات جاگتے رہے ہو گے۔ آخر دوست کی تیمارداری جو کرنی تھی..... ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض کروں کہ میں نے تمہارے اس بیمار دوست کو دیکھ لیا تھا۔ جس کے ساتھ تم کار میں بیٹھ کر آئے تھے۔ میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا تھا۔ اتفاقاً تمہاری آمد اپنے بیمار دوست کے ساتھ اس وقت ہوئی جب تم اس سے لپٹ کر اسے الوداع کہہ رہے تھے..... کم از کم اتنی شرم تو کر لیا کرو کہ یہ تمہارے دوست کا گھر نہیں بلکہ تمہارے والد صاحب کا گھر ہے۔ جن کا جھوٹا سچا کچھ نام اس معاشرے میں ہے..... کیا ساری رات تیمارداری سے تمہارا دل نہیں بھرا تھا جو یہاں بھی.....''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ دوسرے کمرے سے آنے والے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

''شاید آصفہ آ رہی ہے تم جاؤ۔''

اس نے اچانک ہی کہا۔

اور.....

عامر کچھ کہے سنے بغیر شرمندہ شرمندہ سا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

❁❁❁

اس گھر کے اپنے اصول تھے۔

یہاں کسی کو کسی سے سروکار نہیں تھا۔

خان بہادر صاحب اپنی اولاد سے سرزنش کو ان کے ذاتی معاملات میں مداخلت سمجھتے

تھے اور چاہتے تھے کہ جس طرہ کی مادر پدر آزاد زندگی انہوں نے بسر کی ہے ان کی اولاد بھی ویسی ہی زندگی جئے۔ خود وہ بری پابندی سے ہر ہفتے کی شام کلب کی بار میں گزارا کرتے تھے اور اپنے گھر کے چھوٹے سے بار روم میں انہوں نے دنیا بھر کی شرابیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔

عامر گھر سے کب گیا؟

کب واپس آیا؟

یہ ان کا دردِ سر نہیں تھا۔

ان کے تینوں صاحبزادے حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ آصفہ اور عامر سب سے چھوٹے تھے اور انہیں بھی اپنی مرضی کی زندگی جینے کی مکمل آزادی تھی۔ وہ تو اپنی صاحبزادی آصفہ خانم کے رویے سے اکثر شاکی رہتے تھے اور اسے رجعت پسند سمجھتے تھے۔

لیکن.....

ایک اطمینان انہیں ضرور حاصل تھا کہ ان کی تنہائی پسند بیٹی جو بچپن ہی سے مخلوط محافل میں نہیں جاتی تھی کا دل کم از کم اپنی خالہ زاد بہن فریدہ سے لگا رہتا تھا۔ وہ خود بھی اسی کی طرح ''بک ورڈ'' سمجھی جاتی تھی۔

پہلے پہل تو سارا خاندان ان دونوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا لیکن اب جیسے سب کو انہیں دیکھنے اور برداشت کرنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔

عامر اپنے کمرے میں جا کر بستر پر گر پڑا۔

اسے اپنے رات کے کسی عمل پر شرمندگی نہیں تھی۔ صرف اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ فریدہ نے اسے مس جین کے ساتھ گاڑی سے اترنے کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے بھی فریدہ نے اسے دو تین لڑکیوں کے ساتھ سرِ راہ دیکھا تھا۔

لیکن.....

کبھی اس طرح بے تکلفی کے ساتھ کسی لڑکی سے بغل گیر ہوتے ہوئے دیکھنے کا حادثہ پہلی مرتبہ گزرا تھا۔

کافی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھنٹی بجا کر اس نے خانساماں کو طلب کیا اور کمرے میں چائے لانے کا حکم دے کر خود ٹی وی کا سوئچ آن کر کے سامنے

کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

عامر کو کب نیند آئی اسے علم نہیں تھا بیدار ہوا تو سورج کا مغرب کی طرف سفر شروع ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً اٹھ کر خانساماں کو طلب کیا اور رات کے کھانے اور مہمان سے متعلق ہدایات جاری کیں۔ خانساماں ہی کے ذریعے اسے علم ہوا کہ اس کی ٹیچر ''مسز پاربن'' کا فون دو مرتبہ آ چکا ہے۔

لیکن.....

یہ جاننے پر کہ وہ سو رہا ہے اس نے عامر کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔

عامر زیرِ لب مسکرا دیا۔

''مسز پاربن'' دراصل مس جین ہی کا کوڈ نام تھا۔ فون پر رابطے کے لئے اسے یہی نام استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

عامر نے اٹھ کر سب سے پہلے ٹیلی فون پر مس جین ہی سے رابطہ قائم کیا تھا۔

''کیا بات ہے نیند پوری نہیں ہو رہی۔ ہماری نیندیں حرام کر کے آپ لمبی تان کر کے سو رہے ہو ڈارلنگ۔''

دوسری طرف سے جین نے مخصوص لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں بس یونہی ادنگھ آ گئی تھی۔''

عامر نے کہا۔

جین نے ادھر ادھر کی دو تین جنسی قسم کی باتیں کرنے کے بعد اسے ہدایت کی کہ وہ دس منٹ بعد اپنے گھر کے پچھواڑے والی سڑک پر موجود کمپنی باغ آ جائے جہاں مسٹر سکسینہ اس کے منتظر ہیں اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس وقت سکسینہ کو کیا ضرورت آن پڑی؟

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اور.....

جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو خالی ذہن کے ساتھ ہی کمپنی باغ کی طرف چل دیا۔

شاہین نے اسے اپنی آمد کا جو متوقع وقت بتایا تھا اس میں ابھی دو تین گھنٹے باقی تھے اور

خلاف توقع اسے اچانک ملاقات کے لئے بلالیا گیا تھا۔

کمپنی باغ کے ایک کونے میں سکسینہ اکیلا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ عامر کو آتے دیکھ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی گاڑی کی طرف بلایا اور دونوں ہاتھ ملا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے ڈرائیور نے گاڑی چلادی۔

سکسینہ کی ہدایت کے مطابق اس نے اس علاقے کے اردگرد گاڑی کو گھماتے رہنا تھا۔

انہوں نے گفتگو کے لئے یہی طریقہ بہتر جانا تھا۔

ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرتے کے بعد وہ مطلب کی بات پر آ گیا۔

''اسے دہلی میں بم دھماکہ کرنے کے لئے رضامند کرو۔''

سکسینہ نے اچانک ہی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''لیکن پہلی ہی ملاقات میں.....''

عامر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہاں.....تمہیں اس میں کیا قباحت ہے۔ بم بنانے کا طریقہ تمہیں آتا ہی ہے۔ اسے اپنی اس صلاحیت سے آگاہ کرنا اور خود کو رضاکارانہ طور پر اس کام کے لئے پیش کر دینا۔ اس طرح انہیں پکا یقین ہو جائے تاکہ تم ان کے ساتھ وفادار ہو۔''

سکسینہ نے کہا۔

''سکسینہ صاحب اس طرح تو بے گناہ لوگ.....''

''ارے چھوڑو یار تم اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ سالے کیڑے مکوڑے نالیوں میں رینگنے والے حشرات الارض۔ انہیں مر جانے دو.....اور اب تم اپنا دل بڑا کر لو.....تم مرنے مارنے والے دھندے میں جا رہے ہو.....اور ہاں ایک بات دھیان سے سن لینا۔ تمہارا معاملہ اب میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اب تم پر ہائی کمان کی نظر ہے۔ انہیں کام چاہئے کام.....اور تمہیں ان کے ہر حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا ہے۔ خواہ وہ اپنے آپ کو گولی مار لینے کا حکم ہی کیوں نہ ہو۔''

سکسینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس کا بدلا ہوا لہجہ عامر خان کے لئے قدرے پریشان کن تھا۔

لیکن.....

فی الوقت اس نے خاموش رہنے کا ہی فیصلہ کیا تھا۔

''آل رائیٹ سکسینہ صاحب جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے قائل کر لوں.....''

عامر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''پندرہ اگست سے پہلے پہلے اگر یہ کام ہو گیا تو تمہیں بڑا بونس ملے گا۔ بڑا انعام تم تصور نہیں کر سکتے کتنا بڑا انعام ہوگا۔ ارے عامر میاں جس لڑکی پر ہاتھ رکھ دو گے تمہارے بستر کی زینت بن جائے گی اور نقد انعام الگ سے ہوگا۔ ڈو اٹ (Do it) یار۔ یہ کشمیری سالے سیدھے سادے سے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں اسلام کا چکر دے کر اپنا الو سیدھا کرو۔ انہیں قائل کرو کہ 15 اگست کو اگر وہ دہلی میں بم دھماکہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ بھارتی حکومت کو ہلا کر رکھ دیں گے.....میری بات سمجھ گئے ناں.....''

سکسینہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بالکل سمجھ گیا سکسینہ صاحب۔ بس اب بھول جائیے سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے اور کل جین اور میرے لئے کوئی ریزارٹ بک کروا دیجئے۔''

عامر نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''ارے مس جین تو ہے ہی تمہاری.....جب جی چاہے.....اینی ٹائم (Any Time)''

اپنی تسلی کے لئے اس نے عامر سے ایک مرتبہ پھر دھماکہ خیز بم بنانے کا طریقہ سن کر اسے کچھ مزید ہدایات دیں۔

اور.....

قریباً ایک گھنٹہ بعد عامر اپنے گھر کے برابر والی گلی میں اس کی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ سکسینہ نے حفظ ماتقدم کے لئے اسے گھر سے کچھ فاصلے پر ہی اتارنے میں مصلحت جانی تھی

❁❁❁

''اگر تم میری بات پر یقین کر سکو اور اپنا غصہ تھوک دو تو تمہیں آج ایسی بستی سے

ملاؤں گا کہ تم سب کچھ بھول کر مجھے شاباش دینے پر مجبور ہو جاؤ گی اور عین ممکن ہے مجھ سے پیار بھی کرنے لگو جیسا کہ میں تم سے کرتا ہوں۔''

اس نے گھر پہنچنے پر ٹیرس کے ایک کونے میں آرام دہ کرسی پر بیٹھی فریدہ سے کہا۔

''اوہو..... کیا کوئی نئی فلم دیکھ لی۔''

فریدہ نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے اس ملاقات سے شاید ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جائے اور شاید تم مجھے ماضی کے تمام گناہوں کے لئے معاف کر دو.....''

عامر نے بڑے ہی دل گرفتہ انداز سے کہا۔

''کون ہیں وہ ذات شریف یا شاید ذات شریفہ''

فریدہ ابھی تک اس کا تمسخر اڑا رہی تھی۔

''حفظ ماتقدم کے لئے میں ابھی اس عظیم ہستی کا تعارف نہیں کروا سکتا۔ ان کی آمد البتہ ضرور کروا دوں گا۔''

عامر نے یہ بات اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ فریدہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے چند لمحوں کے لئے بے یقینی کی سی کیفیت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''خیریت تو ہے ناں..... کوئی نیا ڈرامہ تو نہیں.....''

''خدا کے لئے فریدہ میں سنجیدہ ہوں۔ میری بات کا یقین کر لو۔ میں سنجیدہ ہوں مجھے ہے کہ تم نے مجھے لڑکی کے ساتھ کار سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ لیکن میں تمہیں یہی بتانا چاہتا ہوں کہ کچھ ہمیں دکھائی دیتا ہے سچ وہی نہیں اس کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔''

عامر نے اس کی بات کاٹی۔

وہ شاندار اداکاری کر رہا تھا۔

''کیا سچ ہے؟''

فریدہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمہیں شاید ایک گھنٹہ بعد اس سوال کا جواب مل جائے اور عین ممکن ہے کہ پھر تم

بات پر پچھتاوے کا اظہار کرو کہ تم نے میرے متعلق غلط رائے کیوں قائم کی۔''

عامر نے کہا۔

''ٹھیک ہے..... میں مزید ایک گھنٹہ انتظار کر سکتی ہوں..... عامر... تمہارے سدھرنے کا تو میں قیامت تک انتظار کر سکتی ہوں..... تم جانتے ہو۔''

اس نے یہ کہہ کر منہ دوسری طرف کر لیا جدھر سے عامر کی بہن آصفہ آ رہی تھی۔ عامر چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ قدرے مطمئن ہو کر ٹی وی کا سوئچ آن کر رہا تھا۔

اسے یقین تھا کہ جو ڈرامہ وہ کھیلنے جا رہا ہے اس میں بھی ہمیشہ کی طرح کامیابی اس کے قدم چومے گی..... اسے اپنی اداکاری اور چرب زبانی پر بڑا ناز تھا اور ان دونوں خوبیوں پر اس کا مضبوط جسم اور قد کاٹھ اس کے لئے مزید آسانیاں پیدا کر دیا کرتا تھا۔ ایک ایسے مصنوعی معاشرے میں جس کی کھوکھلی اقدار کا ہر کوئی شاکی تو تھا..... لیکن سب اسی ڈگر میں بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے لئے بڑا آسان راستہ ڈھونڈ نکالا تھا انسان کی فطری اور غیر فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کا فن اسے تو آتا ہی تھا۔ لیکن..... ''را'' کے ساتھ اپنے تعلقات کے بعد سے اسے اس فن میں مزید مہارت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

وہ شاید فریدہ سے جھوٹ نہ بولتا۔

لیکن.....

اس کی ناراضی یا علیحدگی کا عامر تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس نے اب جو کورسٹوری تیار کی تھی وہ فریدہ کو ورغلانے کے لئے نہیں بلکہ اس کی نظروں میں اپنی پوزیشن اونچا رکھنے کے لئے تیار کی تھی۔

❁❁❁

شاہین کی آمد طے شدہ وقت پر ہوئی.....!!

اس نے اپنے ٹھکانے سے یہاں تک پہنچنے کے لئے اپنی دانست میں تو بڑا محفوظ راستہ اور طریقہ اختیار کیا تھا اور تین چار مختلف سواریاں تبدیل کرنے کے بعد یہاں تک پہنچا تھا۔ عام حالات میں شاید یہ محفوظ ترین طریقہ ہوتا۔

لیلن.....

اس بے چارے کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کی دہلی میں آمد کے بعد سے ''را'' سائے کی طرح اس سے چپکی ہوئی تھی۔

ایک وقت میں دس ایجنٹ اس پر مامور تھے۔

ان لوگوں کے پاس جدید ترین ذرائع مواصلات اور نقل وحمل موجود تھے اور وہ شاہین کی نظروں سے بچنے کے لئے ایسے فول پروف طریقے استعمال کر رہے تھے جن کا عام حالات میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

روپ بدل بدل کر.....

گاڑیاں تبدیل کر کے.....

چہرے بگاڑ کر.....

کبھی آگے نکل کر اور کبھی پیچھے رہ کر.....

''را'' کے ایجنٹ ہوٹل سے سائے کی طرح چپکے اس کے ساتھ ہی یہاں تک پہنچے تھے اور عامر کے گھر میں شاہین کے داخلے کے بعد انہوں نے اس گھر سے کسی کے نکلنے کی ہر ممکنہ راہ پر نظریں جما دی تھیں۔

عامر کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ اس کی اپنی حیثیت بھی اب ایک مشکوک سے زیادہ کچھ نہیں رہی تھی اور وہ بھی ''را'' کے نزدیک وہی مقام رکھتا تھا جو شاہین کا تھا اپنی دانست میں تو وہ بڑا ہیرو بنا ہوا تھا۔

لیکن.....

دراصل وہ زیرو تھا۔

زیرو.....

اسے علم نہیں تھا کہ ''را'' کے پورے انفراسٹرکچر میں کسی بھی جگہ کسی مسلمان ملازم گنجائش ہی نہیں۔

یہ بھارت کی واحد ایسی انٹیلی جنس تھی جس کی طے شدہ پالیسی تھی کہ ''را'' میں کسی مسلمان کو چپڑاسی کی حیثیت سے بھی بھرتی نہیں کیا جائے گا۔

البتہ انہیں ایک ٹول کی طرح استعمال کرنے پر ''را'' کو خصوصی ملکہ بھی حاصل تھا۔ عموماً پاکستان میں اپنی مذموم سرگرمیوں کے لئے وہ مسلمانوں ہی کو استعمال کرتے تھے۔ یہ وہ بدقسمت مسلمان ہوتے تھے جنہیں قیام پاکستان کے بعد دو حصوں میں منقسم ہونا پڑا۔ یہی ''را'' کا ''سافٹ ٹارگٹ'' بنتے تھے.....!

ان کی کمزوریوں کو ''را'' کے ماہرین نفسیات بڑے غیر انسانی طریقے سے اپنے حق میں استعمال کرتے تھے۔ بھارت میں بھی مسلمانوں کے خلاف اپنے مذموم مقاصد کے لئے وہ مسلمانوں ہی کو استعمال کیا کرتے تھے جس کی ایک مثال عامر خان بھی تھا۔

شاہین کی خواہش کے احترام میں اس نے اپنے عزیز واقربا کو تو اکٹھا نہیں کیا تھا البتہ اس کے لئے کھانے کا اہتمام بڑا شاندار تھا۔ اس نے شاہین کی عزت افزائی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اور اس کی آمد کے تھوڑی دیر بعد ہی فریدہ کو اپنے کمرے میں بلایا جہاں شاہین موجود تھا۔

''ان سے ملئے شاہین بھائی میری کزن فریدہ۔ اسے تحریک آزادی سے دلی انس ہے لیکن یہ بھی میری طرح کچھ کر نہیں سکتی تھی۔''

شاہین نے گردن گھما کر فریدہ کی طرف دیکھا اور فریدہ کو یوں لگا جیسے اس کے سارے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی ہو۔

''السلام علیکم.....''

شاہین نے کہا اور احتراماً کھڑا ہو گیا۔

اور.....

فریدہ کو یوں لگا جیسے ناولوں میں پڑھے قرون اولیٰ کے مجاہدین کا کوئی کمانڈر مجسم اس کے سامنے کھڑا ہو۔

''وعلیکم السلام..... آپ تشریف رکھیں۔''

بمشکل اس نے کہا۔

اس کے رگ وپے میں عقیدت کا سمندر موجزن ہو رہا تھا۔

''الحمدللہ اگر ہماری مسلمان بہنیں بھی اپنے مجاہد بھائیوں کے لئے دعا گو رہتی ہیں۔''

شاہین نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''کاش ہم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے۔''

فریدہ نے قدرے بے بسی سے کہا۔

''ابھی اس کی ضرورت نہیں میری جان ہم کافی ہیں..... ابھی ہم ختم نہیں ہوئے۔ دشمن کا سارا بارود ختم ہو جائے گا لیکن کشمیر کی ماؤں کی کوکھ بانجھ نہیں ہوگی۔ جیسے میں کسی کی جگہ لینے آیا ہوں اسی طرح میرے جانے پر کوئی میری جگہ لینے آ جائے گا۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ ہمارے دشمن کے دارالحکومت میں بیٹھی ہماری کوئی بہن ہمارے لئے دعا گو ہے۔''

شاہین کے الفاظ میں جانے کیا تاثیر تھی کہ فریدہ کو اس کا ایک ایک لفظ اپنے دل و دماغ میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''شاہین بھائی آپ فریدہ پر مجھ سے زیادہ اعتماد کر سکتے ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ میں آپ کی اجازت سے آپ کا مکمل تعارف صرف فریدہ سے ضرور کروں۔''

عامر نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

شاہین نے صرف اس کی طرف دیکھا۔

شاید وہ اس کا فیصلہ عامر خان پر چھوڑ رہا تھا۔

اور.....

عامر نے اس کی طرف سے رضامندی کے بعد فریدہ کو بڑے اعتماد سے اس کا مکمل تعارف کروا دیا۔

''میں بھی اب شاہین بھائی کے لشکر کا ایک سپاہی ہوں اور اس عزم کے ساتھ میدان میں اترا ہوں کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ اس مرتبہ شہادت سے سرفراز کر دیں اور اس گناہ آلود زندگی سے نجات مل جائے۔''

اس نے یہ الفاظ کہتے ہوئے ایسی شاندار اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا کہ فریدہ کا دل پگھل کر آنکھوں کے راستے بہنے کو مچل گیا۔

کھانے کی میز پر صرف وہ تینوں موجود تھے۔

فریدہ کو احساس تھا کہ عامر نے اسے کتنے اعزاز سے نوازا ہے۔ اس میز پر اس کا شاہین جیسے مجاہد کے ساتھ بیٹھنا اس کے لئے کسی سعادت سے کم نہیں تھا۔

کھانے سے فراغت کے بعد فریدہ نے انہیں اکیلے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ شاہین کا وقت کتنا قیمتی ہے۔

''شاہین بھائی دل تو نہیں چاہتا کہ آپ سے الگ ہوں لیکن آپ کے قیمتی وقت کا بھی مجھے احساس ہے۔ آپ کے سامنے کچھ کہنے کی تاب تو نہیں لیکن ایک بات ضرور کہوں گی کہ اگر آپ نے اپنی کمزور بہن کو کسی قابل جان کر اس راہ جہاد میں کسی خدمت کے قابل جانا تو میری زندگی کا سب سے زیادہ خوش قسمت دن ہوگا..... سب سے زیادہ خوش قسمت دن.....''

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس نے شاہین سے اذن رخصت لیا اور کمرے سے باہر آ گئی باہر آ کر کافی دیر تک وہ شاہین سے متعلق سوچتی رہی۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ عامر پر جان سے پیار آیا تھا۔ اس نے عامر کو کبھی پسند نہیں کیا تھا۔

لیکن.....

آج وہ اسے دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت انسان دکھائی دینے لگا تھا۔

❁❁❁

عامر اور شاہین اس وقت اکیلے تھے۔ موقعہ غنیمت جان کر عامر نے بھارت کے خلاف بڑا شاندار تقریر کے بعد اپنا نظریہ پیش کر دیا تھا وہ دلی میں بم دھماکہ کرنا چاہتا تھا۔

''نہیں عامر..... ہم بے گناہ عوام کو قتل نہیں کریں گے۔ ہم دشمن کی زبان میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ وہ ہمارا بدلہ ہمارے بے گناہ عوام سے لیتے ہیں..... لیکن ہم یہ نہیں کریں گے۔ دیکھو عامر بھائی تمہارے جذبات قابل قدر ہیں ہمارا واسطہ بڑے کمینے دشمن سے پڑا ہے اس کا علم ہے لیکن مسلمان کبھی اپنی اصلیت کو نہیں فراموش کرتا..... ہم یہ لڑائی دشمن کے گھر میں بھی لڑیں گے لیکن بسوں اور ریل کاروں میں بم دھماکے کر کے نہیں بلکہ ان کے اعصابی مراکز پر وار کر کے..... اگر تم ایسا کر سکو تو یہ ہماری خوش قسمتی ہی نہیں جہاد کے لئے بھی مہمیز ہوگی۔''

شاہین نے کہا۔

عامر مخمصے میں گرفتا تھا کہ کیا جواب دے۔

شاہین اسے جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا مطلب اسے اچھی طرح سمجھ آ گیا تھا۔

لیکن.....

وہ اس کا جواب ہاں میں دے یا ناں میں؟

''را'' نے تو اسے شاہین کو ورغلا کر عوامی اجتماعات پر بم دھماکے کرنے کی ترغیب د تھی لیکن شاہین نے کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر وہ نہ کرتا تو عین ممکن تھا کہ شاہین کو شک ہو جا اور وہ اس پر اعتمادی کرنا چھوڑ دے اور ایک مرتبہ اگر وہ شاہین کے رابطے سے نکل گیا تو ''را'' کی جان ہی کو نہ آ جائے۔ اس نے فی الوقت ہاں کا فیصلہ ہی کیا تھا اور باقی معاملات اپنے مالکو پر چھوڑ دیئے تھے۔

''آپ جیسا حکم دیں گے شاہین بھائی ویسے ہی ہوگا۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے..... بس دشمن کو یہ میسج ملنا ضروری ہے کہ اس کی لگ ہوئی آگ اب اس کے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔''

اس نے بڑے اعتماد اور جذباتی لہجے میں کہا۔

''الحمدللہ! عامر بھائی مجھے تم سے اسی جواب کی امید تھی.....''

شاہین نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

عامر نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ دھماکہ خیز مواد تیار کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور طلبا ایک تخریب کار پارٹی کے ساتھ کچھ وقت گزارتے ہوئے اس کا کامیاب تجربہ بھی کر چکا ہے۔

اس نے شاہین کے سامنے مطلوبہ سامان کی لسٹ رکھی تھی اور ''را'' کی ہدایت مطابق اس سے کہا تھا کہ اسے یہ سامان مہیا کر دیا جائے۔ اس طرح ''را'' شاید ان کے دہلی موجود ہمدردوں تک پہنچنا چاہتی تھی۔

لیکن.....

عامر مجاہد کی بصیرت کا قائل ہو گیا۔

شاہین نے اسے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسے فی الوقت سامان مہیا نہیں کر

البتہ اسے بڑے بڑے ہندوؤں کے ٹھکانوں کے نام ضرور بتا دیئے تھے جن سے اسے مطلوبہ سامان مل سکتا تھا۔

عامر نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ جانا۔

شاہین نے اسے کہا تھا کہ اگلے 48 گھنٹوں میں اس کی مدد کے لئے دو مجاہد ساتھی یہاں آ جائیں گے۔ عامر کو بم تیار کر کے انہیں سونپنا تھا۔ جسے ان مجاہدین نے ہی متعلقہ ٹارگٹ یعنی دہلی کے پولیس ہیڈ کوارٹر کی عمارت تک پہنچانا تھا۔ عامر کو صرف ان کی ہر ممکنہ مدد کرنی تھی اور اسے ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اپنی شناخت مجاہدین پر ظاہر نہیں کرے گا۔ اسے تنظیم کی طرف سے خالد کا نام دیا گیا تھا اسی نام سے اس نے اپنا تعارف کروانا تھا۔

شاہین نے اسے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ کسی بھی ہنگامی صورت حال میں خود کو بچا لے۔ یہی ہدایات مجاہدین کو دی جائیں گی اس نے عامر کو بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ دونوں مجاہد جب تک زندہ رہیں گے دشمن اس تک نہیں پہنچ پائے گا..... اور نہ ہی وہ گرفتاری کی صورت میں اپنی زبان کھولیں گے۔

عامر نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹا تھا۔

یہاں سے کچھ لے کر ہی ''را'' کے پاس جا رہا تھا۔

اسے علم تھا کہ سکسینہ باقی تمام معاملات خود ہولڈ کر لے گا کم از کم اس نے ''را'' کو دو مجاہدین کا تحفہ تو دے دیا تھا۔

دونوں منصوبے کی تفصیلات طے کرتے رہے۔ گفتگو کے خاتمے پر شاہین نے اپنی قمیض کے نیچے ہاتھ ڈال کر کسی خفیہ جیب سے کچھ روپے نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''یہ کیا؟''

عامر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارے ذرائع کا علم تو تمہیں ہوگا ہی..... کاش تمہیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ ہوتا۔ یہ چند ہزار روپے اس کیمیکل کی تیاری کے لئے ہیں جس کی تمہیں ضرورت پیش آئے گی.....''

شاہین نے کہا۔

''نہیں شاہین بھائی..... آپ نے اپنے اس بھائی کو اتنا کمزور کیسے سمجھ لیا۔ کیا میرا اس عظیم مشن میں اتنا حصہ بھی نہیں ڈال سکتا..... خدا کے لئے مجھے شرمندہ نہ کریں۔''

عامر نے بظاہر بے چینی سے کہا۔

''نہیں عامر جب تم اس قابل ہو جاؤ گے تو شاید ہم تمہیں مالی قربانی کے لئے کہیں ابھی تم برسر روزگار بھی نہیں ہو۔ پھر میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ کوئی خیرات نہیں کر رہا۔ یہ وہ روپیہ ہے جو ہماری مائیں بہنیں اپنا پیٹ کاٹ کر ہمیں جہادی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے دیتی ہیں۔ ان کا بہترین استعمال ہو جائے اس سے زیادہ خوش قسمتی کی اور کیا بات ہوگی۔''

شاہین نے کہا۔

تھوڑی سی تکرار کے بعد عامر نے بادل نخواستہ وہ روپے لے کر اپنی جیب میں رکھ لئے۔ شاہین روانگی کے لئے تیار تھا۔ عامر کی خواہش تھی کہ اسے منزل تک پہنچا کر آئے۔

''نہیں میں یہاں اکیلا آیا تھا اور اکیلا ہی جاؤں گا۔ آئندہ بھی یہ بات یاد رکھنا۔ نقل و حرکت کا فیصلہ کمانڈر خود کرتا ہے اور ہم اپنی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے کافی خیال کرتے ہیں۔ عامر میں کبھی نہیں چاہوں گا اور میں ہی کیا کوئی مجاہد یہ نہیں چاہے گا کہ وہ تمہاری جان کو ایک لمحے کے لئے بھی خطرے میں ڈالے.....''

عامر نے اطاعت میں سر جھکا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد راہ شہادت کا مسافر اللہ کا پراسرار بندہ کمانڈر شاہین اس سے گرمجوشی سے بغل گیر ہونے کے بعد اسے اللہ کی حفاظت میں سونپ کر رخصت ہو رہا تھا۔

اب ان کی اگلی ملاقات سری نگر میں ہونا طے پائی تھی۔

''را'' کے ایجنٹ ایک مرتبہ پھر روبہ عمل تھے۔

انہوں نے شاہین کا تعاقب اس کے ٹھکانے تک کیا تھا اور اس کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کے بعد وہ اس عمارت کو گھیرے میں لے کر کھڑے ہو گئے جہاں شاہین قیام پذیر تھا۔

اپنی دانست میں انہوں نے بڑی ہوشیاری دکھائی تھی اور ایک ایک کر کے شاہین کے تین چار نشیمنوں کا پتہ لگا لیا تھا۔

لیکن.....

ان گدھوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ چانکیائی تربیت کا دیا مجاہد کی بصیرت کے سامنے نہیں جلا کرتا۔ شاہین نے جس جس جگہ قیام کیا۔ ان میں سے ایک بھی اس کا خاص ٹھکانہ نہیں تھا ان میں سے ایک بھی کسی مسلمان کا ہوٹل نہیں تھا۔

غریب نواز ہوٹل کا مالک بھی ہندو تھا۔

شاہین نے بالکل عام بھارتیوں کی طرح ایک کشمیری تاجر کے روپ میں یہاں قیام کیا اور اب اپنا کام مکمل کر کے واپس جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔

❁❁❁

رات عامر نے کروٹیں بدلتے گزار دی۔

اسے زندگی میں پہلی مرتبہ بے خوابی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ تو اپنی نیند کے لئے سارے خاندان میں شہرت رکھتا تھا اور کہا جاتا کہ اسے کانٹوں پر بھی نیند آ جاتی ہے۔

لیکن.....

اس کی تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں اسے اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرنے کا سلیقہ ہی نہیں آیا تھا۔

صبح جب دہلی کی جامع مسجد کے پرشکوہ میناروں سے اللہ کی عظمت کی گونج سنائی دے رہی تھی تو شیطان نے اپنی چادر اس پر ڈال دی اور وہ کروٹ بدل کر گہری نیند سو گیا۔

اس گھر کی روایات کے مطابق کوئی کسی کے آنے جانے سونے جاگنے کی پرواہ نہیں کرتا تھا بلکہ تجسس کا اظہار کرنا دوسرے کے ذاتی معاملات میں مداخلت سمجھا جاتا تھا۔

عامر کو بھی کسی نے نہ جگایا۔

اچانک ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

جیسے اچانک کسی بھیانک خواب سے ڈر گیا ہو۔

لیکن.....

اصل میں یہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز تھی جس نے اسے بیدار کیا۔

سب سے پہلے اس کی نظر گھڑی کی سوئیاں پر پڑی جو دس بجا رہی تھیں جس کے بعد اس

نے لمبی جمائی لے کر اور اپنے اعصاب کو قدرے نارمل کرنے کے بعد فون اٹھایا۔

''کیا بات ہے جان من! بڑی گہری نیند آ گئی تھی کیا..... اکیلے سو رہے ہو یا.....''

''ہیلو'' کہنے پر دوسری طرف سے مس جین بے تکلفی سے بولتی چلی گئی۔

''اوہ آئی ایم سوری۔ اصل میں مجھے نیند ہی صبح آئی۔ مہمان کے جانے کے بعد فلم دیکھتا رہا اور صبح سو گیا.....''

اس نے کھسیانی سے آواز میں کہا۔

''ہماری نیندیں حرام کر کے اب خود سکھ کی نیند سو رہے ہو جان من..... یہ تو زیادتی ہے۔''

اس نے عامر کو بیدار بھی اس طرح کیا تھا کہ اسے قطعاً یہ احساس نہ ہو کہ اب چارپائی سے اٹھنا اس کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے یا وہ کسی حکم کے تابع وہاں سے اٹھ رہا ہے۔ اس نے دو چار سیکسی قسم کے فقرے بول کر ایک مرتبہ پھر عامر کو آدمی سے گدھا بننے پر مجبور کر دیا تھا۔

عامر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ صبح 8.00 بجے سے ''سیف ہاؤس'' پر سکسینہ اور اس کے دو سینئر آفیسر اس کے منتظر تھے اور اب سکسینہ نے بادل نخواستہ مس جین کو حکم دیا تھا کہ عامر کو فوراً رپورٹ کی ہدایت کی جائے۔

وہ جانتا تھا جین اس معاملے کو ہینڈل کر لے گی۔

''اب کیا ارادے ہیں حضور کے.....''

جین نے اس کے شہوانی جذبات بھڑکانے کے بعد کہا۔

''بس ایک کپ چائے پی کر آتا ہوں.....''

عامر نے جواب دیا۔

وہ خود اپنے نفس کے ہاتھوں بے بس اڑ کر جین تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

''ہائے یہ ظلم نہ کرنا۔''

جین نے تڑپ کر کہنے کی اداکاری کی۔

''مطلب''

عامر خواہ مخواہ بے شرموں کی طرح فون پر ہی مسکرا دیا تھا۔

''مطلب یہ کہ حضور ابھی تک میں نے آپ کے انتظار میں بیڈ ٹی بھی نہیں پی۔ آج آپ کے ساتھ بریک فاسٹ کا پروگرام جو تھا..... میں تو شاید فون ہی نہ کرتی لیکن چائے کی طلب نے تمہیں ڈسٹرب کرنے پر مجبور کر دیا۔ ڈارلنگ برا مت ماننا.....''

اس نے اپنی آواز میں قدرے شرمندگی کا تاثر شامل کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو..... بھئی میں بھلا برا کیوں مناؤں گا۔''

عامر کو اپنی داشتہ کے احساس شرمندگی نے ہی بے چین کر دیا تھا۔

''اچھا اب تم اچھے بچوں کی طرح اٹھو۔ برش کرو منہ پر پانی کے چھینٹے مارو اور نیچے آ جاؤ۔ تمہارے برابر والی گلی میں گاڑی تمہاری منتظر ہو گی۔ او کے' بائے بائے۔''

مس جین نے کہہ کے فون بند کر دیا۔

❁❁❁

عامر نے اس کی ہدایات کو حکم جان کر عمل کیا تھا۔

بمشکل دس منٹ کے بعد جب وہ بھاگم بھاگ اپنے بنگلے کے برابر والی گلی میں پہنچا تو وہاں ایک جیپسی جیپ اس کی منتظر تھی۔ اس کے نزدیک پہنچنے پر ڈرائیور نے نیچے اتر کر احترام سے اس کے لئے دروازہ کھول دیا۔

اور.....

دروازہ کھلنے پر جس شخصیت پر اس کی نظر پڑی اسے دیکھ کر عامر کی ساری سستی غائب ہو گئی۔

یہ مس جین تھی۔

جس نے جیپ میں سوار ہوتے ہی اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے ایسے دبوچا تھا جیسے وہ گزشتہ کئی سالوں سے اس کے وصال کے لئے بے قابو ہوئی جا رہی تھی.....!!

خود سپردگی کے جس عالم نے اس نے عامر کو گزارا تھا۔ اس نے عامر جیسے نوجوان کے جذبات برانگیختہ کر دیئے تھے۔

اگر اس کے دل میں کوئی معمولی سی خلش بھی تھی تو وہ ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ مکمل طور پر اپنے پرانے روپ میں واپس لوٹ آیا تھا۔ شاہین کی جذباتی گفتگو کشمیر کے حالات' بھارتی فوج

کے مظالم سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا.....!!!اس کے سامنے اس وقت جنسیت کی مکمل مجسم تصویر کی طرح جین موجود تھی۔جس نے محض چند منٹوں میں اسے لذت کے جہانوں سے آشنا کر دیا تھا اور ''را'' کے ''سیف ہاؤس'' پہنچنے تک اسے باور کروا دیا تھا کہ اس کے موجودہ کارنامے سے خوش ہو کر افسران بالا نے مس جین کو تین راتوں کے لئے انعام کی صورت اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔

اب وہ جی بھر کے اپنے جی کے ارمان نکال سکتا تھا۔

سیف ہاؤس پر سکسینہ اور اس کے دو سینئر افسران نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

انہوں نے محض عامر کو یہ احساس دلانے کے لئے کہ وہ اس کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتے تھے چائے اور سنیکس منگوا لئے تھے۔

اور.....

اب وہ چائے پیتے ہوئے عامر کی بات سن رہے تھے۔

اس کی رپورٹ کے خاتمے پر تینوں نے اس سے الگ الگ سوالات کا سلسلہ شروع کیا جو قریباً دو گھنٹے جاری رہا۔

شاہین نے اس کے گھر پر بمشکل تین چار گھنٹے قیام کیا تھا اور تین گھنٹے تک وہ اس قیام کی تفصیلات جانتے رہے تھے۔

انہوں نے عامر سے ایسے ایسے سوالات کئے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔

شاہین کی آمد سے روانگی تک ایک ایک لمحے کی مصروفیات۔اس کا کھانا

کھانے کی عادات.....

نشست و برخاست کا انداز.....

گفتگو کا انداز.....

گفتگو کرتے ہوئے اس کی حرکات و سکنات.....

اس نے کتنا کھانا کھایا؟

کیا کھایا؟

پسندیدہ ڈش کیا تھی؟

چائے پی یا نہیں پی؟

میٹھا پسند ہے یا نمکین؟

اگر دونوں تو کس تناسب سے؟

ایک آفیسر نے تو صرف اس کے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' حرکات و سکنات سے متعلق سوالات کئے تھے۔

اب دوسرے کی باری آئی جس نے کشمیر' بھارت' پاکستان' عالم اسلام وغیرہ پر ہونے والی گفتگو کی تمام تفصیلات طلب کیں۔

عامر کو اپنا سر گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔

لیکن.....

جب بھی وہ ذرا سی بیزاری کا اظہار کرتا مس جین آڑے آتی اور اسے بہلانے لگتی۔

تینوں منکر نکیر اس سے تین چار سوالات کے بعد معذرت کر لیتے پھر اپنی مجبوری بتانے لگتے کہ ان کے لئے یہ کچھ جاننا ضروری ہے۔

ان سب کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا تھا۔

عامر کو علم نہ ہو سکا کہ ایک ویڈیو کیمرہ مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھا۔اس کے بیان کی تکمیل پر ایک ماہر حرکات نے یہ ساری فلم دیکھ کر اور سارا بیان سننے کے بعد اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ اس میں سچ کتنا ہے اور ملاوٹ کتنی؟

تیسرے نے ذرا کم وقت لیا.....

اس نے عامر سے شاہین کی دوستیاں' دشمنیاں عامر کے گھر میں ہونے والی ملاقاتوں کی تفصیل دریافت کی تھی۔

کرید کرید کر اس سے یہ دریافت کیا تھا کہ شاہین نے گھر کے کس کس فرد سے کیا کیا گفتگو کی۔کتنی دیر تک بات کی اور گھر کے متعلقہ فرد کا ردعمل کیا تھا؟

عامر نے کمال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنی دانست میں اپنی جان چھڑانے کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ اس نے شاہین کا تعارف کسی دوسرے نام سے کروایا تھا اور سوائے گھر کے خانساماں اور اس کی بہن آصفہ کے اور کسی سے اس کی ملاقات ہی نہیں ہو سکی کیونکہ اس کے گھر

والون کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس کے دوستوں سے ملاقاتیں کرتے پھریں۔

''اینی وے (Any Way) مسٹر عامر (Thank You) مجھے امید ہے کہ تم اپنے دیش کے ساتھ اس وفاداری اور محبت کا ثبوت دو گے جس کا تمہارے بزرگ دیتے آئے ہیں.....''

''را'' دہلی کے ڈیٹ کمانڈر چاؤلا نے بالآخر کہا۔

اور.....

عامر کی جان چھوٹی۔

اس میٹنگ نے اس کے سر میں درد کر دیا تھا اور وہ جلد از جلد جین سمیت یہاں سے کہیں اور جانا چاہتا تھا تاکہ اپنے آپ کو نارمل کر سکے۔

''ٹھیک ہے انجوائے یور سیلف (Enjoy yourself) شام کو ملتے ہیں۔ افسران بالا تمہارے کام سے بہت خوش ہوئے ہیں اور تین دن کیلئے مس جین تمہیں انعام میں دے رہے ہیں یہ بھی۔''

سکسینہ نے جین کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے اپنے بریف کیس سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر عامر کو تھما دی۔

اتنے ڈھیرے سارے انعام کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''او۔ کے ینگ مین گڈ بائی۔''

کہہ کر جیسے ہی سکسینہ کمرے سے باہر نکلا عامر نے خوشی اور شہوانیت کے جذبات سے بے قابو ہو کر مس جین کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

جین نے اس سیلی برلیشن میں اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک بدمستیاں کرتے رہے جس کے بعد عامر نے کارروائی ڈالنے کے لئے گھر جانے کی اجازت طلب کی تھی۔

''ٹھیک ہے شام کو ملتے ہیں۔ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی اور ہاں اب تین دن کی چھٹی گھر سے لے لینا۔ سمجھ گئے ناں۔''

جین نے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے خدا کا اس بوریت سے کچھ تو نجات ملے گی۔ مس جین یار میں تو بہت بور ہوا

ں اس بک بک سے۔''

اس نے کہا۔

لیکن.....

جیسے ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے جین نے اچانک ہی اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اسے اموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آئی۔

''ڈارلنگ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں..... یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ں۔ بھگوان کے لئے دوبارہ یہ بات نہ کہنا۔ یاد رکھنا اب تم 'را' کے باقاعدہ ایجنٹ بن چکے ہو۔ ران کے اشاروں پر ناچتے رہے ساری زندگی اسی طرح عیش و عشرت میں گزارو گے۔ اگر نہیں مولی سا بھی شک ہو گیا یا تمہاری طرف سے بیزاری کا اظہار کیا گیا تو.....''

مس جین نے جان بوجھ کر اپنی بات نامکمل چھوڑ دی۔

اس نے گو کہ یہ بات نارمل لہجے میں کی تھی، لیکن سنسنی کی ایک لہر عامر کو اپنی ریڑھ کی ی میں سرایت کرتی محسوس ہوئی۔

اور.....

وہ سہم کر رہ گیا۔

شاید اس کے چہرے کے تاثرات سے مس جین نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ یہی وہ چہاتی تھی۔

''کم آن ڈارلنگ..... آؤ چلیں۔''

اس نے عامر کے گال پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

اور تھوڑی دیر بعد وہ عامر کو اس کے گھر کے نزدیک ہی ڈراپ کر کے واپس لوٹ گئی۔

❁❁❁

باب 9

بڑے بوجھل قدموں سے وہ گھر پہنچا تھا۔

مس جین کی آخری بات نے اسے الجھن میں گرفتار کر دیا تھا۔ اس نے تو صرف ایڈونچر کے لئے یہ سارا گورکھ دھندہ پھیلایا تھا۔

لیکن.....

یہاں تو آنتیں گلے کو آ رہی تھیں۔

عامر نے جلد ہی احساس کر لیا کہ اسے اپنی عیاشیوں کی قیمت چکانی پڑے گی اور ا وہ واقعہ ''را'' کا محتاج ہو کر رہ گیا ہے۔ اب تک کی ملاقاتوں میں مس جین نے بڑی ہوشیاری اس کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اس کا واسطہ بھارت کی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی ہے جس پر کوئی قانون اور ضابطہ لاگو نہیں ہوتا اور اگر اس نے ذرا سی بھی سرکشی دکھائی تو ا بدترین انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس کا خاندانی اثر و رسوخ بھی کچھ کام نہیں آئے گا۔

کیا واقعی وہ پھنس چکا ہے؟

کیا اس دلدل میں آنے کے بعد واپسی کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں۔

اسے کیا کرنا چاہئے؟

یہی تھے وہ سوالات جو اس نے اپنے آپ سے کئے اور اسے کسی سوال کا کوئی جواب ہیں مل رہا تھا فی الوقت اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر ہی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب ا ہر قدرے بے نیاز سا گھر کی طرف جا رہا تھا۔

گیٹ سے اندر داخل ہونے پر اسے چوکیدار نے اطلاع دی تھی کہ فریدہ میم صاحب انی دیر سے اس کی منتظر ہیں۔

''او۔ کے۔''

کہہ کر وہ فریدہ کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے ذہن میں ایک کور سٹوری تیار کرتا ائنگ روم کی طرف چل دیا۔

ڈرائنگ روم میں فریدہ اکیلی بیٹھی اخبارات کا مطالعہ حسب عادت کر رہی تھی۔ عامر ے قدموں کی آہٹ پر اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اخبار ایک طرف رکھ کر کھڑی ئی۔

''خیریت۔ صبح صبح کہاں نکل گئے تھے۔''

اس نے چھٹتے ہی کہا۔

''دو کام تھے۔ ایک شاہین بھائی کو الوداع کہنا تھا اور دوسرے اس لڑکی سے ملاقات ا کی گاڑی سے مجھے اترتے دیکھ کر تم ناراض ہو رہی تھی۔''

عامر نے طے شدہ پلاننگ کے مطابق تمہید باندھی۔

''کیا مطلب ہے صاف صاف کہو مجھے پہیلیاں نہ بجھایا کرو۔''

فریدہ نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''فریدہ میں نے تم سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ انسان جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے ا ممکن ہے وہ سچ نہ ہو۔ سچ کہیں اس کے پیچھے چھپا ہو..... مختصر بات یہ ہے کہ اس لڑکی کا تعلق ا تھا انڈیا کے تامل گروپ سے ہے اور یہ لوگ مجاہدین کے ساتھ کبھی کبھی ہاتھ بٹا دیا کرتے ہیں۔ ہ بھی ایک مشن میں وہ ہماری مدد کر رہی ہے اپنی تنظیم کی طرف سے..... جو منظر تم نے اپنی آنکھوں ، ہمارے ملاپ کا دیکھا تھا وہ دراصل کاروباری ملاپ تھا۔ میں اس کی زیادہ سے زیادہ ایاں حاصل کرنے کے لئے اس سے کچھ فری ہو رہا ہوں۔ تم جانتی ہو فریدہ کہ مجاہدین کے

پاس وسائل نہیں ہے اور انٹرنیشنل مارکیٹ سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہتھیار خریدنے کی استعداد وہ نہیں رکھتے۔ان حالات میں حکمت عملی ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔اب بھی تم ناراض رہو تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

اس نے بڑی مسکین صورت بناتے ہوئے اپنی بات ختم کی تھی۔

فریدہ نے یقین اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور مسکرادی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ عامر کے دام تزویر میں پھنس چکی ہے۔اس کی معصومیت کو دل ہی دل میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے عامر بھی مسکرادیا.....!!

دونوں کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔اس گفتگو میں تھوڑی دیر بعد آصفہ بھی شامل ہوگئی تھی۔

عامر کی درخواست پر ابھی تک فریدہ نے شاہین کا تعارف یا ذکر کسی سے بھی نہیں کیا تھا۔ یہاں بھی گفتگو صرف تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے ہو رہی تھی۔شاہین کا ذکر دانستہ دونوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا پھر آصفہ فون سننے کے لئے چلی گئی۔

''آصفہ کو اس راز میں شریک نہ کرنا۔اس میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ مجھے علم ہے فریدہ کہ وہ بھی تمہاری طرح خاندانی روایات سے بغاوت کر چکی ہے لیکن ایک بھائی کی حیثیت سے مجھے اندازہ ہے کہ وہ کس حد تک پریشر کا سامنا کر پائے گی۔شاہین کی آمد اور تحریک سے میرا تعلق تمہارے پاس ایک امانت ہے۔اس راز کی حفاظت کی طرح کرنا اگر یہ تم سے کسی دوسرے کو منتقل ہوا تو کم از کم الفاظ میں بھی اسے خیانت ہی کہا جائے گا۔''

آصفہ کے وہاں سے ہٹتے ہی اس نے فریدہ سے دوبارہ کیا۔

اسے یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں فریدہ جوش جذبات میں عورت کی فطرت سے مجبور ہو کر آصفہ کو بھی یہ کچھ نہ بتادے کیونکہ آصفہ اس کی طرح مضبوط لڑکی نہیں تھی۔

''عامر دوبارہ مجھے کبھی یہ بات نہ سمجھانا..... مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔انشاء اللہ یہ امانت اپنے سینے میں لے کر ہی میں اس دنیا سے جاؤں گی۔''

''اور دوسری بات بھی سن لو..... تمہیں میرے جذبات کا اپنے تئیں بخوبی علم ہے اگر احساس نہیں تو یہ میری بدقسمتی ہی ہو سکتی ہے۔میری درخواست ہے کہ خوامخواہ میری نقل وحرکت

نہ کرنا نہ ہی میرے متعلق زیادہ متجسس رہنا۔ممکن ہے آج رات ہی مجھے تین روز کے لئے بنگال جانا پڑے۔''

عامر نے آگے کے لئے بھی میدان صاف کرلیا۔

''اوہو بھئی میں کیا بچی ہوں تم تو مجھے ایسے سمجھا رہے ہو جیسے.....''

اس نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی سامنے سے آصفہ آتی دکھائی دے رہی تھی۔تینوں کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے پھر فریدہ اور آصفہ وہاں سے چلی گئیں انہیں بازار کسی کام سے جانا تھا۔

❁❁❁

''کیا بکواس کر رہے ہو.....''

سکینہ نے فون پر دھاڑتے ہوئے کہا۔

اس کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ بات کرنے والے کو گولی سے اڑادے۔

اور.....

شاید وہ ایسا کر بھی لیتا اگر اطلاع کنندہ اس کے سامنے موجود ہوتا۔

بات ہی ایسی تھی۔

شاہین کی نگرانی پر مامور سکواڈ کے انچارج نے اسے دوپہر کے بعد رپورٹ دی تھی کہ شاہین اپنے کمرے سے غائب ہے۔

ایجنٹ نے بتایا تھا کہ وہ گذشتہ رات سے ہوٹل کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے اور دوپہر تک اس کے کمرے سے نہ نکلنے پر انہیں شک ہوا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔صورت حالات جاننے کے لئے جب وہ لوگ ہوٹل میں گئے تو شاہین اپنے کمرے سے غائب تھا۔

اس کا انتہائی مختصر سا سامان جو بمشکل ایک کپڑوں کے میلے جوڑے چند انگریزی اخبارات اور ایک چھوٹے سے بیگ پر مشتمل تھا البتہ ان کا منہ چڑانے کے لئے وہاں موجود تھا۔

''را'' والوں نے جب ہوٹل کے مالک سے دریافت کیا تو وہ خود حیران رہ گیا کیونکہ اس کی اطلاع کے مطابق شاہین اپنے کمرے میں موجود تھا اور انہوں نے اس کی خبر رکھنے کا تردد اس لئے بھی نہیں کیا تھا کہ ابھی تک اس کا ایڈوانس ہی ختم ہوا تھا۔اس کی طرف کوئی بل بھی نہیں نکلتا تھا۔الٹا سود و سو اپنے ہوٹل کی طرف ہی نکلتے تھے۔اس لئے انہیں تو کوئی پریشانی نہیں تھی۔

''تم مسافروں کا ریکارڈ نہیں رکھتے۔''

انچارج نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کاؤنٹر پر کھڑے لالہ ہری داس سے پو

تھا۔

''رکھتا ہوں صاحب۔ رکھتا ہوں لیکن لٹھ لے کر اپنے گاہکوں کے پیچھے گھومنا ہماری ذ

داری نہیں ہے۔''

لالہ جی بھی خاصے گرم مزاج دکھائی دے رہے تھے۔

''ابے الو کے پٹھے وہ دہشت گرد تھا۔''

انچارج پھٹ پڑا۔

''کک کک کیا کہا شریمان جی۔ اگر وادی (دہشت گرد) ہرے رام ہرے رام تر

اچھا ہی ہوا سالا بھاگ گیا ورنہ یہاں بھی نہ جانے کیا کر جاتا۔''

لالہ ہری داس نے اپنے کاؤنٹر کے ایک کونے میں فریم کی ہوئی بملا ماتا کی تصویر

سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے دیوی ماں کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا۔

انچارج ایجنٹ نے سمجھ لیا کہ اس کی کم بختی آنے والی ہے اور اس لالہ سے وہ

ڈھنگ کی اطلاع لے بھی نہیں سکتا۔

تھوڑی دیر تک اس سے مغزماری کے بعد اسے بے تحاشا گالیاں نکال کر اس نے

ہری داس ہی کے کاؤنٹر سے فون پر اپنے ڈیٹ کمانڈر سکسینہ کو اطلاع دی تھی کہ ان کے ساتھ

سانحہ گزر گیا ہے۔

''حرام زادے وہ تر پاٹھی تیرا باپ تیری کھال میں بھس بھروا کر ''شانتی نکیستن'' (

آفس) کے سامنے لٹکا دے گا۔ تم گیارہ گدھے کیا وہاں جھک مار رہے تھے کہ وہ تم سب کو جل

کر نکل گیا۔ ڈیم اٹ''

اس نے غصے سے بے قابو ہو کر ریسور ٹیلی فون پر پٹخ دیا۔

دوسری طرف انچارج نے بھی سہم کر ریسور رکھ دیا۔

اور.....

اب وہ اپنے تمام ساتھیوں تک وہی جھڑکیاں منتقل کر رہا تھا جو اسے سکسینہ۔

ں۔ اسے علم تھا کہ اس نا قابل معافی جرم کی کم از کم سزا بانڈی پورہ میں تبادلہ کی صورت میں ملے

جہاں جانے کے تصور سے بھی وہ لرزاں تھا۔

بادل نخواستہ اس نے آفس پہنچ کر ساری کارروائی لکھی اور رپورٹ فائل تیار کر کے

سینہ کی خدمت میں روانہ کر دی۔

سکسینہ کو بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس کے لئے اپنے غصے پر قابو رکھنا ناممکن ہو جائے گا

ں لئے شاید اس نے بھی ابھی تک انچارج کو طلب نہیں کیا تھا۔

اب اس کی واحد امید انسپکٹر ماتھر کی انکوائری رپورٹ تھی جو اس نے آج شام تک تیار

ر کے پیش کرنی تھی۔ جس نے انہیں شاہین کے دہلی میں موجود ذرائع سے متعلق کچھ جانکاری مل

تی تھی۔

سکسینہ نے جو اپنی ڈیوٹی کے دوران کبھی ڈرنک نہیں کرتا تھا خود نارمل کرنے کے لئے

ب بڑا پیگ وہسکی کا اپنے حلق میں انڈھیلا تھا۔

شام کو جب اس کے سامنے انسپکٹر ماتھر اپنی رپورٹ سمیت پیش ہوا تو سکسینہ کو یوں لگا

ے دہلی کی سڑکوں پر رینگتی ٹریفک کی ساری آلودگی اس کے حلق میں اتر گئی ہو۔ اس کے منہ کا

القہ اس کے دل و دماغ کی طرح کڑوا ہو گیا تھا۔

انسپکٹر ماتھر نے اپنی تفصیلی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ان تمام پوائنٹس کی مکمل چیکنگ اور

لوائری کے بعد یہ بات علم میں آئی ہے کہ شاہین نے جہاں جہاں بھی قیام کیا وہاں کوئی بھی

گر ان کی تحریک سے متعلق نہیں تھا۔ یہاں سے کوئی بھی ایسا ''کلو'' نہیں مل سکا تھا جس کے

ذریعے وہ آگے بڑھ پاتے۔

شاہین نے انتہائی چالاکی کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنا کام مکمل ہونے پر انہیں جل دے کر

لنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ.....''

بے اختیار سکسینہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اس نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماتھر کو چلے جانے کے لئے کہا تھا اور خود

ڈھال سا ہو کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

اچانک ہی ایک خیال نے اسے سر سے پاؤں تک لرزا کر رکھ دیا۔

''کہیں شاہین کو شک تو نہیں ہو گیا کہ اسے ٹریپ کیا جا رہا ہے؟''

اس سوال کا جواب اسے ابھی نہیں مل سکتا تھا۔

اب اس کی صرف اور صرف ایک ہی امید تھی اور وہ تھا عامر.....!

انہیں عامر کو بہر صورت خوش رکھنا تھا کیونکہ اس کے ذریعے اب وہ مجاہدین کے قلب میں اتر سکتے تھے۔

اسے اپنے سوال کا جواب ہاں یا ناں میں اب ایک ہی صورت میں مل سکتا تھا اگر شاہین کی دی ہوئی تاریخ پر دونوں کشمیری مجاہدین عامر سے رابطہ کرتے تو یہی سمجھ جاتا کہ اس۔ مجاہد کمانڈر کی حیثیت سے انتہائی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی تھ محض اس امکان کے پیش نظر کہ اگر کشمیری ہونے کے ناطے انٹیلی جنس والے اس کے پیچھے ا ہیں تو کم از کم انہیں اس کی روانگی کا علم نہ ہو سکے۔

اور.....

اگر مطلوبہ تاریخ پر مجاہدین نے عامر سے رابطہ نہ کیا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ا شک ہو گیا ہے کہ عامر ڈبل کراس ہے اور اس کے ذریعے ''را'' مجاہدین کے مرکز تک پہنچنا چا ہے۔

''بھگوان نہ کرے کہ دوسری بات سچ ہو۔''

اس نے دل ہی دل میں پرارتھنا کی۔

سکینہ نے کچھ دیر تک حالات کی سنگینی اور ستم ظریفی پر غور کیا۔ اسے خود پر رحم آ رہا اور اسی خود ترسی کے جذبے نے اسے خود پر مسکرانے کے لئے بھی مجبور کر دیا تھا۔

کافی کا مگ پیتے ہوئے اس نے خود کو نارمل کیا اور پھر مس جین کو بلا کر تمام صورت ح سے آگاہ کر دیا۔

''(Shocking) شاکنگ..... ٹیریبل''

مس جین کے منہ سے صرف دو الفاظ ہی نکل پائے۔

''یس مس جین لیکن ہمیں ہارنا نہیں سکھایا گیا۔ اب ہماری آخری امید عامر ہے۔

پر اپنا تن اور دھن نچھاور کر کے اسے اپنی زلفوں میں اس طرح باندھ لو کہ تمہارا محتاج بن کر رہ جائے۔ مس جین اسے ایک لمحے کے لئے بھی ناراض رہنے کا موقعہ نہ ملے۔ اٹ از آرڈر.....''

سکینہ نے آخری الفاظ کو چباتے ہوئے کہا تھا۔

''میری طرف سے آپ کو کبھی منفی رپورٹ نہیں ملے گی سر..... کبھی نہیں..... مجھے علم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

جین نے مکمل اعتماد سے کہا۔

''شاباش..... مس جین اب اس ''ڈیٹ'' کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ افسوس ہم اتنے بڑے اوگرواڈی (دہشت گرد) کی دہلی میں دو روز تک موجودگی اور اپنے بے پناہ وسائل صرف کرنے کے بعد سوائے عامر اور اس کی ملاقات کی فلم کے اور کچھ ہیڈ کوارٹر کی پیش نہیں کر سکتے..... ویری سیڈ۔''

سکینہ نے گردن جھکا لی۔

❁❁❁

عامر مقررہ وقت پر پہنچ گیا تھا۔

آج خلاف توقع اس کی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خدمت کی جا رہی تھی۔ سکینہ نے سب سے پہلے کل کے طویل انٹرویو پر معذرت کرتے ہوئے اسے بتایا کہ ان لوگوں کا یہی طریق کار ہے اور جلد ہی عامر بھی اس کی عادی ہو جائے گا۔ اس نے عامر کو بتایا کہ بعض معاملات کو وہ بھی نہیں سمجھتا صرف متعلقہ لوگ ہی سمجھتے ہیں اور یہ لوگ ایک دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں کرتے۔

''بہر حال اس کا ایک فائدہ تو ہوا کہ تم سے طویل انٹرویو کے بعد تمہارے متعلق بڑے شاندار ریمارکس آئے ہیں اور بہترین مراعات کا حکم بھی ملا ہے.....''

سکینہ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اصلی انعام سر!''

عامر خان نے مس جین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے یہ تو تمہارے گھڑے کی مچھلی ہے۔ اینی ٹائم ینگ مین (Any time

"young man)

سکینہ نے اس کی طرف دیکھ کر فحش سا اشارہ کیا۔

تینوں نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

مس جین کا قہقہہ سب سے نمایاں تھا۔

اس ملاقات میں سکینہ نے اسے اگلا سارا پلان سمجھا دیا تھا جو انہیں کرنا تھا۔ اب اسے دہلی شہر میں اس پلان کی تربیت حاصل کرنی تھی۔ سکینہ اور مس جین اسے اگلے دو روز تک ان جگہوں پر گاڑی میں گھماتے رہے جہاں اس منصوبے کے مطابق کام ہونا تھا۔

دونوں راتیں عامر نے مس جین کے ساتھ گزاری تھیں اور مس جین نے واقعی اب اپنے آپ کو اس کی ناگزیر جسمانی ضرورت بنا دیا تھا۔

عامر کے لئے اس کے بغیر تین چار گھنٹے گزارنا بھی مشکل ہو جایا کرتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر جب بھی اس درمیان وہ فریدہ کے سامنے پہنچا اس کی محبت جین کے جذبہ جنسیت پر غالب آتی رہی۔

وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس کے اندر نیکی کی کون سی قوت زندہ ہے۔ اپنی دانست میں تو اس نے خود پر شیطان کو اس بری طرح غالب کر لیا تھا کہ اب پرانی زندگی میں واپس لوٹنا ہی اس کے لئے مصیبت بن چکا تھا۔

تیسرے روز "را" کی مراد بر آئی۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق شاہین نے اسے اپنے کوڈ نام سے فون کر کے دریافت کیا تھا کہ

"کاروبار کیسا چل رہا ہے۔"

"ایک دم شاندار حمید بھائی..... بڑا اچھا گاہک لگا ہے تم فوراً مال روانہ کر دو....."

عامر نے بے چینی سے کوڈ دہرایا۔

"ٹھیک ہے کل دوپہر تک دونوں بلٹیاں تمہیں مل جائیں گی۔ خدا حافظ"

دوسری طرف سے شاہین نے پیغام دیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عامر کو علم نہیں تھا کہ "را" اسے بتائے بغیر اس کا فون بھی "بگ" کر رہی تھی اور اس کے

سکینہ کو یہ اطلاع پہنچانے سے پہلے یہ اطلاع وہاں پہنچ چکی تھی۔

خوشی کے مارے سکینہ کے پیر زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ اس کے سوال کا جواب "ہاں" میں مل گیا تھا ابھی تک شاہین کا اعتماد قائم تھا۔

15 اگست کی آمد آمد تھی۔

تیسرے روز بھارت اپنا یوم آزادی منا رہا تھا ساری دنیا سے معزز مہمان دہلی میں آئے ہوئے تھے۔

سکینہ نے یہی دن اپنے منصوبے کے لئے منتخب کیا تھا۔

❁❁❁

اس نے عامر کے منہ سے یہ سنتے ہی کہ کام منصوبے کے مطابق جاری ہے اور "بلٹیاں" آ رہی ہیں اسے بڑھ کر سینے سے لگا لیا تھا اور بالکل ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ یہ خبر پہلے ہی وہاں پہنچ چکی ہے۔

"ویل ڈن..... ونڈرفل۔ یو آر گریٹ مائی بوائے..... بس اب باقی سارا کام بھی پلان کے مطابق ہونا چاہئے۔"

سکینہ نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا سر..... ایسا ہی ہو گا..... آپ کی توقع کے عین مطابق۔ بس دیکھتے جائیں۔"

عامر نے اس سے زیادہ گرم جوشی دکھائی تھی۔

سکینہ نے اسے سارا منصوبہ متعدد مرتبہ دہرانے کے بعد مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔

اس مرتبہ اس نے اپنے کسی بھی ماتحت پر اعتماد کرنے کے بجائے معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے کر خود اس آپریشن کی کمانڈ سنبھالی تھی۔

جین کو اس نے ہوشیار کر دیا جو اب سائے کی طرح عامر سے چپک گئی تھی۔ بم اس کے لئے "را" نے ہی تیار کیا تھا اور اسے "آپریٹ" کرنے کا سارا طریقہ بھی سمجھا دیا تھا۔ رات کے کچھ گھنٹے ہی اس نے مس جین کے بغیر اپنے گھر میں گزارے تھے وگرنہ تو جین ہی اس کے پہلو سے چپکی رہی تھی۔

اگلے روز شاہین کی ہدایت کے مطابق وہ جموں سے دہلی آنے والی ٹرین سے اپنے مہمانوں کو لینے کے لئے ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔

شاہین نے اسے بتایا ہوا تھا کہ اسے اسٹیشن پر کس جگہ اور کون سے کپڑے پہن کر کھڑا ہونا ہے اس نے وہی کچھ کیا تھا۔ عامر کو لاعلم رکھ کر سکسینہ کی کمان میں ''را'' کے سات ایجنٹوں نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں جکڑ رکھا تھا۔

گاڑی کی آمد کا اعلان ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے انجن پلیٹ فارم کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ عامر کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ وہ اب خاموشی سے عین اس جگہ کھڑا ہو گیا تھا جس کی نشاندہی شاہین نے کی تھی۔

ٹرین رکی۔

مسافر ایک ایک کر کے اترنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ساری ٹرین خالی ہو گئی۔

لیکن.....

ابھی تک اس کی ''بلٹیاں'' وصول نہیں ہوئی تھیں۔

چند منٹ کے لئے تو اس پر بھی گھبراہٹ طاری ہونے لگی لیکن پھر اسے شاہین کی بات یاد آ گئی جس نے کہا تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی جگہ 20 منٹ تک ان کا انتظار کرے اس درمیان کسی بھی وقت وہ لوگ یہاں آ سکتے تھے۔

عامر کو یہاں کھڑے قریباً پندرہ منٹ ہونے کو آ رہے تھے جب اچانک ہی وہ چونک اٹھا۔ اس کی پشت سے ایک سکھ نے اس کا وہ نام لے کر مخاطب کیا تھا جو اسے شاہین کی طرف سے ملا تھا۔

''خالد بھائی..... کیسے ہیں آپ؟''

ہندی اور پنجابی کے ملے جلے لہجے میں کہا گیا اور جیسے ہی عامر نے گردن گھمائی اس کی حیرانی دوچند ہو گئی اس کے سامنے ایک سکھ نوجوان کھڑا تھا۔

''مال آ گیا۔''

عامر نے سنبھل کر کوڈ دہرایا۔

''یار فصل اچھی ہو گئی ہے۔''

سکھ نوجوان نے جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی انہیں ایک کشمیری نوجوان قریب آتا دکھائی دیا۔

''میرا نام امر سنگھ ہے اور یہ حفیظ۔''

سکھ نے عامر سے تعارف کروایا۔

دونوں باری باری آپس میں اس طرح بغل گیر ہوئے تھے جیسے عامر سے ان کی دیرینہ دوستی رہی ہو۔ ان کے پاس معمولی سا بیگ تھا۔

عامر دونوں سے باتیں کرتا سٹیشن کی حدود سے باہر آ رہا تھا۔ جہاں اسے ایک ٹیکسی کے ذریعے پرانی دہلی کے علاقہ چتلی قبر پر جانا تھا جہاں ایک ''گیسٹ ہاؤس'' میں ''را'' نے س کے مہمانوں کے قیام کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ 15 اگست کی آمد کی وجہ سے دہلی میں دوسرے شہر سے آنے والے مہمانوں کا رش لگا ہوا تھا۔ عین ان لمحات میں جب وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کی طرف جا رہا تھا۔ سکسینہ نے اپنی گاڑی کے ریڈیو سے ''سٹینڈ بائی آل سٹیشن'' کا سنگل دے دیا تھا.....!!

''را'' کے ایجنٹ سائے کی طرح ان سے چپک گئے تھے۔

سکسینہ نے بہترین ''سرویلنس ٹیم'' کا انتخاب کیا تھا۔ یہ لوگ تمام ممکنہ وسائل سے مسلح اور ایک اشارے پر کچھ بھی کر گزرنے کے لئے تیار تھے۔

❁❁❁

سٹیشن کے باہر مخصوص مقام پر ''را'' کا ایک ایجنٹ ٹیکسی ڈرائیور کی شکل میں موجود تھا۔ اس کی ٹیکسی پر بیٹھ کر تینوں ''چتلی قبر'' تک آئے تھے جہاں ایک پہلے سے طے شدہ گیسٹ ہاؤس میں ایک کمرہ اس نے بک کروا رکھا تھا۔

امر سنگھ اور حفیظ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر اور عامر آگے بیٹھا تھا۔

راستے میں انہوں نے بمشکل دو تین باتیں کی تھیں حالانکہ عامر ان سے فری ہونا چاہتا تھا لیکن وہ دونوں خاصے محتاط دکھائی دے رہے تھے شاید وہ گاڑی میں کوئی بات کسی بھی موضوع پر

کرنے سے اجتناب کرتے رہے اور سلسلہ گفتگو حمید بھائی کی خیریت جاننے تک ہی محدود رہا۔

گیسٹ ہاؤس سے کچھ فاصلے پر ہی عامر نے ٹیکسی رکوالی اور ان دونوں کے ساتھ پیدل چل دیا۔ وہ دونوں پر یہی ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ بہت ذمہ دار اور محتاط ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے ٹیکسی گیسٹ ہاؤس کے سامنے نہیں رکوائی۔

گیسٹ ہاؤس کے استقبالیہ پر مس جین خود موجود تھی اس نے مہمانوں کا ''ہارد ائیک من'' (دل کی گہرائیوں سے) استقبال کیا۔

اس مرتبہ سکینہ کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے ''را'' کے مخصوص گیسٹ ہاؤس کا انتخاب خود ہی کیا تھا جہاں بیرے سے لے کر مالک تک سب ''را'' کے ملازم تھے۔

مس جین کی کمان میں ساری ٹیم خصوصی ہدایات کے تحت یہاں موجود تھی۔ جس کمرے میں انہیں ٹھہرایا گیا تھا اسے بطور خاص ''بک'' کیا گیا تھا۔

عامر نے انہیں بھی بتایا تھا کہ گیسٹ ہاؤس کے مالک کا بیٹا اس کا کلاس فیلو ہے اور اس گنجان آباد علاقے میں اس نے جان بوجھ کر گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا تھا۔ پرانی دہلی کے اس علاقے کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں پر ہی مشتمل تھی۔

عامر نے ان کے کمرے ہی میں ان کے لئے مشروبات منگوا لئے تھے اور ان سے باتیں کرنے لگا۔

امر سنگھ نے اپنا تعلق خالصتان کمانڈو فورس سے بتایا اور عامر کو حفیظ نے بتایا کہ کشمیری اور سکھ مجاہدین ایک دوسرے کی ہر ممکن معاونت کرتے ہیں تا کہ دونوں ایک دوسرے کے تعاون سے براہمن سامراج سے آزادی حاصل کر سکیں۔

آج 14 اگست تھا۔

اگلے روز بھارت کا یوم آزادی.....

اور.....

اس دن کو انہوں نے منتخب کیا تھا۔

حفیظ نے بتایا کہ منصوبے کے مطابق امر سنگھ بم والا بریف کیس لے کر پولیس ہیڈ

کوارٹر جائے گا جب کہ حفیظ اور عامر اس کی نگرانی کریں گے۔

عامر نے انہیں بتایا تھا کہ بریف کیس لے کر وہ رات کو یہاں پہنچ جائے گا اور صبح وہ دونوں ناشتے کے بعد اپنے مشن پر روانہ ہوں گے۔

ان کی اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سکینہ کے سامنے رکھے ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ ہو رہا تھا۔

اس رات سکینہ نے بمشکل دو گھنٹے کی نیند لی تھی۔

وہ مسلسل بیس بائیس گھنٹے سے جاگ رہا تھا۔

لیکن.....

کیا مجال جو معمولی سی سستی بھی اس پر چھائی ہو۔

آج تو وہ اپنی زندگی کا بہترین مشن انجام دینے جا رہا تھا۔ آج کی کامیاب کارروائی کے بعد اسے خصوصی انعامات ملنے والے تھے۔ آج اس کے کارنامے کی رپورٹ براہ راست زیر اعظم کے سامنے پیش کی جانی تھی اور ہونے والی ممکنہ عزت افزائی کے نشہ سے اس کی گردن ابھی سے تن گئی تھی۔

❁❁❁

مس جین نے عامر کو بتا دیا تھا کہ دراصل اب اس کی صلاحیتوں کا امتحان شروع ہونے والا ہے۔

اس نے خاص طور پر عامر سے کہا تھا کہ اب اسے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے اور اسی پلان کے عین مطابق عمل کرنا ہے جس کی پریکٹس اسے گزشتہ تین روز سے مسلسل کروائی جا رہی تھی۔

اب تو عامر کو وہ گلیاں اور مخصوص مقامات حفظ ہو گئے تھے جہاں اس نے قدم بہ قدم اس منصوبے پر عمل کرنا تھا۔

بریف کیس کھول کر اس نے ایک گھنٹے کا ٹائم بم پرفٹ کر دیا تھا۔ انہیں یہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹر تک آدھے گھنٹے میں پہنچنا تھا جس کے بعد پندرہ منٹ میں باقی تمام مراحل طے کرنے تھے۔

باقی پندرہ منٹ دراصل ''مارجن ٹائم'' تھا۔

15 اگست کی وجہ سے ٹریفک زیادہ ہونے کے سبب انہوں نے پندرہ منٹ بھی ممکنہ رکاوٹ کے پیش رکھے ہوئے تھے۔

مجاہدین کا خیال تھا کہ 15 اگست کی وجہ سے پولیس ہیڈ کوارٹر میں زیادہ نفری موجود نہیں ہوگی یوں بھی پولیس نے ساری توجہ شہر کے حساس مقامات پر مرکوز کی ہوگی اس لئے انہیں زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔

تینوں نے ناشتہ اکٹھے ہی کیا تھا۔

عامر آدھی رات تک ایک نزدیکی سیف ہاؤس میں مس جین کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا تھا۔اس لئے اسے اس بات علم نہیں تھا کہ امر سنگھ اور حفیظ بمشکل دو گھنٹے ہی آرام کر پائے تھے جس کے بعد سے وہ دونوں کمرے میں عبادت میں مشغول تھے۔

حفیظ تہجد کی نماز کا عادی تھا۔

لیکن.....

آج وہ بہت پہلے ہی اٹھ گیا اور ساری رات اپنے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑاتا رہا۔جب کہ امر سنگھ نے آدھی رات کے بعد اٹھ کر ''اشنان'' کیا اور پھر ''پانچوں بانیوں'' کا پاٹھ کرنے کے بعد بڑے خشوع وخضوع سے ارداس (دعا) کی تھی۔

خوف ان دونوں کو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

دونوں جانتے تھے کہ وہ موت کی راہ کے مسافر ہیں اور ان کی مخالفت موت کرتی ہے۔

اور.....

جب موت کسی کی محافظ بن جائے تو وہ دنیاوی خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔''را'' نے اپنے خصوصی ایجنٹ عامر خان کو آخری لمحات میں کسی جذباتی مرحلے پر پھسل جانے سے بچانے کے لئے مکمل اہتمام کر رکھا تھا۔

سکسینہ کا شمار ''را'' کے ذہین افسروں میں ہوتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ عامر گیا گزرا ہی سہی۔

لیکن.....

مسلمان تو ہے!!

عین ممکن تھا کہ کسی بھی لمحے اس کی غیرت ایمانی جوش مارتی اور سارا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیتا۔

اسی خوف کے پیش نظر اس نے 15 اگست کی رات کو بطور خاص مس جین کے ذریعے اسے بہلائے رکھنے کا بندوبست کیا تھا۔مس جین نے بھی جشن آزادی ایک رات پہلے ہی منانے کا مکمل اہتمام کر لیا تھا۔

عامر کو اس نے لذت کے ان جہانوں سے آشنائی بہم پہنچائی کہ اس کی غیرت کو عملاً مار ڈالا۔جب صبح اس نے ایک فاتح کی حیثیت میں اپنے مدہوش شکار پر نظر ڈالی تو ایک سفاک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر خود بخود جم گئی۔

اپنے ایریا کمانڈر سکسینہ کو فون کرتے ہوئے اس نے بڑی نخوت اور نفرت سے کہا۔

''سر! آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوا کریں۔یہ تو کتوں کی طرح میرے حکم پر آپ کے تلوے بھی چاٹے گا۔میں نے اس کی رگ رگ میں جنسیت کا زہر بھر دیا ہے۔اب اس کے بچ کر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میں نے اسے اپنے جسم کا عادی بنا دیا ہے۔اب یہ میرے حکم پر آنکھیں بند کر کے جہنم میں چھلانگ لگا دے گا۔''

ویل ڈن ہنی ویل ڈن.....میں تمہیں تمہاری توقع سے بڑھ کر انعام دلاؤں گا۔''

سکسینہ نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔

''رائیٹ سر! میرے خیال سے اب اسے جگا دوں۔''

اس نے فون پر عامر خان کو بڑی غلیظ گالی دیتے ہوئے کہا۔

''اپ ٹو یو ہنی (Up to you) ''گڈ لک''

دوسری طرف سے سکسینہ نے فون بند کر دیا۔

اور.....

اپنی حس حیوانیت کو تسکین دینے کے لئے مس جین نے پہلے پیشہ ور شکاریوں کی طرح نیم مردہ سے عامر خان کے جسم پر یوں اپنا پاؤں رکھا جیسے شیر کو مارنے کے بعد شکاری اس پر پاؤں رکھ کر تصویر اتروایا کرتے ہیں۔اس کے بعد اس پر شیطانیت کا دورہ سا پڑ گیا تھا۔

اس نے سوئے ہوئے عامر خان کے گرد چکر کاٹتے ہوئے عجیب عجیب انداز سے وحشیانہ رقص شروع کر دیا پھر اچانک نارمل ہوگئی.....

باتھ روم میں جا کر اس نے شیشے میں اپنا بدلا ہوا چہرہ دیکھا اور دل ہی دل میں اپنی فتح پر قہقہہ لگا کر واپس آ گئی۔

اب وہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئی تھی..... ہندو دیویوں کی طرح اسے مختلف روپ دھارن کرنے پر خاص ملکہ حاصل تھا پھر اس نے بڑی محبت سے عامر کو اٹھا کر اپنے کام پر روانہ کر دیا۔

عامر کا جی تو نہیں چاہتا تھا۔

لیکن.....

وہ بادل نخواستہ چلا گیا۔ کیونکہ اسے ایسی مزیدار راتیں گزارنے کے لئے ان کے حکم کی تعمیل کرنی ہی تھی۔

❁❁❁

اب 10

عامر بڑا فریش ہو کر گیسٹ ہاؤس پہنچا تھا۔

شاید وہ خود زندگی بھر وقت کی پابندی نہ کر پاتا لیکن اس پر نگران مس جین نے اسے اس بند بنا دیا۔

دونوں اس کے منتظر تھے..... انہوں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ عامر نے ناشتہ رے میں ہی منگوایا اور بیرے کے برتن واپس لے جانے پر انہیں چلنے کا اشارہ کیا۔

''چنگا ویر جی..... کوئی بھل چک ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔ اگر رب نے چاہا اور زندہ گئے تو شاید اگلی زندگی میں آپ کی کوئی سیوا کر سکیں.....''

امر سنگھ نے چھوٹی سی کرپان اپنے کپڑوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔

عامر خاموش رہا.....

اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں بالکل مطمئن ہیں اور یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے چھو کر بھی نہیں گزرا۔

''آیئے دعا کریں۔''

یہ کہتے ہوئے حفیظ اور عامر نے ہاتھ اٹھا دیئے جب کہ امر سنگھ کمرے کے ایک کونے

میں سر جھکائے کھڑا اپنی دانست میں ''اتم ارداس'' (آخری دعا) کر رہا تھا۔ اختتام پر اس
''بولے سونہال.....ست سری اکال'' کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

دونوں باری باری ہونقوں کی طرح منہ کھولے عامر سے بغل گیر ہو گئے۔

''خالد بھائی..... یہاں سے ٹارگٹ تک تم ہمارے راہنما ہو۔ مجھے تنظیم کی طرف
اس مہم کی کمانڈ سونپی گئی ہے۔ میں اپنا فرض جانتے ہوئے آپ سے کچھ باتیں گوش گزار
دوں.....کسی بھی ناگہانی صورت حال کے پیش آنے پر آپ ہم دونوں کو چھوڑ کر نکل جائیں کیو
آپ کی جان جہاد کے لئے ہماری جانوں سے زیادہ حیثیت رکھتی ہے۔ کسی بھی حادثے صور
میں اگر آپ چاہیں تو براہ راست یہاں سے کشمیر جا سکتے ہیں۔ مشن کی کامیابی پر بھی ہمارے را
الگ ہو جائیں گے۔ آپ ہم دونوں سے الگ ہو کر چلیں گے۔ اصولی طور پر آپ کا کام بم بنا
دینے کے بعد سے ختم ہو گیا ہے لیکن آپ کے جذبہ جہاد کے پیش نظر اور مقامی ماحول اور راستو
سے آشنائی کی وجہ سے آپ کو اس کے بعد بھی اس مہم میں شامل رکھا گیا ہے ہمیں پولیس ہیڈ کوا
تک پہنچانے کے بعد آپ ہم سے الگ ہو جائیں گے۔ زندہ رہے تو اگلی ملاقات انشاء اللہ سری
میں ہو گی۔''

حفیظ نے کہا۔

تینوں نے باری باری ایک دوسرے سے مضبوطی سے ہاتھ ملایا اور عامر کے پیچھے پیچھے
چلتے کمرے سے باہر آ گئے۔

استقبالیہ کاؤنٹر پر مس جین حسب سابق موجود تھی۔

''گڈ مارننگ سر۔''

اس نے تینوں کی طرف دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی۔

''گڈ مارننگ۔''

تینوں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''اینی سروس سر!(Any Service)''

اس نے ایک اچھی ہوٹل ملازمہ کے فرائض نبھاتے ہوئے ان سے شاید یہاں ٹیک
وغیرہ منگوانے کے لئے پوچھا تھا۔

''نہیں شکریہ۔ ہمارے پاس کنوینس ہے۔''

عامر نے کہا۔

''آل رائٹ سر!''

مس جین نے پیشہ ور استقبالی خواتین کی طرح جواب دیا۔

تینوں اب گیسٹ ہاؤس کے مین گیٹ سے باہر آ گئے۔ ان کے کاؤنٹر عبور کرتے ہی
ین نے کاؤنٹر کے نیچے چھپے ''واکی ٹاکی'' پر ان کی روانگی کا سنگل دے دیا تھا۔

❁❁❁

کھیل شروع ہو گیا تھا۔

اب کھیل کا مرکزی اور اہم ترین کردار عامر خان تھا اور اسے ساری ریہرسل دراصل
ے منصوبے کو کامیاب کروانے ہی کے لئے کروائی گئی تھی۔

قدیم دہلی کی گلیوں سے گزارتا وہ انہیں پیدل ہی لے کر جا رہا تھا۔ اس ہجوم میں
ا آنکھیں ان پر نگران تھی۔

حفیظ اور امر سنگھ یہی سمجھ رہے تھے کہ عامر خان نے جان بوجھ کر یہاں سے کچھ دور تک
انے کا محفوظ طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ دونوں بھی یہی چاہتے تھے کہ پولیس ہیڈ کوارٹر تک
ے لئے سواری کی مدد کم ہی لی جائے۔

ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر عامر کے اشارے پر امر سنگھ نے بریف کیس کا ایک بٹن دبا
س کا مطلب تھا کہ بم پر نصب ٹائم نے کام شروع کر دیا ہے۔ اس بم کو بناتے ہوئے بطور
یال رکھا گیا تھا کہ گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز زیادہ سنائی نہ دے۔

امر سنگھ نے اندازہ کر لیا تھا کہ واقعی آواز باہر سنائی نہیں دے رہی۔

تینوں ایک خاصے گنجان آباد علاقے سے گزر رہے تھے جب ایک جگہ ٹیکسی سٹینڈ کے
عامر نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

''یہاں سے ٹیکسی لیتے ہیں۔''

اس نے حفیظ کے نزدیک سے گزرتے ہوئے کہا۔

حفیظ نے اثبات میں گردن ہلا دی اور امر سنگھ کی طرف دیکھا جو دونوں سے بظاہر

لاپرواہ سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس پکڑے کسی سرکاری آفیسر کی طرح ایک طرف تھا۔ چاروں طرف عوام کا اژدہام تھا یا پھر پولیس کے سپاہی جو محض اپنی کارکردگی دکھانے کے خوامخواہ کسی سائیکل، رکشہ، موٹر سائیکل اور ٹیکسی والے کو روک کر تلاشی کے لئے کہتے اور پھر گرم ہونے پر انہیں آگے جانے دیتے۔

اچانک ہی عامر اور حفیظ نے پولیس کے دو نوجوانوں کو امر سنگھ کی طرف بڑھتے دیکھا۔

"سر آپ کہاں جائیں گے۔"

ایک پولیس والے نے اچانک ہی امر سنگھ سے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا..... دماغ تو ٹھیک ہے ناں مجھے نہیں پہچانتے۔"

امر سنگھ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان پر رعب جمایا۔

"سر! معافی چاہتے ہیں۔ ڈی سی پی صاحب کا حکم ہے کہ کسی بیگ بریف کیس کو کئے بغیر نہ جانے دیا جائے۔"

ایک سپاہی نے جو دراصل "را" کا انسپکٹر تھا بڑی عاجزی سے کہا۔

"شٹ اپ میں سی بی آئی آفیسر ہوں۔"

امر سنگھ نے انہیں ڈانٹ کر بھگانا چاہا۔

"سر! آپ کو تو پھر ہماری مجبوری سمجھنی چاہئے۔ کرپا کر کے اپنا کارڈ دکھا دیجئے۔"

اس سپاہی نے کہا۔

اس درمیان ان کا حوالدار بھی اس طرف آ گیا۔

"اے کیا ہے کیوں صاحب کو تنگ کر رہے ہو۔"

اس نے دور ہی سے دونوں کو ڈانٹا۔

"کیا بات ہے صاحب۔"

اس نے نزدیک آ کر بڑے احترام سے امر سنگھ سے پوچھا۔

"کیسے بدتمیز لوگ ہیں یہ....."

امر سنگھ نے اپنا طنطنہ برقرار رکھا۔

"اوئے کیا بات ہے کیا پھڈا ہے۔"

حوالدار نے سپاہیوں کو بظاہر ڈانٹا۔

"مہاراج ہم نے سر کو ڈی سی پی صاحب کا حکم بتایا ہے یہ سی بی آئی آفیسر ہیں۔ ہم نے کوئی غلطی نہیں کی صرف ان کی شناخت طلب کی ہے۔"

سپاہی نے بظاہر ڈرتے ہوئے حوالدار سے کہا۔

"سر! معاف کیجئے ہماری مجبوری ہے۔ آج کوئی وی آئی پی بھی چیک ہوئے بغیر نہیں جا سکتا۔ آپ انہیں آئی ڈی دکھا دیجئے ناں....."

حوالدار نے بھی وہی بات کہی۔

امر سنگھ سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر موجود حفیظ کے نزدیک کھڑے عامر نے بظاہر اس کی مدد کے لئے آگے بڑھنے کی اداکاری کرنی چاہی۔

لیکن.....

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حفیظ نے اسے روک دیا۔

"کیا بکواس ہے۔"

کہتے ہوئے بظاہر امر سنگھ نے بریف کیس زمین پر رکھ کر بڑے غصے سے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا تاکہ اپنی شناخت دکھا سکے لیکن شناخت کے بجائے وہاں سے پستول برآمد ہوا۔

"خبردار! اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ مارے جاؤ گے۔"

امر سنگھ نے انہیں للکارا تو وہاں موقع پر دو تین لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ بڑی عجیب سچویشن تھی۔ دس پندرہ آدمی بیک وقت امر سنگھ کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے اچانک ہی ایک ہوائی فائر کر دیا۔

اور.....

ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

پستول دیکھ کر کسی کو اس کے تعاقب کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ عامر حیران تھا کہ امر سنگھ یا حفیظ نے اسے ابھی تک پستول کے بارے کچھ نہیں بتایا تھا اور اچانک ہی اب پستول نکل آیا تھا۔ اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی تھی کہ کہیں اس کے مالکان اس بات کا غصہ نہ کریں کہ اس نے پستول کے

تھی۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا میں دن رات ایک ہی راگ الاپا جا رہا تھا کہ غیر ملکی طاقتوں کی اشیرواد سے کشمیری اور سکھ دہشت گردوں کی طرف سے دہلی میں تخریب کاری کا خطرہ ہے۔

غیر ملکی مہمانوں میں جن کی اکثریت سفارتکاروں اور اعلیٰ حکام پر مشتمل تھی اس پراپیگنڈہ سے خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی کیونکہ اس سے پہلے ''را'' نے سری نگر میں اپنی ذیلی نام نہاد مجاہد تنظیم سے پانچ غیر ملکی سیاح بھی اغوا کروا دیئے تھے۔ جس کے بعد سے یورپین اور امریکی ایجنسیوں نے بھارت میں موجود اپنے شہریوں کو وارننگ دے دی تھی کہ وہ بھارت میں سفر کے دوران بے حد محتاط رہیں اور مقبوضہ کشمیر کا تو رخ بھی نہ کریں۔

اب دھماکہ کروا کر بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیل کر ''را'' نے ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کے میڈیا میں مسلمانوں کو بدنام کر دیا تھا۔

اپنی آزادی کے لئے سربکف کشمیری مجاہدین کو دہشت گرد بنا دیا تھا۔ اس طرح انہیں ایک مرتبہ پھر بے گناہ کشمیری عوام کے جان و مال سے کھیلنے کا ان کے گھروں کو جلانے کا ان کی قتل و غارت گری کا لائسنس مل گیا تھا۔

اب لمبے عرصے تک وہ اپنا شیطانی کھیل کھیل سکتے تھے اور دنیا بھر کی ہیومن رائٹس کی تنظیموں کو گمراہ کر سکتے تھے۔

رات گئے اس بم دھماکے کے متعلق جو سرکاری بیان جاری ہوا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ کشمیری اور سکھوں نے بھارتی سالمیت کے خلاف مشترکہ کارروائی کی ہے جسے سرحد پار سے پشت پناہی حاصل تھی۔ دہشت گردوں نے گنجان آباد علاقے میں بم دھماکہ کر کے عوام کے جان و مال کو نقصان پہنچا کر حکومت کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حکومت ان کی بلیک میلنگ میں نہیں آئے گی بلکہ ان سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔

پولیس کے ساتھ مقابلے میں مرنے والے ایک دہشت گرد کی ''امر سنگھ'' کے نام سے شناخت ہوئی تھی جس کا تعلق خالصتان کمانڈو فورس سے تھا اور جس کے متعلق بھارتی انٹیلی جنس نے اطلاع دی تھی کہ وہ کافی عرصے سے سرحد پار پاکستان میں پناہ حاصل کر چکا ہے۔

ایک بیان میں بھارتی وزیر اعظم نے پاکستان کو سخت ''چیتاونی'' دیتے ہوئے مذموم کارروائیوں سے باز آنے کے لئے کہا تھا اور دنیا بھر کی توجہ پاکستان کی ان کارروائیوں کی طرف

دلائی تھی جن کی وجہ سے بھارت کے بے گناہ شہریوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے جس کے ساتھ ہی اس عزم کا اعادہ کیا گیا تھا کہ حکومت ان کارروائیوں کا سختی سے نوٹس لے گی۔

❁❁❁

امر سنگھ کو پستول نکالتے عامر اور حفیظ نے دیکھ لیا تھا۔

وہ یہاں کھڑے ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

''آپ نکل جائیں۔ میں جاتا ہوں۔''

عامر نے بظاہر حفیظ کو یہی تاثر دینا چاہا کہ وہ اسے بچا کر خود قربانی دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

لیکن.....

حفیظ نے اس کے کندھے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

''نہیں خالد بھائی۔ آپ میرے ساتھ بھی نہ رہیں اب یہاں سے ہماری منزل الگ الگ ہے۔ انشاء اللہ سری نگر میں ملاقات ہوگی۔''

اس نے کہا۔

عامر کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے ''خدا حافظ'' کہتے ہوئے دوسری طرف گھوم گیا۔

عامر ہکا بکا اپنی جگہ کھڑا رہا۔

یہ نئی بپتا آن پڑی تھی۔

اسے احکامات کے مطابق ابھی ان لوگوں کے ساتھ ہی رہنا تھا جب کہ حفیظ الگ ہو رہا تھا۔ امر سنگھ اور پولیس کے درمیان فائرنگ ہو رہی تھی اور امر سنگھ پلک جھپکتے ہی مارا گیا تھا۔ ایک بات کا تو اسے یقین تھا کہ اگر حفیظ کے پاس اسلحہ ہوتا تو وہ اس کے استعمال سے قطعاً نہ چوکتا اور ضرور امر سنگھ کو بچانے کی کوشش کرتا۔

اس سے پہلے کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچے حفیظ نے ساتھ والی گلی کا موڑ مڑا اور ہجوم میں غائب ہو گیا۔ وہ صرف عامر کی نظروں ہی سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ ''را'' کے وہ ایجنٹ بھی ہاتھ ملتے رہ گئے جو ان دونوں کے پیچھے سائے کی طرح لگے ہوئے تھے۔ حفیظ کا یہ اقدام دراصل بالکل غیر متوقع تھا۔ طے شدہ پلان کے مطابق عامر نے اسے یہاں سے کسی بھی طرح اپنے گھر لے جانا تھا جہاں

سے اسے رات گئے فرار کروانا تھا اور ''را'' نے اسے عامر کے گھر سے روانہ ہونے کے بعد حفیظ کا اس وقت تک تعاقب کرنا تھا جب تک کہ وہ دہلی سے نکلنے کے لئے کوشش نہ کرتا۔

عین آخری لمحات میں جب انہیں یقین ہو جاتا کہ اب وہ یہاں سے سیدھا سری نگر جائے گا ''را'' نے اسے مار دینے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہاں بھی انہیں اچانک ہی تلاش اور شناخت وغیرہ کا ڈرامہ رچانا تھا اور اتنے شاندار طریقے سے مارنا تھا کہ کسی کا خیال بھی اس طرف نہ جاتا کہ اس کی موت کے پیچھے کسی صورت میں عامر خان کا ہاتھ ہے۔

لیکن.....

یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ گئی تھی۔

اچانک ہی حفیظ انہیں جُل دے کر نکل گیا تھا۔

جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا سکینہ کو پیغام پہنچ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے میٹھا کھاتے کھاتے اچانک اس کے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو۔

''ڈیم اٹ''

وہ واکی ٹاکی پر ہی چیخ پڑا۔

''سر.....سب کچھ اچانک ہوا۔ یہاں بہت رش لگا ہے۔''

''بکواس مت کرو۔ گدھے بے وقوف اسے ڈھونڈو۔ اسے پکڑو۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ بوکھلائے ہوئے ''را'' کے ایجنٹ پرانی دہلی کی تنگ گلیوں میں بھاگتے ہوئے چاروں طرف حفیظ کو ایسے ڈھونڈ رہے تھے جیسے کسی گمشدہ گائے کو تلاش کر رہے ہوں۔

لیکن.....

اب یہاں ان کے لئے بچا ہی کیا تھا۔

حفیظ تو کب کا نکل چکا تھا۔

وہ ان کے حصار سے نکل کر محفوظ ہو چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ ''را'' کے ایجنٹ دہلی کے تمام بس سٹینڈز اور دیگر مشتبہ جگہوں کو اپنے گھیرے میں لیں وہ ایک لوکل ٹرین کے ذریعے میرٹھ کی طرف عازم سفر تھا اس نے فی الوقت سری

نگر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا وہ یہاں سے دور نکل کر اگلے تین چار روز کے بعد دہلی کے بجائے کسی دوسرے راستے سے چکر کاٹ کر مقبوضہ کشمیر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اسے علم تھا پٹھان کوٹ سے سری نگر تک ہر ممکنہ پوائنٹ پر اس کے استقبال کے لئے دشمن موجود ہوگا۔

لیکن.....

اس کا ایمان تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اچانک آن پڑنے والی بپتا سے نجات دلائی ہے اور دشمن کے چنگل سے وہ نکل آیا ہے اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے اور وہ ضرور بخیر و عافیت کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہوگا اور ایک مرتبہ کشمیر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد دشمن کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا۔

ان کا یہی ایمان تھا۔

یہی وہ پختہ عزم تھا۔

جس نے ان گوشت پوست کے انسانوں کو دشمن کے آتش و آہن کے قلعوں سے ٹکرا دیا تھا۔

اور.....

وہ بڑی کامیابی سے یہ جنگ لڑ رہے تھے۔

غنیم لاکھوں میں تھا۔

اور.....مجاہد چند ہزار تھے۔

لاکھوں کشمیری ان کے لئے دعا گو ضرور تھے لیکن میدان میں عمل چند ہزار نوجوان ہی سر بکف تھے جن کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔

جو بظاہر دشمن کے مقابلے میں چیونٹی اور پہاڑ کا تناسب رکھتے تھے۔

لیکن.....

جن کے عزم اور جہد مسلسل نے دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

یہ تائید ایزدی نہیں تو کیا تھا کہ جس نے دشمن کو اندھا کر دیا۔ بظاہر تمام ہتھیاروں اور وسائل سے لیس ''را'' کے ایجنٹوں کی آنکھوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جانا کوئی معمولی

بات نہیں تھی۔

❁❁❁

عامر نے ہدایات کے مطابق یہاں سے سیدھے اپنے گھر کا رخ کیا۔

ابھی وہ گھر میں داخل ہی ہوا تھا جب اس کی بہن آصفہ نے اسے پرانی دہلی میں بم پھٹنے اور اس سے ہونے والی ہلاکتوں کی خبر دی۔

''افسوس یہاں سارا نقصان مسلمانوں ہی کا ہوا ہوگا اس علاقے میں ہندو آبادی اور بزنس تو نہ ہونے کے برابر ہے۔''

آصفہ نے بم کی اطلاع کے ساتھ ہی اپنا عندیہ بھی ظاہر کر دیا۔

ایک لمحے کے لئے تو عامر کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل زور سے پکڑ کر مٹھی میں دبا دیا ہو۔ اسے اگلے ہی لمحے سمجھ آ گئی کہ ''را'' نے آخر اس علاقے کو بم دھماکے کے لئے کیوں منتخب کیا تھا۔ اس طرح چانکیہ کے چیلوں نے واقعی ایک تیر سے کئی شکار کر لئے تھے۔

سب سے پہلا نشانہ تو انہوں نے مسلمانوں کو بنایا تھا۔

انہوں نے عامر خان کو قربانی کا بکرا بنا کر بھارتی مسلمانوں کو کشمیری مجاہدین سے متعلق ورغلانے کی گھناؤنی سازش کی تھی۔ اگلے روز جب اخبارات کی چیختی چلاتی سرخیاں اعلان کرتیں کہ یہ دھماکہ کشمیری مجاہدین کی کسی تنظیم نے کیا ہے تو سب سے پہلے بھارتی مسلمانوں میں یہ غلط فہمی جنم لیتی کہ آخر کشمیری مجاہدین نے مسلم اکثریتی علاقے ہی کو کیوں منتخب کیا؟

کیا وہ کسی ہندو آبادی کو نشانہ نہیں بنا سکتے تھے؟

اس طرح کی غلط فہمیاں پھیلانے اور انہیں دلوں میں پختہ کرنے میں ''را'' کو کمال حاصل تھا۔ اخبارات میں یہ کہانیاں شائع ہوتیں کہ مجاہدین کو دہلی کے کسی مسلمان ہمدرد نے اپنے ہاں پناہ دی تھی اور انہوں نے مسلمان ہی کو نشانہ بنا لیا۔

دہلی کی پولیس اس دھماکے کی آڑ میں متعلقہ مسلم آبادی کے ہر ایسے مسلمان نوجوان کو گرفتار کر لیتی جس سے متعلق انہیں کوئی بھی شکایت ماضی میں رہی ہو یا پھر مستقبل میں امید ہو کہ وہ بلوائیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتا ہے۔

کوئی بھی ایسا مسلمان جو اپنی شبانہ روز محنت سے اپنا بزنس بڑھانے کا جتن کر رہا ہو

پولیس کا نشانہ بن جاتا۔

یہ تو تھے مقامی فوائد.....!!

بین الاقوامی سطح پر بھارت ایک مرتبہ پھر پاکستان کے خلاف اپنی مذموم پراپیگنڈہ مہم کو تیز کر دیتا۔

ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کے اخبارات میں پاکستان کو انتہا پسند مسلم ملک کی حیثیت سے نمایاں کیا جاتا۔ اس ایک دھماکے کی آڑ میں سری نگر میں درجنوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا کہ ان کا تعلق تخریب کاروں سے ہے۔

ایسے کئی خدشات نے اچانک ہی عامر خان کے ذہن میں جنم بھی لیا۔

لیکن.....

ان تمام جذبوں پر پھر ایک جذبہ جنسیت اچانک حاوی ہو گیا۔ یہ سوچ کر کہ اسے اگلی رات پھر مس جین انعام میں ملنے والی ہے تمام خدشات ہوا ہو گئے۔

اور.....

ایک مرتبہ پھر اس کے دل و دماغ پر وہی جین چھا گئی۔

❁❁❁

''را'' کی ہدایت کے مطابق وہ بادل نخواستہ اکیلا ہی اپنے گھر پہنچا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ وہ سکینہ سے خود رابطہ کر کے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کرے یا پھر وہ خود ہی اس سے رابطہ کریں گے۔

ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ ان لوگوں کو یقیناً اس بات کا علم ہو چکا ہوگا کہ ان کا ایک شکار اگر مارا گیا ہے تو دوسرا ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہوگا اور اس بات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ انہوں نے ایک لمحے کیلئے بھی حفیظ یا عامر پر سے نظر ہٹائی ہوگی۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ لوگ ابھی تک حفیظ سے چمٹے ہوئے ہوں اور وہ ان کی دسترس میں رہا ہو۔

لیکن.....

یہ بات عامر خان جانتا تھا کہ وہ حفیظ کو کبھی گرفتار نہیں کریں گے۔ حفیظ کی گرفتاری سے وہ ساری بازی الٹانا نہیں چاہیں گے اور بڑے شکار پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اس جیسی کئی چھوٹی

مچھلیوں کو چارہ بنائے رکھیں گے۔

گھر بیٹھے ابھی اسے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی جب اس کی بہن آصفہ نے پرانی دہلی میں بم پھٹنے کے حادثے کی اطلاع دی اور بتایا کہ اس میں بہت سے بے گناہ مسلمان مارے گئے ہیں کیونکہ وہ ساری آبادی مسلمانوں ہی کی تھی۔

عامر کا ماتھا ٹھنکا۔

لیکن.....

اس نے بظاہر اس طرح لاتعلقی اختیار کئے رکھی جیسے وہ آصفہ کے سامنے پہلے کیا کرتا تھا۔ آصفہ نے جب دیکھا کہ وہ بالکل ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو چپ چاپ واپس چلی گئی۔

عامر قدرے بے چین تھا۔

لیکن.....

کمال ضبط سے اس نے اپنی بے چینی چھپائی ہوئی تھی۔

ابھی تک اس سے سکینہ یا جین نے رابطہ نہیں کیا تھا اور یہ بات اسے بڑی الجھن میں ڈال رہی تھی پھر اس نے خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ ان معاملات کو وہ اس سے بہر حال زیادہ بہتر سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ عامر سے کب رابطہ کرنا ہے اور کب نہیں کرنا۔ اس سوچ نے اسے قدرے مطمئن کر دیا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے کے سامنے ٹیرس میں آرام دہ کرسی پر دراز تھا جب فریدہ نے اسے مخاطب کیا۔

عامر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''خیریت۔''

فریدہ نے اس کے چہرے پر بے چینی کی تحریر پڑھ لی تھی۔

''ہاں..... کوئی بات نہیں تم سناؤ کب آئی۔''

اس نے بظاہر فریدہ کو مطمئن کرنے کے لئے کہا۔

''میں بھی ابھی آئی ہوں۔ بڑی افسوسناک خبر ہے۔ تمہیں تو علم ہو گیا ہو گا؟''

اس نے عامر کی طرف دیکھ کر عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔

''ہاں وہ بم دھماکہ واقعی بڑی خبر ہے۔''

عامر نے چاہا کہ وہ اس موضوع پر بات نہ کرے۔

''مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔''

خلاف توقع فریدہ نے اچانک ہی پوچھ لیا۔

''کیا؟''

عامر نے حیرانگی سے اور چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اگر یہ بم دھماکہ واقعی مجاہدین نے کیا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کے علاقے کا انتخاب ہی کیوں کیا؟ وہ کہیں اور بھی کچھ کر سکتے تھے۔ اس کے لئے کناٹ پلیس سے موزوں جگہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔ پھر آخر انہوں نے بے چارے مسلمانوں ہی پر کیوں قیامت ڈھائی.....''

فریدہ نے پوچھا۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ دھماکہ مجاہدین نے کیا ہی نہ ہو..... اور انہیں مسلمانوں کی نظروں سے گرانے اور بین الاقوامی دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے بطور خاص 15 اگست کو یہ کارروائی کی گئی ہو.....''

عامر نے اچانک ہی قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''اللہ تمہارا بھلا کرے عامر تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔''

فریدہ نے جوش جذبات میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

عامر یہی چاہتا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدہ کا دھیان ایک لمحے کے لئے بھی اس طرف جائے کہ اس دھماکے میں کسی بھی طرح عامر کا ہاتھ ہے۔ اس لئے اس نے فریدہ سے وہی کہہ دیا جو اس کے دل میں تھا۔

اور.....

وہ بے چاری مزید گمراہ ہو گئی۔

''بڑی کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے انہوں نے۔''

فریدہ نے ہونٹ چباتے ہوئے غصے سے کہا۔

''ہاں..... لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تم خود ہی تو ایسی بے شمار کمینگیاں گنوایا کرتی ہو۔

یہ تو ان کی تاریخ ہے۔ چانکیہ سے آج تک وہی سلسلہ جاری ہے۔ ارے بھئی تم خود ہسٹری
طالب علم ہو۔ تم سے بہتر کون جانتا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان بے چاروں کی صفائی قبو
نہیں کرے گا۔''

عامر نے اسے مزید خوش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں عامر بہترین دلیل توپ کے منہ سے ہی برآمد ہوتی ہے اور طاقت ان کے ہا
میں ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب ایسا کرنے والوں کو ضرور حساب دینا پڑے گا
انہیں ایک ایک ظلم کا بمعہ سود قرضہ چکانا ہوگا۔''

فریدہ نے قدرے تلخی سے کہا۔

''فریدہ دعا کرنا شاید مجھے اگلے دو تین روز میں سری نگر جانا پڑے۔ شاہین بھائی
مجھے وہاں طلب کرلیا ہے۔ اگر زندہ لوٹ آئے تو ضرور ملاقات ہوگی۔ ورنہ.....''

عامر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں عامر خدا کے لئے ایسا نہ کہو..... مجھے بہت دکھ ہوگا۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے عا
میں اس روز کے بعد سے تم سے کتنی محبت کرنے لگی ہوں۔''

بے ساختہ فریدہ کے منہ سے نکل گیا۔

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

اور.....

اس نے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

عامر نے خود کو دل ہی دل میں داد دی۔

اپنی شاندار اداکاری پر۔

واقعی اس نے میدان مار لیا تھا۔

اگر فریدہ ذرا سا تجسس کرتی اور وہ اس کی کسی بات کی معمولی سی بھی نفی کرتا تو
معاملہ گڑبڑ ہو جاتا۔

''ویل ڈن عامر صاحب..... ویل ڈن شاباش۔''

اس نے اپنی مکاری کو دل ہی دل میں خراج تحسین پیش کیا۔

اور.....

اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر دوپٹے سے آنسو پونچھتی فریدہ کے کندھے پر اپنا لرزتا ہاتھ
کھ دیا۔ آج سے پہلے اس نے کبھی فریدہ کو چھو کر نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی اس نے کبھی اتنی جرأت کی
تھی۔

لیکن.....

آج اچانک پیدا ہونے والی جذباتی فضا سے اس نے فائدہ اٹھانے کا مصمم عزم کر رکھا
تھا۔

''فریدہ مجھے زیادہ باتیں تو کرنا نہیں آتیں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دشمن کو
ینٹ کا جواب اب پتھر سے ملے گا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت چکانی پڑے.....''

اس نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ آہستگی سے الگ کرلیا۔

غم واندوہ سے بے حال فریدہ جس کا دل بے گناہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے
س گھناؤنے حادثے سے کٹ کر رہ گیا تھا اس کی طرف گھومی تو اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو
ہی تھیں۔

''عامر.....''

اس کے منہ سے نکلا۔

اور.....

سسکیاں لیتے ہوئے وہ عامر کے سینے سے لگ گئی۔

❁❁❁

عامر لرز کر رہ گیا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ کوئی لڑکی اس کے سینے سے ٹکرائی اور اس کی یہ حالت
ہوئی ہو۔

وہ شرم سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

ایک لمحے کے لئے بھی اس پر جنسیت نے غلبہ نہیں پایا تھا۔

اسے یوں لگا جیسے فریدہ نے اس کے سینے پر اپنا سر نہیں بلکہ کوہ ہمالیہ اٹھا کر رکھ دیا ہو
کوئی بھاری چٹان اس کے دل پر آ کر ٹک گئی تھی۔

احساس ندامت تھا۔

ضمیر کی خلش تھی۔

گناہ کا جان لیوا احساس تھا۔

یا پھر اس کے لاشعور میں ابھی تک زندہ رہ جانے والی نیکی کی وہ کرن جو اچانک کبھی کبھی جاگ کر اس کی گناہ آلود زندگی کے اندھیروں میں تلخ سوال کی طرح اس کے سامنے تن کر کھڑی جاتی تھی۔

''بس کرو فریدہ۔ خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ چپ ہو جاؤ۔''

اس کے منہ سے بے ربط سے الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

اور.....

اس نے آہستگی سے فریدہ کو خود سے الگ کر دیا اسے بازو سے پکڑ کر اس کرسی پر بٹھا
جس پر خود نیم دراز تھا۔

اچانک ہی کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

عامر کا دل دھک سے رہ گیا۔

''میں ابھی آیا۔''

کہہ کر وہ فریدہ کو اس حالت میں چھوڑ کر کمرے تک پہنچا اور فون اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

توقع کے عین مطابق دوسری طرف مس جین کی چہکتی آواز سنائی دی۔

''ہیلو۔ اتنی دیر میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔''

اس نے چھٹتے ہی کہا۔

''ارے کیوں ڈارلنگ..... میرے ہوتے ہوئے کیوں گھبرا گئے تھے۔''

دوسری طرف مس جین ہدایات کے عین مطابق بات کر رہی تھی۔ اسے سکینہ نے
دیا تھا کہ مرغی ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

سکینہ نے کہا عین ممکن ہے پہلے بڑے حادثہ کے بعد وہ گھبرا گیا ہو۔

''یہ مُسلے سالے بڑے عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ ساری زندگی تمہارے ساتھ چلتے رہیں
ی کبھی ان کا اعتبار نہ کرنا۔ ان کم بختوں میں ضمیر جاگ جائے تو مصیبت موجود رہتی ہے..... اور
ک ہی کسی وقت ان کا ضمیر جاگ جائے تو مصیبت لے آتے ہیں..... اسی لئے تو ایجنسی نے
ی کسی مسلمان کو اپنی مستقل ملازمت میں نہیں رکھا..... اس لئے تو ان پر اعتبار نہیں کیا
ا..... اور تم بھی اس پر کبھی اعتبار نہ کرنا..... اس سالے کا تو آئی کیو بھی نارمل سے زیادہ
..... کسی بھی وقت اس کے بگڑ جانے کے امکانات ذہن میں رکھنا..... کسی بھی وقت..... اور
ج تو بطور خاص اسے اپنے ساتھ ہی الجھائے رکھو کہیں ٹی وی پر سالے مسلمانوں کی لاشیں اور
ں دیکھ کر اس کا موڈ نہ بدل جائے۔''

سکینہ نے اسے سمجھاتے ہوئے رازداری سے کہا تھا۔

''سر! اگر اس نے ایسا کیا تو اپنے ہاتھوں سالے کی ایک ایک ہڈی توڑ کر اسے اپاہج بنا
ا گی۔ زندہ درگور کر دوں گی سر.....! میں نے زندگی میں کسی ایجنٹ کو اتنی لفٹ نہیں کروائی جتنی
ے کروائی ہے..... آپ جانتے ہیں سر..... میں ناگزیر حالات میں کسی کے بستر پر صرف چند گھنٹے
کرتی ہوں لیکن اس کے ساتھ میں نے درجنوں راتیں بسر کی ہیں۔ اول تو بچ کر جا ہی نہیں
ا..... سر! ایک مرتبہ میرے جسم سے آشنائی کے بعد کوئی مرد بھی میرا بندہ بے دام بن کر رہ جاتا
۔ میں نے بڑے بڑے پنڈتوں اور سوامیوں کو اپنے تلوے چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی اوقات
لیا ہے.....''

جین نے اپنی فکر بڑے بے ہودہ انداز میں نمایاں کرتے ہوئے سکینہ سے کہا تھا۔

''مجھے تم پر فخر ہے جین..... ساری ایجنسی کو تم پر فخر ہے۔ لیکن ایک اچھی انٹیلی جنس آفیسر
نے کے ناطے تم کسی بھی امکان کو کبھی نظر انداز نہ کرنا۔''

سکینہ نے اس کے گال پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

''اونہہ..... دیکھ لوں گی سالے کو.....''

جین نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''اینی وے (Any Way) ایک بات ذہن میں رہے کہ ''اگر دادیوں'' (دہشت

گردوں) تک براہ راست رسائی پانے والا دہلی میں یہ تمہارا واحد "سورس" ہے۔ اسے قابو میں رکھنا۔

اس نے جین کو آنکھ ماری اور فون کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس سے رابطہ کر کے اسے بلائے جس پر مس جین نے اسے فون کیا تھا۔

❁❁❁

"کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوئی ناں..... سب کام تمہارے حکم کے مطابق ہی ہوا ہے۔"

عامر نے سنبھل کر کہا۔

"ارے ڈارلنگ سب ٹھیک ہو گیا تم کیوں پریشان ہو۔"

مس جین نے دوسری طرف سے کھنکتی آواز میں کہا۔

"میرا مطلب تھا وہ سالا کشمیری میرے ہاتھ سے نکل گیا اور انہوں نے یہ ہی نہیں بتایا تھا کہ ان کے پاس پستول ہے ورنہ میں....."

"اوہو..... چھوڑو بھی..... کیا بہکی باتیں کر رہے ہو..... فوراً ادھر چلے آؤ اور ہاں ساری رات کی چھٹی لے کر آنا۔ آج تو تمہیں بطور خاص سپیشل ٹریٹ دیا جا رہا ہے اور جان من دس ہزار روپے کیش انعام الگ سے ہے..... اچھا میں فون رکھتی ہوں..... اب اور نہ جلاؤ بس جلدی آ جاؤ۔"

دوسری طرف سے جین نے فون پر کس کر کے فون رکھ دیا۔

عامر جو مس جین کی آواز پر ہی اپنے اوسان گنوا چکا تھا یہ نہ جان سکا کہ تجسس کے ہاتھوں بے قرار فریدہ بلی کی طرح پنجوں پر چلتی اس کے پیچھے موجود تھی اور اس نے عامر کی ایک ایک بات سن لی تھی۔

❁❁❁

پہلے تو اسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔ فریدہ کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ چند لمحوں پہلے عامر کے لئے پیدا ہونے والی محبت اب ہزار گنا نفرت میں بدل چکی تھی۔

اس کے ناتواں ہاتھوں میں سکت ہوتی تو ابھی عامر کا گلا گھونٹ دیتی لیکن وہ بے بس

تھی۔ جیسے ہی عامر نے فون رکھ کر گردن گھمائی اور اس کی نظر فریدہ پر پڑی تو اسے یوں لگا جیسے اچانک اس کی تمام نبضیں ساکت ہو گئی ہوں۔ جیسے اچانک نظام کائنات تھم گیا ہو۔

جیسے حیات کو موت آ گئی ہو۔

"تم آگ سے کھیل رہے ہو عامر..... آگ سے۔ یاد رکھنا جب یہ شعلہ بھڑکا تمہارا امن تو جلے گا ہی کوئی اور بھی محفوظ نہیں رہے گا۔"

فریدہ شعلہ جوالا بنی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہہ رہی ہو تم مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔"

اس نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"تم جانتے ہو عامر میں کیا کہہ رہی ہوں..... کاش میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی نہ کی ہوتی۔ اس روز تم نے مجھے جو کچھ کہا میں نے اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کیا۔ لیکن آج یہ میں نے اپنے کانوں سے سن لیا ہے اس کے بعد....."

وہ خاموش ہو گئی۔

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

گلہ رندھ گیا تھا۔

اور.....

اسے اپنی بات مکمل کرنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

"فریدہ تم خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہو۔"

عامر نے جس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے کہ فریدہ نے اس کی چوری پکڑ لی ہے اور کوئی ڈھنگ کی بات نہ سوجھنے پر یہی فقرہ کہہ دیا۔

لیکن.....

فریدہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے سسکیاں لے کر باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا۔

عامر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ فریدہ کو اس طرح روتے دیکھا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

عامر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔

اس کے لئے تو یہ انکشاف ہی بڑا جان لیوا تھا کہ فریدہ کو اس کی اصلیت کا علم ہو گیا ہے۔ وہ فریدہ کو جانتا تھا اسے علم تھا کہ فریدہ اس کا یہ جرم کبھی معاف نہیں کرے گی۔ فریدہ نے اس کی بیشتر گمراہیوں کو نظر انداز کیا تھا۔

لیکن.....

عامر کو اس ملی گناہ کو نظر انداز کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔

وہ خاموشی سے مجرموں کی طرح سر جھکا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

اسے آج احساس ہوا تھا کہ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ابھی اس کا ضمیر زندہ تھا جو آج ایک تلخ سوال بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس سے ان گناہوں کا جواز طلب کر رہا تھا جو اس نے محض اپنی درندگی کی تسکین کے لئے کئے تھے۔

مس جین کے ذریعے "را" نے اسے انسان سے درندہ بنا دیا تھا۔

وہ چند لمحوں کی جنسی تسکین کے لئے اس کے اشارے پر کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ اس کے نہاں خانہ دل میں کہیں فریدہ بھی ایک مضبوط حوالہ بن کر بیٹھی ہے ایسا حوالہ جو اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گیا تھا۔

گناہوں کے گرد میں دب جانے والا یہ سنگ میل دھند چھٹتے ہی اس کے سامنے اپنی موجودگی کا ثبوت بن کر کھڑا تھا۔

کیا فریدہ کو سب کچھ بتا دے؟

فریدہ اس کی بات کا یقین کر لے گی؟

کیا اس کا ماضی ایسا رہا ہے کہ جس کو مدنظر رکھ کر فریدہ ہی کیا کوئی بھی شریف لڑکی اس کی اس بات کو مان لے گی کہ اس کا ضمیر اچانک بیدار ہو گیا ہے۔

اور.....

وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر تل گیا ہے۔

اپنے پاپوں کا پراشچت کرنا چاہتا ہے۔

اپنے دامن پر لگے بے گناہوں کے خون کے چھینٹے دھو کر سرخرو ہونا چاہتا ہے۔

وہ تو کب سے خود کو گناہگار محسوس کر رہا تھا۔

وہ تو کب سے چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح اس چنگل سے نکل جائے۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ فریدہ اس کی بات پر یقین کرے یا نہ کرے۔ اتمام حجت ہی کے لئے وہ فریدہ کو ضرور بتا دے کہ وہ خود ایک عرصے سے ان دیکھی آگ کا ایندھن بنا ہوا ہے۔

وہ تو خود یہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح اس جہنم سے اس گناہ کی دلدل سے نکل کر وہ سارے قرض بمعہ سود چکا دے جو اس کی جان پر تھے۔

اور.....

یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ آج فریدہ نے اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے فون کرتے دیکھ اور سن لیا تھا۔

اس کی اصلیت جان لی تھی.....

فریدہ کی اچانک موجودگی کے انکشاف نے تو اس کے ضمیر پہ تازیانے کا کام کیا تھا۔ اس کے صرف اس فقرے نے کہ وہ آگ سے کھیل رہا ہے اور یہ آگ اس کے دامن کو تو جھلسائے گی ہی باقی سب کچھ بھی جل کر راکھ ہو جائے گا۔

فریدہ کی اس بات نے جیسے اس کی ساری کائنات ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر اچانک ایک نئے عامر نے جنم لے لیا ہو۔ جیسے وہ اس ایک تازیانے کا منتظر تھا جو اس کے ضمیر پر کوڑے کی طرح برسے اور اسے اپنی اصلیت کی طرف لوٹا دے۔

ایک مسلمان کی اصلیت کی طرف۔

اس شناخت کی طرف جو ایک سازش کے تحت اس سے چھین لی گئی اب تک اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے وہ ایک مایوس انسان دکھائی دے رہا تھا۔

لیکن.....

اچانک ہی جیسے اک ولولہ تازہ اس کے دل میں جاگا اور جب اس نے اپنا متاسف چہرہ فریدہ کی طرف کیا تو فریدہ نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ کسی بدلے ہوئے شخص کو دیکھ رہی ہے۔

اس لمحے اس نے عامر کی آنکھوں میں جو چمک دیکھی تھی اس کا مشاہدہ اس سے پہلے

کبھی نہیں ہوا۔

❁❁❁

''فریدہ مجھے علم ہے کہ میرے ماضی کو ذہن میں رکھتے ہوئے تم شاید میری ان باتوں
بھی یقین نہ کرو جو میں تمہیں کہنے جا رہا ہوں..... تم شاید یہی سمجھو کہ میں اب بھی ماضی کی
جھوٹ بول کر اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن ایسی بات نہیں میں بڑی
اذیت کا شکار ہوں اور یہ سوچ میرے لئے بڑی ہی پریشان کن ہے کہ میں ایک ایسی لڑکی سے بات
کرنے جا رہا ہوں جس سے میں آج بھی اسی طرح محبت کرتا ہوں جس طرح آج سے دس سال
پہلے جب میں بچہ تھا کیا کرتا تھا لیکن افسوس تب اور اب میں بہت فرق ہے۔ آج میری حیثیت
تمہارے نزدیک ایک گمراہ اور ملت دشمن غدار کی ہے..... لیکن تم میری بات کا یقین کرنا فریدہ کہ
کچھ ہوا وہ میرا اختیاری عمل نہیں تھا۔ تم یہ سمجھو کہ جیسے کوئی شخص ہپناٹزم کے اثر میں سب کچھ کر جاتا
ہے اور اچانک جب وہ اثر ختم ہو تو ہوش میں آ جاتا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے فریدہ کو ''را'' کے شکنجے میں پھنسنے کی اپنی ساری کہانی سنا دی۔ فریدہ
حیرت اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''فریدہ میرا ضمیر جاگ گیا ہے۔ مجھے اپنے گناہوں کا شدت سے احساس ہے لیکن
میں ان گناہوں کا ازالہ صرف ان درندوں سے علیحدگی اختیار کر کے نہیں کر سکتا..... اول تو اس
دلدل میں پھنسنے کے بعد یہاں سے چھٹکارہ ہی ممکن نہیں۔ اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی جو قیامت
میرے بھائیوں پر ٹوٹ چکی ہے اس کا احساس مجھے اگر مار نہیں ڈالے گا تو جینے بھی نہیں دے گا
اور..... تم جانتی ہو فریدہ کہ میں زندہ درگور نہیں ہو سکتا..... یہ بات میری فطرت کے خلاف ہے۔
مجھے ان گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے میں سب کو تباہ کر دوں گا۔ مجھے علم ہے کہ اپنی کمترین حیثیت
کے پیش نظر میں انہیں مکمل تباہ نہیں کر سکتا لیکن وہ لوگ جنہوں نے میرا ناجائز استعمال کیا۔ مجھے
انسان سے درندہ بنا ڈالا۔ میں ان سے انتقام ضرور لوں گا.....''

اور فریدہ نے دیکھا غصے اور شرم کے احساس سے اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اس
کے چہرے کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔

فریدہ نے کمرے کے ایک کونے میں میز پر دھرے جگ سے گلاس اٹھایا اور پانی کا
گلاس بھر کر زبردستی اسے پینے کے لئے کہا۔ دو تین گھونٹ پانی حلق اتارنے کے بعد وہ قدرے
نارمل ہو گیا۔

''بس عامر تمہیں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں..... تم سچ بول رہے ہو مجھے اس بات کا
یقین ہے۔ اگر تم جھوٹ بول رہے ہوتے معمول کی طرح تو میں شاید ایک لمحہ بھی یہاں رکنا گوارا
نہ کرتی۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں نے ماضی میں تمہارے جھوٹ کو کبھی سچ نہیں سمجھا۔ لیکن
میں جانتی ہوں کہ آج تم جھوٹ نہیں بول رہے۔ عامر جھوٹ سچ کو جاننے کے لئے ہمیں بہت عالم
ہونے کی ضرورت نہیں۔ سچائی تو کوندے کی طرح وجدان پر لپکتی ہے اور اپنا آپ منوا لیتی ہے۔
تمہارا ماضی کیا تھا۔ تم سے کیا گناہ سرزد ہوا۔ اب تمہیں اور مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔
ہمارے والدین کو غلامی ورثے میں منتقل ہوئی تھی جو انہوں نے ہمیں منتقل کر دی ہے..... عامر اگر
اس خاشاک میں کہیں کوئی ایسی چنگاری سلگ رہی ہے جس کے بس میں شعلہ بن کر خاشاک غیر
اللہ کو بجھا سکنے کی امید ہے تو ہمیں اس کو جلائے رکھنے کے لئے اس کی طرف لپکنے والے طوفانوں
کے راستے کی دیوار بن جانا چاہئے۔ یہ تو ایک امید ہے جو جانے کتنی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد
دلوں میں جاگتی ہے..... عامر ہم صدیوں سے غلام ہیں پہلے انگریز کے اب ہندو کے۔ اگر غلامی
کے خلاف کہیں کوئی صدا بلند ہوتی ہے تو اس کے پیچھے ان لاکھوں بے گناہ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں
کی دعائیں ہیں جو صدیوں سے غلامی کی اس تاریک رات کا شکار بنتی چلی آ رہی ہیں..... اور اب
یہ دعائیں قبولیت حاصل کرتی دکھائی دے رہی ہیں..... عامر! تم نے جو کچھ جہالت میں کیا ہو
چکا۔ اب اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اس راستے پر تم مجھے ہمیشہ اپنے ہمرکاب پاؤ گے۔''

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

عامر کو یوں لگا جیسے اس کے دل و دماغ پر پڑا کوہ ہمالیہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہو۔

اسی لمحے وہ خود کو بدلا ہوا انسان محسوس کر رہا تھا۔

''ایسا ہی ہوگا فریدہ ایسا ہی ہوگا..... اب ہماری ملاقات بدلے ہوئے حالات میں ہو
گی..... اب تم اس عامر سے کبھی نہیں مل پاؤ گی جس کی آج اس جگہ موت واقع ہو گئی ہے۔''

اس نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔

باب 11

تھوڑی دیر بعد وہ فریدہ سے اذن رخصت لے رہا تھا۔

اس نے فریدہ سے درخواست کی تھی کہ اس کی اصلیت کا علم اس کی موت سے پہلے کسی کو نہ ہونے دے۔ اس نے فریدہ سے کہا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر اس سے ضرور ملے گا اور اسے اس جہنم سے نکال کر لے جائے گا۔

''فریدہ میں جس سفر پر جا رہا ہوں اس کی منزل موت ہے..... میں موت کی راہ کا مسافر ہوں۔ زندگی کی یہ خواہش ضرور تھی کہ کبھی تمہارے ساتھ مل کر اپنا گھر بساؤں گا۔ لیکن اب ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ اگر تمہیں کبھی میری موت کی خبر ملے تو مجھے معاف ضرور کر دینا اور اپنا گھر بسا لینا..... فریدہ تم کچھ نہ کہو صرف میری باتیں سنو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ آج یہ دہلی میں میری آخری رات ہے۔ کاش میرے گھر میں کوئی اس قابل ہوتا جسے میں اعتماد میں لے کر یہ سب کچھ بتاتا اور وہ مجھ پر فخر کرتا بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ تم جانتی ہو یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں اور میری اس حرکت کو پاگل پن سے تشبیہ دیں گے۔ لیکن..... مجھے امید ہے کہ آصفہ ایسا نہیں کرے گی..... میری درخواست ہے کہ مناسب وقت پر تم آصفہ کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دینا..... میں تم سے رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ خود تلاش کر لوں گا..... مجھے مجاہدین نے ''خالد'' نام دیا تھا۔ دعا کرنا میں اس نام کی لاج رکھ سکوں..... میں اس بم دھماکے کی پہلی قسط آج ہی چکا جاؤں

گا..... میری غلطیوں کو معاف کر دینا..... اچھا خدا حافظ۔''

اس نے فریدہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا.....

''عامر..... میں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گی۔ اس راہ شہادت پر خود کو کبھی اکیلے نہ سمجھنا۔ میری جیسی لاکھوں مسلم زادیوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اللہ تمہارا اور مجاہدین کا حامی و ناصر ہو..... خدا حافظ۔''

اس نے بھی عامر کو دونوں ہاتھ گرمجوشی سے دبا کر اسے رخصت کر دیا۔ عامر نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف بھر کے دیکھا بالکل یوں جیسے اس کی شبیہہ کو ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں کے راستے دل پر نقش کر لینا چاہتا ہو۔ جیسے ان لمحات کو امر کر لینا چاہتا ہو۔

اور.....

پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر آ گیا۔

معمول کے مطابق اس نے ''سیف ہاؤس'' تک کا سفر طے کیا اور مطمئن انداز میں خود کو بالکل نارمل رکھ کر سکسینہ کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں مس جین بے قراری سے اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھی۔ معمول کے مطابق اس نے اپنے جسمانی جال کو بری مضبوطی سے تان کر رکھا ہوا تھا تاکہ مچھلی کو نکلنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر آج اس کی کسی ادا کا جادو ابھی تک عامر پر نہیں چلا تھا یہ الگ بات کہ اس نے خود کو اب نارمل نہیں ہونے دیا تھا اور معمول کے مطابق ہی ساری حرکتیں کر رہا تھا..... اس نے گو کہ اپنی زبانی سارے واقعات بلا کم و کاست بیان کر دیئے تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ صرف کارروائی ہے ان لوگوں کے پاس تمام معلومات پہلے سے موجود ہیں۔

''بھئی میں تو یہی چاہتا تھا کہ تم آج ہی سری نگر کے لئے نکل جاؤ لیکن مس جین کی ضد ہے کہ آج رات تم ان کے مہمان رہو۔ اس لئے مجبوری ہے..... بہر حال کل صبح ہی اس طرح نکلو جس طرح یہاں سے فرار ہو کر جا رہے ہو اور وہاں کا رابطہ تو تمہیں معلوم ہی ہے..... صرف فون نمبر یاد رکھو جہاں تم نے وہی مخصوص کوڈ ادا کرنا ہے اور ہر طرح کی انفارمیشن وہاں پہنچا کر وہیں سے ہدایات موصول کرنی ہیں..... کوشش کرنا کسی بھی طرح ان کے تین چار لیڈروں کو دہلی میں جمع کر

لو..... ہمارے نمبر تو پھر بنیں گے ورنہ محنت ہماری ہوگی اور نمبر ان سالوں کے بن جائیں گے..... ٹھیک ہے ناں.....''

سکسینہ نے کہا۔

''سر! آپ مطمئن رہیں بس دیکھتے رہیں۔ ہمارا کچھ بنے نہ بنے میں آپ کو ٹاپ پر پہنچادوں گا۔''

اس نے یہ بات جس انداز میں کی تھی اگر سکسینہ کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ اسے ابھی گولی مار دیتا۔

وہ عقل کا اندھا کچھ سمجھ ہی نہ سکا.....!!

اس نے تو فتح کے نشے میں بدمست ہو کر اپنے ہی اس اصول کو فراموش کر دیا تھا کہ ان مسلمانوں کا کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے ان کا ضمیر تو کبھی کسی لمحے بھی بیدار ہو سکتا ہے۔

یہی بات جو وہ اپنے ماتحتوں سے ہمیشہ کہتا آیا تھا آج خود بھلا بیٹھا تھا۔

اور.....

وہ عامر کی آنکھوں سے جھلکتی اس نفرت کو اس کے لہجے کی اس تلخی کو جان ہی نہ سکا جو اچانک ہی اس میں در آئی تھی۔

''یہ ہے تمہارا خصوصی انعام اور باقی انعام واپسی پر۔''

یہ کہتے ہوئے سکسینہ نے اس کے ہاتھوں میں نوٹوں کا ایک بنڈل تھما دیا جو عامر نے اطمینان سے ''شکریہ'' کہہ کر اپنی جیکٹ کی جیب میں منتقل کر لیا تھا۔

''گڈ لک..... اب واپسی پر ملاقات ہوگی۔''

اس نے عامر سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے دوسرے کمرے میں جاتے ہی جین لپک کر اس تک پہنچی اور اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

عامر نے خود پر انتہائی ضبط کرنے کے بعد اس کی اس حرکت کا مثبت جواب دیا تھا اور دل میں اللہ تعالیٰ سے فوراً ہی معافی بھی مانگ لی تھی۔

''میڈم گاڑی تیار ہے۔''

ایک مستعد انسپکٹر نے اندر آ کر اطلاع دی۔

''او۔ کے۔ چلو۔''

اس نے عامر کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں انسپکٹر کے تعاقب میں واپس آ گئے۔

❁❁❁

سیف ہاؤس سے وہ ایک کار میں باہر آئے تھے۔

کار انسپکٹر ڈرائیو کر رہا تھا۔ ان کی منزل تاج محل تھی جہاں آج حسب روایت اس نے مرکو ''خصوصی ٹریٹ'' دینا تھی۔

انسپکٹر نے انہیں ہوٹل کے مین گیٹ پر ڈراپ کر دیا۔

جین اس کی بانہوں میں بانہیں ڈالے استقبالیہ کاؤنٹر تک آئی جہاں ان کا کمرہ پہلے سے بک تھا۔

ان کا کوئی سامان تو تھا نہیں دونوں لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر اپنے پر تکلف کمرے میں آ گئے جہاں گھستے ہی جین نے باتھ روم کا رخ کیا پھر معمول کے مطابق اسے اندر سے لاک کر گرا لیا۔

''ایک منٹ.....''

پہلی مرتبہ آج عامر نے یہ بات کہی تھی۔

''کیا.....''

جین بھی حیران رہ گئی۔

''ذرا باتھ روم تک۔''

اس نے ہاتھ کی انگلی سے لیٹے لیٹے مخصوص اشارہ کیا۔

''اوہو..... بھئی خود پر کچھ تو کنٹرول رکھا کرو۔''

اس نے عامر پر سے ہٹتے ہوئے گھٹیا سی حرکت کی۔

عامر سیدھا باتھ روم میں چلا گیا۔

جس کے ایک کونے میں موجود ڈریسنگ پر مس جین کا ہینڈ بیگ موجود تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے ہینڈ بیگ سے جین کا پستول نکالا اور اطمینان سے باہر آ گیا۔

مس جین حالات سے بے خبر..... عامر کے اندر اٹھتے طوفان سے نا آشنا۔ اپنی فتح کے

نشے میں سرشار بیڈ کے کونے پر بیٹھی خود کو کپڑوں سے بے نیاز کر رہی تھی۔

عامر کے قدموں کی آہٹ پر وہ اس کی طرف گھومی اور لرز کر رہ گئی۔

''یہ کیا۔''

اس نے حیرانگی سے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی طرف سیدھی ہوتی نالی کو دیکھ کر کہا۔

''عامر کیا مذاق ہے۔''

بظاہر اس نے چالاکی سے اٹھنا چاہا۔

''اونہوں..... خبردار معمولی سی حرکت بھی نہ کرنا..... مجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑ چکا ہے۔ اس پاگل پن میں کچھ بھی ہو سکتا ہے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں.....''

عامر نے اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''دیکھو عامر..... یہ محبت کا کون سا انداز ہے..... مجھے سمجھ نہیں آیا..... اچھا میں تمہارے لئے وہسکی منگواتی ہوں.....''

اس نے خود کو سنبھال کر فون کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔

''شٹ اپ۔''

عامر نے اسے اتنے زور سے ڈانٹا کہ جین کا ہاتھ کسی میکانکی عمل کے تابع اپنی جگہ واپس لوٹ آیا۔

عامر کا یہ سلوک اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے عامر تم.....''

''خاموش رہو..... اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو.....''

عامر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

مس جین تربیت یافتہ انٹیلی جنس آفیسر تھی اسے ہر لمحے ناگہانی آفات اور اچانک پیش آ جانے والے واقعات کا مقابلہ کرنے کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

لیکن.....

آج اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ہوں۔ اس نے بلیک کیٹس کمانڈوز کے ساتھ خصوصی تربیتی کورس کیا تھا۔ لیکن یہاں تو اس کے قدموں نے ہی اس کا

ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

❁❁❁

''مس جین..... تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔ اب میری باری ہے۔ تم لوگوں نے میری معصومیت اور کمزوریوں کا بڑا گھناؤنا استعمال کیا ہے۔ میرے ہاتھوں میرے ہی بھائی بندوں کے پرخچے اڑوا دیئے اور اب انہیں تباہ کروانے کے لئے بھی میرا استعمال کرنے جا رہے ہو۔ معلوم نہیں اب تک تم نے اپنے غلیظ اور ناپاک جسم سے کتنے نوجوانوں کو تباہی اور بربادی کے اس راستے پر گامزن کیا ہے۔ معلوم نہیں تم کتنی تباہی لا چکی ہو..... لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ میں تمہارا آخری شکار تھا۔ اب میں تمہاری لاش کا تحفہ تمہارے مالکوں کے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں..... اب میں تم لوگوں کو چن چن کر ماروں گا۔ ایک ایک خون کی بوند جو تم نے میرے ذریعے بہائی ہے کا بدلہ چکاؤں گا..... مجھے بربادی کے اس راستے پر تم نے لگایا تھا میں تمہارا وہ جسم ہی نہیں رہنے دوں گا جس کے ذریعے تم میرے جیسے کسی اور معصوم نوجوان کی معصومیت کا خون کر سکو..... تم نے مجھے تو مکا دیا مس جین لیکن اب تم بھی نہیں بچو گی۔''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

مس جین کو اپنا سانس سینے میں اٹکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے دل نے اچانک دھڑکنا بند کر دیا ہو۔

''دیکھو عامر..... تم مجھے بھلے مار ڈالو لیکن میری ایک بات سن لو۔''

اس نے آخری ہتھیار آزمانا چاہا کہ کسی طرح عامر کو باتوں میں الجھا کر کچھ وقت حاصل کرے اس کی جذباتی کیفیت کو بدلنے کی کوشش کرے۔

لیکن.....

عامر اسے مہلت دینے کے لئے تیار نہیں تھا.....

اس نے مس جین کی کھوپڑی کے ساتھ پستول کی نالی چپکائی اور ٹریگر دبا دیا.....

چھوٹے سے ولایتی پستول سے ہلکی سی آواز نکلی اور گولی مس جین کے جنسیت سے بھرے دماغ میں اتر گئی۔ اسے بمشکل دو تین لمحے کی زندگی نصیب ہوئی تھی۔ بغیر آواز نکالے وہ فرش پر گر پڑی۔

خون فوارے کی طرح اس کے سر سے بہہ رہا تھا۔

عامر نے ایک طرف ہٹ کر اس کی موت کا آخری منظر دیکھا اور مطمئن ہو کر غسل خانے کی راہ لی۔ جہاں اس نے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے..... جس کے بعد مس جین کے پرس سے اس کا آئی ڈی کارڈ نکال کر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اب وہ بیڈ کے سرہانے دھرے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے ہوٹل کے لیٹر پیڈ پر لکھنے لگا۔

❁❁❁

ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے اس نے ''ڈونٹ ڈسٹرب'' کا سٹکر نکال کر دروازے کے باہر ہینڈل میں ڈالا۔ اسے اندر سے لاک کیا۔ جین کا پستول اور کچھ گولیاں اپنے کپڑوں میں منتقل کیں اس کی ساری کرنسی اپنی جیبوں میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے ہوٹل کی لابی میں آ گیا جہاں سے وہ ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی کے ذریعے دہلی کے باہر مضافات کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں سے اس نے آگرہ جانے کے لئے ایک کار حاصل کی اور آگرہ پہنچ کر ایک ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا۔

اپنے پاس موجود دہلی کے تین بڑے اخبارات کے چیف رپورٹرز کو اس نے فون پر اطلاع دی کہ ان کے لئے تاج محل ہوٹل کے کمرہ نمبر 324 میں ایک شاندار خبر موجود ہے۔ بطور احتیاط اس نے دو غیر ملکی اخبارات کے نمائندوں کو بھی مطلع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اگلے سٹیشن کے لئے روانہ ہو گیا۔

❁❁❁

تاج محل کوئی معمولی ہوٹل نہیں تھا جس میں ہر کسی کو ہر وقت مداخلت کا حق مل سکتا۔

لیکن.....

آج اس ہوٹل کی تاریخ کی سب سے بدترین رات تھی جب یکے بعد دیگرے تین چار ملکی اور غیر ملکی نمائندے بمعہ اپنے فوٹو گرافرز کے وہاں پہنچ گئے اور سب کا رخ کمرہ نمبر 324 کی طرف تھا۔

کاؤنٹر انچارج ڈپٹی مینیجر مسز ارملا کے لئے یہ بڑی پریشان کن صورت حال تھی۔ رات

ے اس پہر وہ اپنے جی۔ ایم کو نہیں جگا سکتی تھی اور دوسری طرف اسے یہ بھی ہدایت تھی کہ اس مرے میں سرکاری وی آئی پی موجود ہیں جن کے ساتھ معمولی سی کوتاہی بھی ناقابل برداشت ہو ں اور اس پر سخت ایکشن لیا جا سکتا ہے۔

''سرکاری وی آئی پی'' کی اصطلاح وہ لوگ ''را'' کے لیے استعمال کرتے تھے جو ان ے کچھ کمرے اپنے خاص مہمانوں کے لئے مخصوص کروا رکھتے تھے۔

اس کی کیا مجال تھی جو کمرے کا رخ بھی کرتی۔

لیکن.....

دوسری طرف یہ اخبارات والے اس کی جان کو آ گئے تھے۔

''اگر آپ کمرہ نہیں کھولیں گی تو ہم پولیس کو بلاتے ہیں۔ اس بات کا تو سوال ہی پیدا یں ہوتا کہ آپ ہمیں نہ جانے دیں۔ یہ کوئی آؤٹ آف باؤنڈاریا نہیں ہے۔''

''انڈیا ٹائمز'' کے نمائندے کا پارہ چڑھ گیا۔

اس کے دیکھا دیکھی باقی اخبار نویسوں نے بھی اپنی آواز قدرے بلند کر لی۔

مسز ارملا کے لئے یہ بڑی پریشان کن صورت حال تھی۔

اس نے اخبار نویسوں سے خاموش رہنے کی درخواست کی اور کمرہ نمبر 324 میں فون رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہاں سے کیا جواب ملتا؟

گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اور کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

''میڈم آپ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کر رہی ہیں۔''

یہ کہہ کر ایک فوٹو گرافر لفٹ کی طرف بڑھا جس کی تقلید میں باقی لوگ بھی لفٹ کی رف لپکے۔ مسز ارملا کو اور تو کیا سوجھتی اسے کوئی ایمرجنسی نمبر تو معلوم نہیں تھا جہاں اس صورت ل کی اطلاع دے سکتی۔ بادل نخواستہ اس نے مقامی پولیس سٹیشن کو فون کر دیا اور خود ہوٹل کے دو یورٹی گارڈز کے ساتھ کمرہ نمبر 324 کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمرے کے باہر اخبار نویس جمع تھے اور دروازے کے ہینڈل سے ''ڈونٹ ڈسٹرب'' سائن بندھا ہوا تھا۔

''دروازہ اندر سے لاک ہے۔''

اس کے وہاں پہنچتے ہی ایک اخبار نویس نے بتا دیا۔

مسز ارملا نے سیکورٹی گارڈز کو اشارہ کیا جنہوں نے متعدد مرتبہ دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے کوئی جواب نہ دیا۔

''کاؤنٹر سے چابی لے آؤ۔''

مسز ارملا نے سیکورٹی گارڈ کو حکم دیا وہ بھاگا گیا اور چابی لے آیا۔

چابی سے دروازہ مسز ارملا نے خود کھولا تھا اس کے سکیورٹی گارڈز دروازے پر موجود تھے۔لیکن.....ان کی ایک نہ چلی جب یکے بعد دیگرے تمام اخبار نویس اندر داخل ہو گئے۔ان کے سامنے کا منظر بڑا اندوہناک تھا۔

اس شہر میں ''را'' کی کسی آفیسر کی یہ پہلی علی الاعلان موت تھی۔مرنے والی کے سینے پر اس کا شناختی کارڈ دھرا تھا اور سرہانے نمایاں جگہ پر عامر کی طرف سے لکھا ہوا پیغام موجود تھا.....فوٹو گرافروں کے کیمرے دوسرے ہی لمحے حرکت میں آ گئے اور انہوں نے پلک جھپکنے میں اس منظر کی درجنوں تصاویر محفوظ کر لیں۔

غیر ملکی اخبارات کے نمائندوں نے بطور خاص مسز ارملا اور سکیورٹی گارڈز کے روکنے کے باوجود شناختی کارڈ اور عامر کے ہاتھ کے لکھے پیغام کی تصاویر بنا لی تھیں۔

تھانے کی پولیس کے وہاں پہنچنے تک وہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔

❁❁❁

مسز ارملا زندگی میں پہلی مرتبہ اس بری طرح کنفیوژ ہوئی تھی۔

وہ اپنے پیشے کی بہترین منیجر شمار ہوتی تھی۔

تین چار غیر ملکی ڈگریوں کی حامل اور انٹرنیشنل ہوٹلوں میں کام کا تجربہ رکھنے والی مسز ارملا کو کچھ سمجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کدھر جائے۔

ہوٹل کے کمرے میں موت ہو جانا کوئی بہت بڑا واقعہ نہیں تھا۔ایسا کبھی کبھی ہو جاتا تھا لوگ خودکشی کر لیا کرتے تھے۔

لیکن.....

اس طرح کی موت نے تو اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

مرنے والی معمولی عورت نہیں تھی۔

''را'' کی انسپکٹر تھی.....اسے خصوصی مراعات حاصل تھیں۔عام حالات میں تو کسی بیرے کو بھی اس کمرے کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی جب کہ یہاں اخبار نویسوں کی فوج موجود تھی۔

وہ چاہتی بھی تو ان لوگوں کو نہیں روک سکتی تھی۔

خدا جانے انہیں کس نے یہاں بھیج دیا تھا۔

اگر پولیس ہی بروقت پہنچ جاتی تو عین ممکن تھا کہ وہ معاملات کو قابو میں کر لیتے لیکن وہ کمبخت بھی ابھی آئے تھے۔

''ہٹ جاؤ۔پرے ہٹو.....کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔''

ایک موٹے پیٹ والے انسپکٹر نے کمرے میں گھستے ہی چلانا شروع کر دیا۔مسز ارملا کا جی چاہا کہ اس کا چہرہ نوچ لے۔کمبخت ایک تو اتنی دیر سے آیا تھا اور اب آتے ہی بکواس کرنے لگا تھا۔

''شٹ اپ۔''

اس نے تھانیدار کو بری طرح ڈانٹ دیا۔

''دیکھئے میڈم آپ.....''

تھانیدار کو بھی شاید غصہ آ گیا تھا۔

''میڈم کے بچے اب کیا جھک مارنے آئے ہو۔تمہیں آدھا گھنٹہ پہلے فون کیا تھا۔یہ تمہاری کارکردگی ہے۔میں تمہاری پیٹی اتروا دوں گی.....الو کا پٹھا گدھا۔''

وہ غصے سے بے قابو جو منہ میں آئے بکتی چلی جا رہی تھی۔

تھانیدار بھی خاصا بدماغ لگتا تھا۔

اس کے لئے شاید ایسی عورت سے واسطہ پہلا تجربہ تھا۔اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا اور جواب میں اس نے پولیس والی زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔

مسز ارملا نے ہوٹل کے تمام سکیورٹی گارڈ وہیں بلا لئے تھے اور اب پولیس اور سکیورٹی والوں کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔

تھانیدار بے قابو ہو کر جب مسز ارملا کو مارنے کی نیت سے آگے بڑھا تو ایک سکیورٹی گارڈ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور تھانیدار سامنے دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی پولیس والوں اور سکیورٹی گارڈز کے درمیان ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔

اخبار نویسوں نے اس مرحلے پر بھی اپنے پیشہ ورانہ فرائض سے بالکل غفلت نہیں کی تھی۔ انہوں نے ایک ایک منظر اپنے کیمروں کی فلم پر اتار لیا تھا اور اس سے پہلے کہ یہاں ایسے ذمہ دار پہنچتے جوان کے کیمروں سے فلمیں نکال لیں انہوں نے اپنے فوٹو گرافرز کو اپنے دفاتر کی طرف بھگا دیا اور خود اگلے کسی واقعہ کی رپورٹ کے لئے مستعد ہو کر بیٹھے رہے۔

❁❁❁

مسز ارملا کے لئے اب سوائے اپنے جی۔ ایم کو مطلع کرنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا اور اس نے یہی کیا۔

جی ایم سے ہنگامی فون نمبر پر اس نے رابطہ قائم ہونے پر پہلے تو تین چار مرتبہ اس کو ڈسٹرب کرنے پر معذرت کی جس کے بعد بلا کم و کاست سارے واقعات بیان کر دیئے اور بتایا کہ وہ پولیس اور سکیورٹی گارڈز کو گتھم گتھا چھوڑ کر اپنی جان بچا کر اسے فون کرنے آئی ہے۔

''ڈیم اٹ.....''

جی ایم غصے سے فون پر پھٹکارا تو مسز ارملا سہم کر رہ گئی۔

''میں مجبور ہوں سر..... پلیز آپ اندازہ نہیں کر سکتے یہاں کیا صورت حال چل رہی ہے۔''

اس نے پھر معذرت کی۔

''ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں.....''

جی ایم نے جس کے لئے غصے پر قابو پانا ناممکن ہو رہا تھا فون کریڈل پر پٹخ دیا دوسرے ہی لمحے وہ سکینہ سے فون پر مخاطب تھا۔

سکینہ اس لمحے شراب کے نشے میں دھت ''را'' ہی کی ایک اور فاحشہ کے ساتھ اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا جب جی ایم نے اس کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔

''کیا بکواس کر رہے ہو مسٹر ماتھر..... تمہارا دماغ تو صحیح ہے۔ کہیں زیادہ تو نہیں چڑھا

لیا۔''

سکینہ نے جس کا نشہ قریباً ہرن ہو گیا تھا جی ایم کی بات مکمل ہوتے ہی کہا۔

''مسٹر سکینہ لینگویج پلیز.....''

جی ایم کو اس کا انداز تخاطب بہت برا لگا تھا۔

سکینہ عام آدمی کی طرف سے ایسی بات کا جواب کسی اور طرح دیتا۔

لیکن.....

اسے بھی احساس تھا کہ کس سے مخاطب ہے۔ اس نے کافی ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''اوہ مسٹر ماتھر برا مت مانیے دراصل آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس پر یقین کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔''

سکینہ نے صورتحال سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ماتھر شاید آؤٹ آف کنٹرول ہو رہا تھا۔

''خود آ کر دیکھ لو شاید تمہیں یقین آ جائے۔''

یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

❁❁❁

سکینہ ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا۔

''کیا ہوا سر.....''

اس کے بستر پر موجود فاحشہ نے سکینہ کی عجیب و غریب حالت دیکھ کر کہا۔

''کچھ نہیں۔''

سکینہ نے ماتھر کو تین چار گالیاں دیتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''سر! کیا پرابلم ہے۔''

نئی نئی بھرتی ہونے والی سب انسپکٹر نے چاہا کہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر دوبارہ بستر پر لٹا دے۔

لیکن.....

وہ گھبرا گئی جب سکینہ نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر پرے کر دیا۔ خوفزدہ ہو کر وہ

سہم کر بستر کے کونے پر بیٹھ گئی۔

شاید سکسینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ مس جین کے بعد اب دوسرا نقصان کرنے جا رہا ہے۔

''معاف کرنا شپالی ڈیئر بڑی شاکنگ (Shocking) نیوز آئی ہے۔ سالے ماتھر نے ساری رات برباد کر دی۔''

اس نے ماتھر کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

شپالی کو کچھ علم نہیں تھا کہ ماتھر کس چڑیا کا نام ہے؟

کیا خبر مل گئی ہے جس نے سکسینہ کا دماغ خراب کر دیا ہے؟

اسے صرف ایک اطمینان تھا کہ اس کے ''سر'' اس سے ناراض نہیں ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ ترقی کے چانسز موجود ہیں۔ سکسینہ کی سفارش کے بغیر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ اس کی ترقی کا راز صرف سکسینہ کو خوش رکھنے میں تھا.....

شپالی سے معذرت کر کے اس نے جیسے تیسے کپڑے تبدیل کئے اور قدرے نارمل ہوتے ہی فون پر متعلقہ لوگوں سے رابطہ کرنے لگا۔

سب سے پہلے اس نے ''بلیک کیٹس'' کے ایک گروپ کو فوراً ہوٹل پہنچ کر صورتحال پر کنٹرول کرنے اور سب کو وہاں سے بھگا دینے کے احکامات جاری کئے تھے۔

اور.....

متعدد کمانڈوز نے اس کے احکامات کی تعمیل کی۔

سکسینہ فون ملنے کے بمشکل پندرہ منٹ بعد اپنی ساری ٹیم کے ساتھ موقعہ واردات پر موجود تھا۔ ہوٹل کے اس فلور کا سارا انتظام بلیک کیٹس کمانڈوز نے سنبھالا ہوا تھا۔ انہوں نے پولیس والوں کو بھی وہاں سے بھگا دیا تھا اور ہوٹل کے سکیورٹی گارڈز کو بھی کہہ دیا تھا کہ اب وہ اس طرف کا رخ نہ کریں۔

ماتھر اس سے پہلے وہاں پہنچا تھا۔

لیکن.....

کمانڈوز نے تاج محل کے جی ایم کو بھی سکسینہ کی آمد سے پہلے کمرے تک جانے کی

اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔

جی ایم ماتھر نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر سکسینہ کا انتظار کرنے لگا۔

❁❁❁

سکسینہ سیدھا کمرہ نمبر 324 تک پہنچا تھا اس نے سب سے پہلے ان اخبار نویسوں کو کمانڈوز کی قید سے آزاد کروا دیا جنہیں انہوں نے ایک کمرے میں اگلے احکامات تک بند کر رکھا تھا۔

سکسینہ نے سب سے پہلے ان سے معذرت کی جو کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا اور وہ کورٹ میں جانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

''دیکھئے بھگوان کے لئے آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ ہے۔ اس خبر کو روک دیجئے۔ اس سے دہشت گردوں کے علاوہ اور کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سامنے باندھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر سکسینہ اس کا فیصلہ تو ہوتا رہے گا کہ یہ کس کا معاملہ ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا تمہیں اس بدتمیزی کی قیمت ضرور چکانا ہو گی..... تمہارے ملازموں نے ہمیں آدھا گھنٹہ جس بے جا میں رکھا ہے اور ہم اس معاملے کو لے کر کورٹ میں ضرور جائیں گے۔''

انڈیا ٹائمز کے نمائندے نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''میں آپ سے شما چاہتا ہوں پلیز معاملے کی سنگینی کا احساس کیجئے۔''

سکسینہ جانتا تھا کہ ان لوگوں سے ٹکرانے کا کوئی فائدہ نہیں الٹا نقصان ہی ہو گا۔

''اچھا مسٹر سکسینہ اگر ہم تمہاری بات مان بھی لیں تو ان گوروں کو تم کیسے روک لو گے جو یہ خبر اب تک ریلیز بھی کر چکے ہوں گے جنہیں آپ کے ان ہونہار کمانڈوز نے بھی کچھ نہیں کہا کیونکہ ان کا ڈنڈہ مضبوط تھا اور ہمیں یہاں باندھ کر بٹھا دیا۔''

''آبزرور'' کے رپورٹر نے سکسینہ کو احساس دلایا۔''

اور.....

سکینہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

اس نے دل ہی دل میں بے شمار گالیاں عامر کو دیتے ہوئے سوچا کہ واقعی اب کھیل اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

عامر اس کے اندازوں سے بڑھ کر مکار اور خطرناک ثابت ہوا تھا۔ اس نے سکینہ کے ساتھ وہ کچھ کر دیا تھا جس کے بعد سوائے خودکشی کے فی الوقت تو کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

''حرام زادے..... میں تجھے بتاؤں گا کہ بدلا کس طرح لیا جاتا ہے۔''

اس نے دانت پیستے ہوئے زیر لب کہا۔

''ہم سے کچھ فرمایا آپ نے۔''

اس نمائندے نے قدرے تمسخر سے کہا۔

''نو..... تھینک یو..... میں آپ لوگوں سے دوبارہ اس سلوک پر معافی مانگ رہا ہوں۔ آپ پڑھے لکھے سمجھدار لوگ ہیں اور کمانڈوز کی مجبوری کا احساس ضرور کریں گے۔ میری آپ سے ایک ہی بینتی (درخواست) ہے کہ خبر شائع کرتے ہوئے نیشنل انٹرسٹ کو ضرور ذہن میں رکھئے۔''

اس نے بڑی مشکل سے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

اخبار نویس منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ایک ایک کر کے واپس چلے گئے۔

❁❁❁

جین کی لاش سکینہ کے سامنے پڑی تھی اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کبھی لاش کی طرف اور کبھی اس کارڈ کی طرف دیکھنے لگتا جو اس کے سینے پر دھرا تھا۔ اس نے متعدد مرتبہ وہ تحریر پڑھی تھی جو دم رخصت عامر اس کے لئے چھوڑ گیا تھا اور حیران ہو رہا تھا کہ اچانک عامر کا دماغ کیسے خراب ہو گیا۔ پھر اسے اپنی ہی اکثر دہرائی ہوئی بات یاد آ گئی کہ مسلمان کا ضمیر کبھی بھی جاگ سکتا ہے۔

''اس حرام زادے کو ڈھونڈو۔ اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر ڈالو۔ ابھی وہ پنجاب میں ہوگا۔ اسے پنجاب سے نہیں نکلنے دینا۔ خبردار اگر وہ بچ کر سری نگر پہنچ گیا تو میں تم سب کو مار ڈالوں گا۔''

سکینہ نے اچانک ہی بے قابو ہو کر پھٹ پڑا۔

وہ اپنے ماتحتوں پر برسنے لگا تھا۔

''مونگیا! تم نے اپنی غلطی سے پہلے اس سالے کشمیری لونڈے کو گنوایا۔ میں تمہیں اپنے باپ کے پراشچت کا موقعہ دے رہا ہوں..... عامر کو لے آؤ خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے..... کچھ بھی.....''

''سر! وہ بچ کر نہیں جائے گا۔ میں اسے زندہ مردہ لے کر ہی واپس لوٹوں گا اس نے جین کو مار ڈالا.....''

انسپکٹر مونگیا کا گلا رندھ گیا تھا۔

وہ جین کا اپنے ڈیپارٹمنٹ میں سب سے بڑا اور پرانا عاشق شمار ہوتا تھا۔ جین نے اس کے ساتھ کئی راتیں گزاری تھیں۔

لیکن.....

پھر اچانک ان دونوں کو الگ کر دیا گیا اور یہ مسلمان چھوکرا درمیان میں آ گیا۔ عامر اور جین کے ملاپ کے دوران اس نے ایک دو مرتبہ جب جین سے ماضی کے حوالے سے بات کرنا چاہی تو جین نے اسے دھتکار دیا اور سختی سے کہا کہ وہ ''ڈسپلن'' کی پابندی کرے۔

مونگیا دل پر پتھر رکھ کر ڈسپلن کی پابندی کرتا رہا اور عامر اس کے سامنے گل کھلاتا رہا۔ گو کہ ایجنسی کے اصول وضوابط کے مطابق اسے بھی دوسرے کے سورس میں تجسس کا کوئی حق نہیں تھا۔

لیکن.....

جین کی وجہ سے وہ دل کے ہاتھوں ایجنسی کے اصول توڑنے پر بھی مجبور تھا۔

اور اب.....

اس کے سامنے اس کی معشوقہ کی لاش پڑی تھی۔

وہ معشوقہ جس کے لئے وہ جان سے گزر سکتا تھا اور جسے اس کے افسران نے چارہ بنا کر ایک مسلمان لڑکے کے سامنے پھینک دیا تھا۔

آج اسی مسلمان لڑکے نے اپنی ہوس کی آگ ٹھنڈی کر کے اسے مار ڈالا۔

اس کا تو جی چاہتا تھا کہ دیواروں سے اپنا سر ٹکرائے اور رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لے۔

لیکن اس کی بدقسمتی تھی کہ یہاں بھی ڈسپلن کی پابندی آڑے آ رہی تھی۔

سکسینہ نے اسے عامر کی گرفتاری کے لئے ''فری ہینڈ'' دے دیا تھا۔

ادر.....

اس نے وہیں کھڑے کھڑے سوگندلی تھی کہ جین کا بدلہ عامر کی بہن سے چکائے گا خوا
اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

''سر! کچھ پریشر ٹیکٹس اپنانے پڑیں گے۔ میرا مطلب ہے اس کی بہن کو پکڑنا ہو
اس طرح وہ حرامی سامنے آئے گا ورنہ تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ وہ بہت چالاک ہے سر! آپ
جانتے ہیں۔''

بالآخر اس نے آن ریکارڈ بھی یہ اجازت طلب کر لی۔

''ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے لیکن اس سے آغاز نہیں کرنا۔ یہ آخری حربہ ہوگا۔ یا
رکھنا مونگیا میں اب کوئی غلطی برداشت نہیں کروں گا۔ ''را'' کی ہسٹری میں اس شہر میں یہ اپنی
نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ اسے ہمارے اتہاس (تاریخ) کا آخری واقعہ ہونا چاہئے..... آخری
واقعہ..... آج کے بعد کوئی ایسا کرنے کا تصور ہی نہ کرے..... اف بھگوان کتنی خوبصورت لڑکی کو مار
ڈالا اس نے..... ارے اسے تو ہم نے مسلمانوں کے لئے بطور خاص ٹرینڈ کیا تھا۔ سرحد پار سے
کتنے لڑکے اس کے ذریعے ہم تک آئے ہیں..... کتنے لڑکے..... اوہ مائی گاڈ..... یقین نہیں آ
مونگیا کہ کوئی اس خوبصورت لڑکی کو مار ڈالے گا..... اور وہ بھی اس طرح اچانک.....''

اس نے تاسف بھرے لہجے میں اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں کہ ان مسلمانوں پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔
بھگوان جانے کب ان کا دماغ خراب ہو جائے..... آپ جانتے تو ہیں سر! یہ تو وحشی ہوتے ہیں
وحشی۔ درندے..... آپ نے پھر بھی اسے.....''

مونگیا کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''مونگیا..... انٹیلی جنس از ڈیم بزنس.....''

سکسینہ نے بھی آہ بھرتے ہوئے سگریٹ سلگایا اور ڈبیا مونگیا کی طرف بڑھا دی۔ اس
نے آج تک اپنے کسی تیسرے درجے کے ماتحت کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن.....

اچانک ہی اسے یاد آ گیا کہ مونگیا مس جین کے لئے کیسے جذبات رکھتا تھا۔ دونوں
نے اکٹھے ہی انٹیلی جنس کورس کئے تھے۔ اپنے کیریئر کی ابتدا ہی سے دونوں ایک دوسرے کی محبت
ں گرفتار ہو گئے تھے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جیسے جیسے وقت کے ساتھ ساتھ جین اپنے بزنس
ں پروفیشنل ہوتی گئی اس کے خیالات بدلتے گئے۔

لیکن..... مونگیا بالکل نہیں بدلا تھا۔

''آل رائیٹ سر! میں جاتا ہوں.....''

یہ کہہ کر مونگیا کمرے سے باہر آ گیا۔

ہوٹل کی لابی سے گزرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں پر متعدد مرتبہ رومال رکھ کر اپنے
نسوؤں کو ضبط کیا تھا۔

❁❁❁

حفیظ کی اچانک آمد سے مجاہدین کی تشویش میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ جیسے تیسے ڈوڈہ پہنچنے
ں کامیاب ہو گیا تھا جہاں کمانڈر شاہین اگلی ہی رات پہنچ گیا اور اس وقت وہ دونوں دہلی والے بم
ما کے بارے بات کر رہے تھے۔

حفیظ نے اسے اپنی دہلی آمد سے فرار تک کی ساری کہانی مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان
کر دی تھی وہ امر سنگھ کی موت سے بہت دکھی ہو رہا تھا۔

''کاش کاتب تقدیر نے اس کے بجائے مجھے منتخب کر لیا ہوتا۔''

حفیظ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اللہ کی مرضی..... لیکن وہ لڑکا خالد بہت ہوشیار تھا پھر.....''

کمانڈر شاہین کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سانحہ گزر گیا ہے۔

''ہاں میں بھی اس بات پر حیران ہوں۔ بہت بڑے مراحل آسانی سے طے ہو گئے
لیکن ہم چھوٹے سے مرحلے پر پھنس گئے۔''

حفیظ نے بتایا۔

''ایسا ہوتا ہے..... کبھی کبھی ان کے سر پر سے ٹرک گزر جائے تو انہیں ہوش نہیں رہتی
اور کبھی کبھی اپنے جسم پر مکھی بیٹھنے سے ہوشیار ہو جاتے ہیں..... تم تو اس بات کو اچھی طرح سمجھتے

ہو۔''

ساہین نے کہا۔

''ایک بات سمجھ نہیں آ رہی کہ اس نے ہمارے قیام کے لئے آخر مسلمان آبادی ہی کیوں منتخب کی۔''

حفیظ نے عندیہ ظاہر کیا۔

''مسلمان کو چونکہ خوش گمان ہونا چاہئے۔اس حوالے سے میں تو اس کا مثبت پہلو ہی تلاش کرتا ہوں اور مجھے بڑے غور وحوض کے بعد یہی بات سمجھ آئی ہے کہ اس نے حفاظتی نقطہ نظر اختیار کیا ہوگا.....لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس کے منفی پہلو کو نظر انداز کر جائیں۔

شاہین نے جواب دیا۔

''ہاں ہمیں اپنا احتساب تو کرنا ہی ہوگا.....آپ ذرا غور کریں اس لڑکے کا ہم سے اچانک ٹکرانا اور بے پناہ متاثر ہو کر فوراً عملی جہاد کے لئے تیاری پھر ایک مخصوص مسلمان علاقے میں ہمارا قیام اور اچانک تلاشی کا حکم' فرار' بم دھماکہ.....جس کے فوراً بعد ہی امر سنگھ کی شناخت اور ''را'' کی طرف سے یہ بیان جاری کرنا کہ یہ دھماکہ ہم نے کیا ہے.....یہ بھی تو ممکن ہے کہ ایسا سب کچھ پلاننگ کے مطابق کیا جا رہا ہو.....آپ جانتے ہیں وہ آج کل ہمیں بین الاقوامی فورم پر بدنام کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔کہیں خالد کے روپ میں ''را'' نے اپنا.....''

حفیظ نے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''ایسا ممکن ہے.....اس پر غور کیا جا سکتا ہے لیکن ابھی میرے خیال سے کوئی حتمی رائے قائم کرنا ٹھیک نہیں۔''

شاہین نے کہا۔

''ہاں میں بھی یہی گمان کرتا ہوں۔واقعی ابھی کوئی نتیجہ تو نہیں نکلا.....میرے خیال سے عامر کی آمد کے بعد ہی ہم کوئی رائے قائم کر سکیں گے.....وہ کتنا ہی ہوشیار ہو اب دہلی میں تو وہ نہیں رہ سکتا۔کیونکہ جس گیسٹ ہاؤس میں ہم نے قیام کیا تھا اس کا پتہ وہ لوگ ضرور لگا لیں گے جس کے بعد عامر تک پہنچنا ان کے لئے مشکل نہیں رہے گا۔''

حفیظ نے کہا۔

''میں نے وہاں بھی اسے یہی کہا تھا کہ کام مکمل ہوتے ہی وہ سری نگر آ جائے۔اس کا ی الوقت دہلی میں رہنا ٹھیک نہیں۔''

کمانڈر شاہین نے بتایا۔

دونوں اپنے ٹھکانے پر باتوں میں مصروف تھے جب ایک مقامی مجاہد ان کے لئے آج کا تازہ انگریزی اخبار انڈیا ٹائمز لے آیا۔شاہین نے حسب عادت اخبار مطالعے کے لئے کھولا ا۔

اور.....

پہلے ہی صفحے پر ایک لاش کی تصویر کے ساتھ خبر اور ہوٹل کے لیٹر پیڈ پر مجاہدین کی طرف سے لکھی تحریر نے اسے چونکا دیا۔

خبر مکمل کرنے سے پہلے ہی اس نے حفیظ کو دکھائی اور دونوں ایک ساتھ ہی متجسس ہو کر خبار پر جھک گئے۔دونوں نے بڑی تیزی سے باری باری خبر پڑھی تھی اور دونوں ہی خبر کے اختتام خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''کیا خیال ہے تمہارا.....''

کمانڈر شاہین نے حفیظ سے پوچھا۔

''آپ کا ذہن کس طرف جا رہا ہے؟''

حفیظ نے الٹا سوال کر دیا۔

''میں بھی وہی سوچ رہا ہوں جو تم سوچ رہے ہو.....ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ یہ تل کسی اور نے نہیں عامر نے ہی کیا ہے.....اور یہ قتل کم از کم ''را'' کی کسی پلاننگ کا حصہ نہیں ہے۔تم ان لوگوں کی فطرت جانتے ہو یہ کبھی اپنے کسی ملازم کو قربانی کا بکرا نہیں بناتے بلکہ ایسا چارہ'' عوام میں سے تلاش کرتے ہیں.....لیکن اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ عامر اس آفیسر لڑکی تک کیسے پہنچا.....اور اس نے ایسا اگر انتقاماً کیا ہے تو بھی.....''

شاہین الجھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

''میرے خیال سے ہمیں اب عامر کا انتظار کرنا ہوگا.....جب تک وہ خود سب کچھ نہیں

بتائے گا ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔''

حفیظ نے کہا۔

''بہر حال میں اس سے متعلق ففٹی ففٹی سوچ رہا ہوں..... ممکن ہے وہ ڈبل کراس ہو۔ یہ بھی ممکن ہے اسے اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہو۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے کہ ایسے کسی بھی گمراہ بندے کو صراط مستقیم پر لے آئیں..... ہم خود کیا تھے۔ میرے متعلق تم ..... جانتے ہو..... مجھ سے زیادہ گمراہ نوجوان شاید سارے شہر میں کوئی نہیں تھا..... لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کرم کیا تو کمانڈر بھائی شیر خان کے ساتھ ایک ملاقات نے ہی میری آنکھیں کھول دیں..... ممکن ہے اللہ نے اسے ایمان دے دیا ہو.....''

کمانڈر شاہین نے کہا۔

''اللہ کرے جیسا آپ سوچ رہے ہیں ایسا ہی ہو۔''

حفیظ نے مختصر سی بات کی۔

''بہر حال یہ مسئلہ آج مجلس شوریٰ میں رکھتے ہیں اور ہاں تمام اخبارات کے دفاتر میں ہمارا نقطہ نظر پہنچ جائے۔ کوشش کرو کہ بھارت کے اخبارات میں یہ خبر زیادہ شائع ہو کہ دہلی کے بم دھماکے سے کسی مجاہد تنظیم کا کوئی تعلق نہیں اور یہ صرف مسلمانوں کو مجاہدین کشمیر سے بدگمان کرنے کی ایک گھناؤنی سازش ہے۔''

کمانڈر شاہین نے ہدایت جاری کی۔

ایسا ہو رہا ہے..... انشاء اللہ ہمارے مسلمان بھائی ہمارے متعلق اتنی جلدی گمراہ نہیں ہوں گے۔

حفیظ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے جس کے بعد وہ پنجاب سے آنے والے اپنے دوستوں کی ملاقات کو چلے گئے۔

خالصتان کمانڈو فورس کے امر سنگھ کی اچانک گھیرے میں آ کر بھارتی پولیس کے ہاتھوں موت کی خبر نے سکھ حریت پسندوں کو بھی بہت پریشان اور دکھی کر دیا تھا اور اب وہ کمانڈر شاہین کے ساتھ مل کر اگلی حکمت عملی تیار کرنے آئے تھے۔

باب 12

پندرہ روز مسلسل وہ حالت سفر میں رہا۔

اس درمیان اس نے اپنا حلیہ مکمل تبدیل کر لیا تھا۔ چہرے کی داڑھی نے بڑھ کر سارے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا اور مونچھیں گالوں تک پھیل گئی تھیں۔ اپنے طویل قد کاٹھ جسامت اور گندمی رنگ کی وجہ سے وہ کسی ٹھاکر گھرانے کا معزز نوجوان دکھائی دینے لگا تھا۔ ایک ہاتھ میں سنہری رنگ کا کڑا بظاہر سونے کا کڑا پہن کر وہ بڑے اطمینان سے ایک سے دوسرے ہوٹل تک منتقل ہوتا رہا۔ ان لمحات میں جب مونگیا اور اس کے درجنوں ساتھی دہلی کے گرد و نواح میں اس کے ہر ممکنہ ٹھکانے پر چھاپے مارتے پھرتے رہے تھے اور پنجاب اور کشمیر میں سینکڑوں ''را'' کے ایجنٹ شکاری کتے کی طرح اس کی بو سونگھتے پھرتے تھے۔ وہ بڑے اطمینان سے لکھنؤ میں آوارہ گردی کر رہا تھا۔

اس شہر میں کیونکہ اس کا کوئی دوست یار رشتہ دار نہیں تھا اس لئے یہ شہر اس کے لئے سب سے زیادہ محفوظ تھا۔

مزید آٹھ دس روز شہر کے مختلف ہوٹلوں کی خاک چھاننے کے بعد ایک روز اس نے قسمت آزمائی کا فیصلہ ہی لیا اور ایئر انڈیا کی ایک فلائٹ سے ٹھاکر گھمبیر سنگھ کی حیثیت سے سری نگر کے لئے سیٹ بک کروالی۔

یہ فلائٹ دلی میں رک کر جاتی تھی۔

دہلی ائیر پورٹ کے ٹرانزٹ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اس نے بڑے اطمینان سے سگریٹ سلگایا اور عادی سگریٹ نوشوں کی طرح اس کے کش لگانے لگا۔ اس نے کبھی سگریٹ نہیں پیا تھا۔

لیکن.....

اس وقت وہ ایک امیر تاجر کے روپ میں سفر کر رہا تھا۔ اس نے بطور خاص بزنس کلاس کی ٹکٹ خریدی تھی گو کہ جب وہ جہاز پر سوار ہوا یا اترا اس نے ہر جگہ مسافروں کے چہروں پر پھیلتی وہ آنکھیں دیکھی تھیں جنہیں بطور خاص یہاں متمکن کیا گیا تھا لیکن کسی نے ایک لمحے کے لئے بھی اس پر شک نہ کیا۔

عامر نے اپنے سر اور داڑھی سے آدھے آدھے بال اسی طرح سنہری کئے ہوئے تھے کہ اس کو غور کرنے پر بھی پہچاننا ممکن نہیں رہا۔

سری نگر تک اس نے اپنا سفر ایک امیر کبیر تاجر کی حیثیت سے کیا۔ شاہین نے اسے سری نگر میں اپنا جو رابطہ نمبر دیا تھا اسے علم تھا کہ ''را'' نے اس نمبر پر ''بگ'' لگایا ہوگا اور وہاں فون کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔

اسے شاہین سے ملاقات کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا تھا۔ ایک سچائی جس نے سری نگر میں پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی عامر سے اپنا آپ تسلیم کروالیا تھا یہ تھی کہ یہاں دہلی کی حکومت نہیں تھی۔

گو کہ ہر قدم پر بھارت کی مسلح افواج وردیوں میں اور سفید پوشوں کی صورت میں موجود تھی۔ لیکن عملاً یہاں مجاہدین کا راج تھا۔

یہاں سے بھارتی سکیورٹی فورسز کسی کشمیری مجاہد کو اغوا تو کر سکتے تھے۔ اچانک حملہ کر کے یا کریک ڈاؤن کر کے قتل عام تو کر سکتے تھے لیکن یہاں کسی مجاہد کو گرفتار کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ دہلی میں اس کے دوست بتایا کرتے تھے کہ بھارتی سکیورٹی فورسز کے جوان مجاہدین سے براہ راست الجھنے سے کنی کترانے لگے تھے جس کا مظاہرہ اس نے اس وقت لال چوک میں دیکھا جب ہزاروں کشمیریوں کے جلوس میں مسلم مجاہدین بھارتی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے

ائی فائرنگ کر رہے تھے۔

اور.....

ان کے چاروں طرف موجود فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے جوان کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ وہ جلوس کے اندر ہی اندر اس طرح غائب بھی ہو جاتے تھے جس طرح اچانک نمودار ہوا کرتے تھے۔ عامر کا تو اثاثہ ایک بریف کیس تھا جس میں معمولی ضروریات کی چیزیں اور چند سو روپے باقی رہ گئے تھے۔

اس نے فی الوقت سری نگر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں ٹھاکر رگبیر سنگھ کی حیثیت سے قیام کیا تھا اور بازار کا چکر لگا کر واپس آنے کے بعد دیر گئے تک شاہینؒ سے ملاقات کی ممکنہ صورت پر غور کرتا رہا۔

بالآخر ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ مطمئن ہو کر سو گیا۔

صبح اس نے اطمینان سے اپنے کمرے میں فجر کی نماز ادا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر معافی مانگی اور اپنے مشن میں کامیابی کے لئے پر اعتماد ہونے کے بعد ہوٹل سے ملحقہ گارڈن میں صبح کی سیر کے لئے نکل گیا۔

❁❁❁

یہاں سے نکلتے ہوئے اس نے اپنی بچی کھچی جمع پونجی اپنے پاس رکھ لی تھی اور باغ میں ٹہلتا ٹہلتا اب ہوٹل سے دور نکل آیا تھا۔ ہوٹل سے نکلتے وقت اس نے جان بوجھ کر ایسا محفوظ راستہ اختیار کیا تھا کہ سکیورٹی فورسز سے ٹکرائے بغیر بازار تک پہنچ جائے۔

سری نگر کی زندگی بیدار ہو رہی تھی جب وہ ایک ٹیکسی کے ذریعے لال چوک تک پہنچا جہاں اس کی اطلاع کے مطابق روزانہ اسی طرح جلوس نکلا کرتے تھے رات ہی ایک مجاہد کمانڈر کی بھارتی فوج کے ہاتھوں دوران تفتیش موت کی خبر آئی تھی جس کے بعد سے فضا میں تناؤ خاصا بڑھ گیا تھا اور کوئی دم جاتا تھا جب لوگ یہاں شہید کمانڈر کا جنازہ لے کر پہنچتے اور اس میں یقیناً مجاہدین بھی آ جاتے۔

رنے اس جلوس میں اچانک کسی مجاہد سے ٹکرانے اور اس کے ذریعے کمانڈر شاہین تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جیسے جیسے زندگی بیدار ہو رہی تھی لوگ مختلف کارنرز میں جمع ہو کر اس

اندوہناک خبر پر تبصرہ کرنے اور غم وغصے کا شکار دکھائی دے رہے تھے۔

عامر نے جیسے ہی ایک حمام کھلتے دیکھا وہ نائی کی دکان میں جا گھسا اور چند منٹ بعد باہر نکلا تو اس کے سر کے بال آدھے ہو چکے تھے جب کہ داڑھی مونچھیں صاف تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا ژدہام لگ گیا۔

اچانک ہی ایک طرف سے درجنوں لڑکیاں جلوس کی صورت نمودار ہوئیں۔ جن کا تعلق دختران ملت سے تھا انہوں نے بھارتی حکومت کا سیاپا شروع کر دیا اس کے ساتھ ہی کونے کھدروں سے حشرات الارض کی طرح کشمیری بچے' بوڑھے جوان جلوس کی شکل جمع ہونے لگے اس میں تین کلاشن کوف بردار مجاہد بھی تھے جنہیں ان لوگوں نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال عامر کے ذہن پر لپکا اور دوسرے ہی لمحے وہ جلوس کے اندر ہی اندر راستہ بناتا ان مجاہدین تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جس میں سے ایک کو کسی نوجوان نے اپنے کندھے پر بٹھا لیا تھا۔

تینوں مجاہد نقاب پوش تھے۔

اپنے زور بازو پر نعرے لگاتا وہ کسی نہ کسی طرح ایک مجاہد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرے لمحے اس نے مجاہد کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا۔ جس نے عامر کے کندھے پر سوار ہوتے ہی اپنی گن سے ہوا میں گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں۔

اچانک ہی وہاں فوج کے تین چار ٹرک نمودار ہوئے جن سے نکلنے والے فوجیوں اور بی ایس ایف کے جوانوں نے جلوس کے شرکاء پر اپنی بندوقوں کے بٹوں سے حملہ کر دیا اس کے ساتھ ہی جلوس کے چاروں طرف موجود سی آر پی ایف کے سینکڑوں سپاہی لاٹھیاں لے کر جلوس پر پل پڑے۔

عامر نے مجاہد کو کندھوں پر اٹھاتے ہوئے ایک محفوظ راستے کی طرف دوڑ لگا دی۔ اپنے مضبوط اور کسرتی بدن پر مجاہد کو اٹھائے وہ یوں بھاگ رہا تھا جیسے کوئی گھوڑا اپنے سوار کو اٹھائے بھاگ رہا ہو۔

اس کے کندھے پر سوار مجاہد نے زبردستی اسے روکا اور نیچے اتر کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگا جس کے ساتھ ہی اس نے ایک محفوظ اور پہلے سے طے شدہ راستے کی طرف بھاگنا شروع کر

دیا۔ عامر اس کے تعاقب میں بھاگا۔ وہ مجاہد کا مسلسل تعاقب کر رہا تھا۔

اچانک ہی ایک گلی کے کونے کا دروازہ کھلا اور وہ مجاہد اس میں داخل ہو گیا۔ ایک لمحے کی غفلت کے بغیر عامر اس کے پیچھے پہنچ چکا تھا اس نے بھی مجاہد کی تقلید کی اور جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا باہر کا دروازہ بند ہو گیا۔

کمرہ بظاہر خالی دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک ہی جیسے زمین پھٹی اور اسے اپنی طرف تین بندوقوں کی نالیاں تنی ہوئی دکھائی دیں۔

''الحمدللہ.....''

اس کے منہ سے نکلا اور اس نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

عامر کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ جب سے اس نے مجاہد کو کندھوں پر سوار کیا تھا اس کی نگرانی مجاہدین خود کر رہے تھے اور وہاں سے یہاں تک وہ بدستور انہیں نظروں کی گرفت میں رہا جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا اسے اجنبی جان کر دھر لیا گیا۔

شاید اسے ''ہینڈز اپ'' کرنے کے لئے اس کا ردعمل بالکل غیر متوقع تھا۔ اس لئے وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

''کون ہو تم؟''

اچانک ہی ان میں سے ایک نے سنبھل کر سختی سے دریافت کیا۔

''میں آپ کے لیے اجنبی ہوں۔ دہلی سے بڑی مشکل سے جان بچا کر آ رہا ہوں۔ آپ مجھے حراست میں رکھ سکتے ہیں۔ میری صرف ایک درخواست ہے کہ کسی طرح میری اطلاع کمانڈر شاہین تک پہنچا دی جائے۔''

اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا نام ہے تمہارا.....''

اگلا سوال ہوا۔

''میرا نام خالد ہے..... یہی نام مجھے کمانڈر شاہین نے دیا تھا۔ میں آپ سے یہ بھی درخواست کر دوں کہ زیادہ دیر نہ کیجئے۔ اس طرح نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس سے پہلے ایک درخواست یہ ہے کہ میرے نام سے آگاہی کے بعد ان سے پہلی بات یہی کہی جائے کہ جو فون نمبر

مجھے دیا تھا اس کا سلسلہ فوراً منقطع کر دیجئے کیونکہ وہ ''را'' کے علم میں آ چکا ہے۔''

اس نے دوسرے سوال کا جواب ذرا طویل دیا تھا۔

مجاہدین شاید کسی الجھن کا شکار دکھائی دے رہے تھے اور عامر کو ایک لمحے کا احساس تھا۔

''برائے مہربانی زیادہ مست سوچئے۔ میں آپ کے قبضے میں ہوں۔ آپ جہاں چاہیں مجھے محفوظ مقام پر تب تک قید رکھ سکتے ہیں لیکن جتنی دیر ہوگی اتنا ہی زیادہ نقصان ہوگا۔''

اس نے مجاہدین کو متذبذب دیکھ کر کہا۔

''لیکن تم کمانڈر شاہین کو کیسے جانتے ہو اور یہ ان سے ملنے کا کون سا طریقہ ہے۔''

ان کے ایک ساتھی نے سوال کیا۔

''میں آپ کے سوال کے پہلے حصے کا جواب کمانڈر شاہین کی موجودگی کے علاوہ نہیں دے سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے ان کے جس رابطے کا علم تھا وہ ''را'' کے علم میں آ چکا ہے اور وہ شکاری کتوں کی طرح میرا تعاقب کر رہے ہیں..... خدارا دیر مت کیجئے..... اور مزید سوالات بھی نہ کیجئے۔''

اس کے اعتماد اور انداز گفتگو نے مجاہدین کو قدرے مطمئن تو کر دیا تھا۔

لیکن.....

وہ صرف اس کی زبان پر اعتبار کر کے کوئی خطرہ مول لینے کیلئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ ان مجاہدین کا تعلق کسی دوسرے گروپ سے تھا لیکن وہ شاید کمانڈر شاہین کو جانتے تھے۔

''مسٹر خالد آپ جو کوئی بھی ہیں۔ ہم کمانڈر شاہین تک آپ کا پیغام پہنچا دیں گے۔ اگر انہوں نے آپ کو پہچاننے یا ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تو.....''

ایک نوجوان نے دریافت کیا۔

''آپ مجھے فوراً گولی مار دیجئے۔''

عامر نے مختصر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ فی الوقت ہم اپنے اصولوں کے ہاتھوں مجبور ہیں آپ کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہاں سے کہیں اور لے جانا ہوگا۔''

ان میں سے ایک نے جو شاید اس گروپ کا لیڈر تھا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میں حاضر ہوں.....''

عامر نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ عامر کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کے بعد اسے ہاتھ پکڑ کر شاید باہر لے آئے تھے جس کے بعد انہوں نے چلنا شروع کیا اور چھ سات منٹ مسلسل چلتے رہے۔ عامر ان کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔

ایک جگہ رک کر انہوں نے عامر کو سہارا دے کر شاید کسی جیپ یا کار میں سوار کروایا اور گاڑی چل دی۔ قریباً آدھے گھنٹے کے مزید سفر کے بعد گاڑی رک گئی اور وہ عامر کو دوبارہ پیدل چلاتے گئے۔

اس مرتبہ چڑھائی کا سفر تھا۔

عامر نے بہت عرصے بعد پہاڑ کا سفر کیا تھا۔ قریباً دس منٹ مزید چلنے کے بعد اسے عاصی تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی جس کا ذکر بالآخر اس نے اپنے ہمراہیوں سے کر ہی دیا۔

''برادر عزیز ہمیں بہت افسوس ہے ہماری معذرت قبول کیجئے۔ آپ تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر ستا لیں لیکن ہم ابھی آنکھوں سے پٹی نہیں کھولیں گے۔

یہ کہتے ہوئے ایک مجاہد نے اسے ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ بٹھا دیا۔ عامر نے زیادہ بیٹھنا مناسب نہ جانا اور پانچ چھ منٹ بعد ہی روانگی کے لئے تیاری کا سنگل دے دیا۔ پندرہ بیس منٹ کا پیدل سفر بھی اختتام پذیر ہوا۔

اور.....

اس کی آنکھوں کی پٹی کھل گئی۔

تھوڑی دیر تک تو اسے ڈھنگ سے کچھ دکھائی یا سجھائی نہ دیا جس کے بعد اس کی بینائی جیسے دوبارہ واپس لوٹ آئی۔

عامر نے دیکھا وہ کسی پہاڑی سلسلے کی عارضی قیام گاہ میں موجود تھے اور اسے یہاں اپنے اردگرد جو مجاہد دکھائی دے رہے تھے ان میں سے سری نگر شہر والا کوئی نہیں تھا۔

''ہم کمانڈر صاحب سے رابطہ کر رہے ہیں جیسے ہی رابطہ ہوا آپ کو آگاہ کر دیں گے۔''

ایک نوجوان نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس کے لئے کھانا بھی آ گیا۔ شاید مجاہدین نے اس کی بھوک کا احساس کرلیا تھا مسلسل چلنے سے وہ شدت سے خود کو بھوکا محسوس کرنے لگا تھا۔

ابھی وہ کھانا کھا ہی رہا تھا جب اچانک اس نے ایک شناسا چہرے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ''حفیظ بھائی'' کہہ کر اٹھا اور گرم جوشی سے اس سے بغل گیر ہو گیا۔

❁❁❁

''کمانڈر شاہین شام تک انشاء اللہ یہاں پہنچ جائیں گے..... آپ خیریت سے تو ہیں ناں۔''

حفیظ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں حفیظ بھائی۔ خیریت ہوتی تو میں اس طرح نہ آتا۔''

اس نے جواب دیا۔

''کھانا کھایئے.....''

حفیظ نے اسے کھانے کی طرف متوجہ کیا۔

لیکن.....

اس کے اصرار کے باوجود عامر نے حفیظ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا۔ حفیظ نے اس کے ساتھ چند لقمے کھائے اور اسے شام کو ملاقات کا مژدہ سنا کر رخصت ہو گیا۔ شاید وہ کمانڈر شاہین کی موجودگی ہی میں باقی باتیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب تک اس کا ذہن عامر سے متعلق صاف نہیں ہوا تھا۔

مجاہدین نے اسے باہر نکل کر ٹہلنے کی اجازت دے دی تھی لیکن عامر نے محسوس کیا تھا کہ اس کے گرد حفاظتی پہرہ بہر حال موجود تھا۔ مجاہدین کا یہ سلوک اس کے لئے قطعی غیر متوقع نہیں تھا۔ اس نے تو ذہنی طور پر اس سے آگے کی بھی تیاری کی ہوئی تھی۔

عصر کی نماز اس نے مجاہدین کے ساتھ باجماعت ادا کی جس کے تھوڑی دیر بعد ہی وہاں کمانڈر شاہین کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی۔ یہ شاید کمانڈر شاہین کے گروپ کے مجاہد تھے اور جن لوگوں نے اسے سری نگر سے یہاں تک پہنچایا تھا ان کا تعلق مجاہدین کے کسی دوسرے گروپ سے

تھا۔

کمانڈر شاہین نے بھی اس کا استقبال بظاہر بڑی فراخدلی سے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کیا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے باقی چاروں مجاہد بھی باری باری اس سے بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد وہ عامر کے ساتھ بیٹھ گئے۔

حفیظ بھی وہاں آ گیا تھا اور اب وہاں چھ مجاہد اسے اپنے جلو میں لئے بیٹھے تھے جس کے بعد کمانڈر شاہین نے بسم اللہ کی اور عامر سے پہلے حفیظ سے کہا کہ وہ تفصیلاً اپنے آپ ساتھ گزرنے والے تمام واقعات بیان کرے۔

حفیظ نے بلا کم و کاست تمام واقعات بیان کر دیئے۔ اس نے کھل کر تو نہیں کہا تھا لیکن اس کی گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ عامر پر شک کر رہا ہے۔

جس کے بعد شاہین نے عامر سے اپنا بیان دینے کے لئے کہا۔

عامر نے جو خاموشی سے گردن جھکائے حفیظ کی باتیں سن رہا تھا مسکرایا اور اس نے پہلا فقرہ کہہ کر ہی سب کو چونکا دیا۔

''شاہین بھائی جو بات حفیظ بھائی زبان پر لاتے ہچکچا رہے ہیں اصل میں سچائی وہی ہے۔ ہاں مجھے اقرار کرنا ہے کہ میں ''را'' کا ایجنٹ تھا۔ جسے مجاہدین کی صفوں میں سبوتاژ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ شاید یہ سلسلہ جاری رہتا لیکن دہلی والے بم دھماکے اور میری کزن فریدہ کی طرف سے اچانک میری گفتگو سننے جانے کے بعد سے میری کایا ہی پلٹ گئی.....''

اس کے بعد اس نے اپنی کہانی سنانی شروع کی اور سری نگر میں اپنے تفریحی ٹور سے دھماکے تک ساری باتیں انسپکٹر جین کی اپنے ہاتھوں موت اور دہلی سے فرار ہو کر در بدر بھٹکنے کے بعد یہاں پہنچنے تک کی ساری رام کہانی بیان کر دی۔

مجاہدین ہمہ تن گوش تھے۔

''شاہین بھائی مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا۔ میری زندگی کی بڑی خواہش یہی تھی کہ کسی بھی طرح آپ تک پہنچ کر اپنا سارا کیس آپ کے سامنے رکھ دوں..... اب میں اپنی قسمت کا فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں..... مجھے آپ کے کسی بھی فیصلے کو قبول کرنے سے قطعاً انکار نہیں ہو گا۔ آپ اگر میرے لئے سزائے موت بھی تجویز کریں گے تو مجھے قبول ہے۔ میں اپنی روح پر کوئی بوجھ

لئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔''

اس کی آواز قدرے بھرا گئی تھی۔

فضا پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

کمانڈر شاہین سمیت تمام مجاہدین کو چپ لگ گئی تھی۔

بالآخر شاہین نے باری باری اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے فیصلے کی تصدیق چاہی۔

اور.....

سب نے اس پر صاد کیا۔

❁❁❁

شاہین سب سے پہلے اٹھا اور اس نے عامر کو کھڑا کر کے اپنے سینے سے لگا لیا جس کے بعد ایک ایک کر کے تمام مجاہد جو مجلس شوریٰ کے رکن تھے اس سے بغل گیر ہو گئے۔ انہیں عامر کی بے گناہی کا یقین ہو گیا تھا۔

وہ جان گئے تھے کہ اگر اس کے دل میں معمولی سا بھی کھوٹ ہوتا تو وہ کبھی اس طرح اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نہ پہنچتا۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ''را'' نے عامر پر اعتبار کرتے ہوئے ''لمبے شکار'' کے چکر میں ایک مرتبہ شاہین جیسے مجاہد کمانڈر کو اپنے جال میں پھنسنے کے بعد نکل جانے کا موقعہ دے دیا تھا۔

جو رابطہ فون نمبر شاہین نے اسے دیا تھا۔ حفیظ کے سری نگر پہنچتے ہی انہوں نے وہ رابطہ نمبر ختم کر دیا تھا۔ اس سے پہلے عامر کی پوزیشن ان کے نزدیک نہ تو صاف تھی اور نہ ہی مشکوک۔ البتہ وہ محتاط ضرور ہو گئے تھے اور آج انہیں یقین ہو چلا تھا کہ عامر کی دنیا بدل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی کرم فرمائی سے اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی اتار کر اسے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق عطا کر دی ہے۔

وہ خود اہل ایمان تھے۔۔

ان کے دلوں میں نور الٰہی سمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کی بصیرت سے نوازا تھا۔

اور.....

مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا تھا۔

اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ڈسے جاتے۔ ان کے دلوں نے گواہی دے دی تھی کہ راہ گم کردہ اللہ کا یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم فرمائی سے صراط مستقیم پر آ گیا ہے۔

اور.....

وہ جسے ''را'' نے ان کی بربادی کے لئے ان کی صفوں میں داخل کیا تھا اب ''را'' کے لئے خود سامان بربادی پیدا کرنے جا رہے تھا۔

❁❁❁

باب13

اس کی زندگی نے اچانک کروٹ بدلی تھی۔

اب وہ مجاہد بن چکا تھا۔

اپنی پرانی زندگی کو اس نے یکسر فراموش کر دیا۔

اس کے ہاتھوں بنے بموں نے بھارتیوں کے لئے عذاب کھڑا کر دیا۔ سری نگر میں ہی میسر آنے والے سامان کی مدد سے اس نے مجاہدین کے لئے ایسا ایسا دھماکہ خیز مواد تیار کیا جس کے ذریعہ آٹے میں نمک کے برابر مجاہدین نے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبا دیئے۔ اس کی بے پناہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے پیش نظر اس کے بطور خاص حفاظت کی جاتی تھی۔

کمانڈر شاہین نے اس کے ساتھ مستقل مجاہد لگا دیئے تھے جنہیں بطور خاص یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی ''خالد'' کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

پنجاب میں سکھوں کی تحریک نجات اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی اور بھارت کی تمام اقلیتیں محسوس کرنے لگی تھیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کر کے ہی براہمن واد سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

پنجاب اور کشمیری مجاہدین آزادی کے درمیان رابطے کے لئے عامر کو استعمال کیا جاتا

تھا اس کی مدد سے مجاہدین نے کئی مشترکہ کارنامے انجام دیئے۔ چھ ماہ کی قلیل مدت میں اس نے پنجاب کے متعدد چکر لگا کر سکھ حریت پسندوں کو بم سازی کی تربیت دی۔

مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی مختلف تنظیموں نے اپنے ساتھیوں کو اس کے پاس تربیت کے لئے بھیجا اس کے تربیت یافتہ مجاہدین کے تیار کردہ بموں نے آتش و آہن میں ڈوبے بھارتی لشکریوں کو خوفزدہ کر دیا۔ اب وہ مجاہدین سے براہ راست ٹکرانے سے احتراز برتتے تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنا وقت گزار کر واپس چلے جائیں۔

اپنے راستے میں نظر آنے والے ہر اینٹ پتھر سے وہ خوفزدہ رہنے لگے تھے مبادا اس سے سے ٹکرانے پر ایک دھماکہ ہو اور اپنے ہیلکپٹر سمیت بھک سے اڑ جائیں.....

اس کی سرگرمیوں کا علم ''را'' کو تھا۔

لیکن.....

وہ اس تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔

مجاہد تنظیموں میں موجود ان کے ایجنٹوں کی رسائی بھی ''خالد'' تک ممکن نہیں تھی۔ اس کو متاع عزیز جان کر مجاہد کمانڈروں نے اس کا خصوصی سکیورٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اس تک پہنچنے سے پہلے کسی بھی مجاہد کو تلاش و تحقیق کے تین چار مدارج طے کرنے پڑتے تھے جس کے بعد ہی اس سے ملاقات ممکن تھی۔

اندریں حالات سوائے کف افسوس ملنے کے اور وہ کیا کر سکتے تھے۔

اس دوران کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں جب وہ کسی پہاڑ کے دامن میں کسی محفوظ پناہ گاہ پر گہری نیند سو رہا ہوتا اچانک اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے اسے جگا دیا ہو جیسے کوئی بے قرار روح اس سے ملنے کو بے چین ہو رہی ہو..... پھر اچانک ایک چہرہ سا اس کی نظروں کے سامنے تن جاتا۔

منظر واضح ہوتا تو فریدہ اپنے چہرے پر کئی سوال سجائے اس کے سامنے آن کھڑی ہوتی اور اس سے کہتی کہ اپنی جہادی زندگی کے مصروف لمحات میں سے کیا اس نے فریدہ کے لئے بھی کچھ وقت بچا رکھا ہے۔

کیا وہ بھی اس کے نہاں خانہ دل میں کہیں موجود ہے۔

کیا فریدہ کی طرح وہ بھی سردیوں کی طویل اور گہری راتوں میں کروٹیں بدل بدل کر اسے یاد کرتا ہے۔تب وہ گھنٹوں فریدہ سے تصور میں باتیں کرتا رہتا۔اسے بتاتا کہ کس طرح فریدہ نے اس کی زندگی کا کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے۔

وہ فریدہ سے کہتا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جس تحریک کا آغاز افغانستان میں ہوا تھا جس نے دنیا کی سپر پاور کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا اس کا تسلسل یہاں مقبوضہ کشمیر میں جاری ہے اور وہ دن جلد آئے گا جب مجاہدین کی قربانیں رنگ لائیں گی۔ جب فریدہ اور آصفہ جیسی لاکھوں مسلمان لڑکیوں کی آہ زاریاں اور شب بیداریاں اللہ کے ہاں مستجاب ہوں گی۔

اور.....

تب وہ اس سے ملنے آئے گا۔

ایک فاتح کی طرح.....

ایک ایسے انسان کی طرح جس کے پاس شرمندگی نہیں ہوگی۔

جو فریدہ کی نظروں سے نظریں ملا کر بات کر سکے گا۔

اسے بتا سکے گا کہ اس نے اپنا وعدہ نبھایا ہے۔

اور.....

اگر ایسا ممکن نہ ہو۔

اس راہ شہادت پر کسی بھی لمحے اس کی قبولیت ہوگئی تو وہ اپنے اللہ کے حضور سرخرو ہو کر کہہ سکے گا کہ اس نے اپنے خون سے اپنے دامن پر لگے غداری اور بدنامی کے سارے دھبے صاف کر دیئے ہیں۔

وہ خود ہی تصور میں فریدہ سے متعدد مرتبہ کہہ چکا تھا کہ وہ اس کی یاد میں کبھی نہ روئے کبھی نہ کبھی آنسو نہ بہائے۔

اپنی تمام توانائیاں مجاہدین کی تیاری کے لئے وقف کر دے۔

آج اس تباہ حال بے بس اور بس کس انسانوں کے ریوڑ کو جو خود کو مسلمان کہلاتا تھا مجاہدین کی ضرورت تھی۔!

اس قوم کو عالم بے عمل نہیں، عامل چاہئے تھا۔

ایسے عامل جو وہی کہیں جس پر عمل کر کے دکھائیں۔

حیرت کی بات تھی کروڑوں کی تعداد میں موجود ان نام نہاد مسلمانوں کو دشمن نے نامرد بنا رکھ دیا تھا۔ان کی زندگیاں مصلحتوں کی بھینٹ چڑھ گئی تھیں۔اپنے اپنے مفادات کے چکر میں پھنس کر وہ اپنی ذات تک مجبور ہو کر رہ گئے تھے۔

کولہو کے اس بیل کی طرح جو ساری زندگی ایک ہی مرکز کے گرد گھومتا رہتا ہے۔اس نے کئی مرتبہ جاگتے میں بھارت کے قلب میں ایک ''مسلم انڈیا'' کا خواب دیکھا تھا۔اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ مسلم انڈیا کے اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کا آغاز مقبوضہ کشمیر سے ہو چکا ہے۔

اور.....

آج اگر بھارت کا مسلمان کشمیری مجاہد کے ساتھ اپنی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر کھڑا ہو جائے تو کچھ عجب نہیں کہ رحمت الٰہی جوش میں آئے اور بھارت کے بائیس کروڑ مسلمانوں کے گلے سے غلامی کا طوق اتر جائے۔

باب 14

سکسینہ کے لئے زمین نہیں پھٹتی تھی کہ وہ اس میں سما جائے.....!!!

اس کے اعلیٰ افسران نے سوائے براہ راست گالی دینے کے اسے سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔

مس جین کے قتل کو ''را'' نے ٹھنڈے پیٹوں نہیں لیا تھا۔

وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔

عامر کی تلاش میں وہ شکاری کتوں کی طرح ہر طرف پھیل گئے تھے لیکن عامر تھا کہاں جو ان کے ہاتھ آتا۔ انسپکٹر مونگیا نے ایک ماہ انتظار کیا۔

وہ بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔ مس جین اس کی ہمکار ہی نہیں اس کی محبوبہ بھی تھی جس کے ساتھ گزاری راتوں کا تصور اسے پاگل کئے دیتا تھا۔

اور.....

یہ خیال کہ وہ مر چکی ہے۔

اسے عامر نے قتل کر دیا۔

اسے پاگل کئے دے رہا تھا۔

وہ جین کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے باؤلا ہوا جاتا تھا۔ اگر عامر ہاتھ نہیں لگ رہا تو کیا۔

اس کا باپ' بھائی' ماں' بہن سب ہی تو دہلی میں موجود تھے لیکن قباحت یہ تھی کہ سرکار دربار میں اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے وہ لوگ ان کے آف دی ریکارڈ ظلم وشر کا نشانہ اتنی آسانی سے نہیں بن سکتے تھے۔

پھر وہ کیا کرے؟

اپنے اندر دہکتے جوالا مکھی کو کیسے ٹھنڈا کرے۔

اور.....

آج یہی سوال لے کر وہ سکسینہ کے سامنے کھڑا تھا۔

''سر! آخر مجھے فری ہینڈ دینے کا مطلب کیا ہے؟''

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ تلخی سے دریافت کیا تھا۔

''مونگیا..... بہت ہو چکا..... گو آہیڈ.....''

سکسینہ نے جو تھوڑی دیر پہلے ہی کشمیر میں ہونے والے ایک بم دھماکے میں عامر کا ہاتھ ہونے کی خبر پر ڈانٹ کھا کر واپس آیا تھا۔ مونگیا کو واقعی فری ہینڈ دے دیا۔

''سر! میں وعدہ کرتا ہوں کہ مر جاؤں گا لیکن آپ کی عزت پر حرف نہیں آئے گا۔''

مونگیا نے دونوں پاؤں کی ایڑیاں جماتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس کی پرواہ نہیں رہی مونگیا..... بس اعتماد والے آدمی ساتھ رکھنا۔ یہ معاملہ مجھ تک ہی محدود رہے۔ اگر ہم اوپر والوں کے چکر میں پڑ گئے تو شاید وہ کچھ تذبذب کا مظاہرہ کریں۔ شاید ایسا کرنے کی اجازت ہی نہ دیں۔ لیکن اب معاملہ میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے اسے سری نگر کے پہاڑوں سے اتار کر دہلی کے جہنم کدے تک لانے کے لئے ایسی کوئی اطلاع اس کے کانوں تک پہنچانا ضروری ہے.....''

سکسینہ نے سگریٹ کا طویل کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔

''اب آپ بے فکر ہو جائیں سر.....! میں وہ کچھ کر دوں گا جس کے بعد وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا یہاں آئے گا.....''

مونگیا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

''گڈ لک مونگیا.....''

سکینہ نے کہا۔

یہ اس کے وہاں سے رخصت ہونے کا اشارہ بھی تھا۔

❁❁❁

آصفہ کے لئے عامر کا اچانک غائب ہو جانا بڑا پریشان کن تھا۔ وہ یوں تو اکثر تین تین چار چار روز کے لئے غائب ہو جایا کرتا تھا۔

لیکن.....

اتنے لمبے عرصے کے لئے اس کا غائب ہونا کم از کم آصفہ کے لئے بڑا پریشان کن تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس کے باپ کو اپنے بیٹے کی اتنی فکر نہیں تھی۔

''ارے آ جائے گا..... کہیں پھرے اڑا رہا ہوگا۔''

ایک روز جب اس نے اپنے بابا جان سے ضد کرے ہوئے عامر کی تلاش کے لئے کہا تو انہوں نے پائپ کی راکھ جھاڑتے ہوئے صرف اس ایک فقرے پر اکتفا کیا تھا۔

آصفہ کو عامر کے کردار سے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ لیکن جب سے ایک کشمیری مجاہد کی آمد ان کے گھر ہوئی تھی اور عامر نے اس کا تعارف کروایا تھا اس کے بعد سے اس نے عامر کی سرگرمیوں میں کچھ تبدیلی ضرورت نوٹ کی تھی جس نے اسے اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ شاید اس کے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرما دی ہے۔

آصفہ کا دل رہ رہ کر ایک ہی بات کہتا تھا کہ فریدہ کو ضرور اس بات کا علم ہوگا کہ وہ کہاں ہے؟

وہ جانتی تھی کہ اس کا بھائی فریدہ سے متعلق کیا جذبات رکھتا ہے اور اس خاندان میں شاید فریدہ واحد ایسی ہستی تھی جس پر وہ اعتماد بھی کر سکتا تھا۔

اس روز آصفہ نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ فریدہ سے پوچھ کر ہی رہے گی کہ اچانک فریدہ کی آمد ہو ہی گئی۔

دونوں نے معمول کے مطابق پہلے روایت قسم کی گفتگو کی جس کے بعد آصفہ نے اچانک ہی اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''فریدہ ہم دونوں میں خون کے رشتے سے زیادہ اعتماد کا رشتہ بھی ہے اور شاید نظریات

بھی۔''

''ہاں..... مجھے اس سے کب انکار ہے بھئی لیکن اچانک یہ یاد دلانے کی ضرورت کیسے ں آ گئی۔''

فریدہ نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''فریدہ تم نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا لیکن مجھے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ تمہیں مجھے عامر کے متعلق بتانا چاہئے تھا کہ کیا میں اس قابل نہیں رہ گئی کہ.....''

اس نے جان بوجھ کر ذو معنی سی بات کہہ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

فریدہ یکدم چونکی۔

اس نے یہی گمان کیا کہ شاید کسی حوالے سے آصفہ کو اس بات کا علم ہو چکا ہے یا پھر عامر نے خود اس سے رابطہ کر کے اسے بتا دیا ہے۔

''نہیں آصفہ..... ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے تم پر والدین سے زیادہ اعتماد ہے۔ مجاہدین کے ساتھ تمہاری نظریاتی وابستگی مجھ سے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے لیکن میں نے نجانے کیوں تمہیں بتانا مناسب نہ جانا۔ میری خواہش تھی کہ عامر خود ہی تم سے رابطہ کر کے تمہیں سب کچھ بتا.....''

اس نے بڑی سادگی سے یہ بات تسلیم کر لی کہ اسے عامر کی سرگرمیوں کا علم ہے۔

''گویا آپ کو پہلے سے اطلاع تھی.....''

آصفہ نے اسے مزید پکا کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں کہ جہاد پر جانے سے پہلے عامر نے مجھے اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا دیا تھا۔''

فریدہ نے بڑے فخر سے اقرار کیا۔

اور.....

اس سادگی میں سب کچھ آصفہ سے گوش گزار کر دیا۔

دوران گفتگو فریدہ محسوس نہ کر سکی کہ آصفہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور جیسے ہی اس کی بات مکمل ہوئی اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

وہ فریدہ کے کندھے سے لگی بچوں کی طرح رونے لگی۔

فریدہ نے اسے تسلی دے کر نارمل ہونے کو کہا۔ اسنے آصفہ سے درخواست کی تھی کہ وہ صورت حال کی نزاکت کو سمجھے اگر گھر میں کسی کو بھی علم ہو گیا کہ انہیں عامر کی سرگرمیوں کا علم ہے تو بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔

''جہنم میں جائیں گھر والے..... فریدہ مجھے تو یہ دکھ کھائے جاتا ہے کہ بھیا نے مجھے اس قابل کیوں نہ جانا کہ مجھے خود بتا کر جاتے۔ آخر تو انہیں میرے نظریات کا علم تھا ہی.....''

اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

''اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا آصفہ..... کاش تم نے آخری لمحات میں اسے دیکھا ہوتا۔ اس کے چہرے کی رنگت ہی بدل گئی تھی وہ تو کسی اور ہی دنیا کا مکین لگتا تھا۔''

فریدہ نے اسے بتایا۔

''اللہ میرے بھائی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ کاش میں اس کے شانہ بشانہ کھڑی ہوتی۔''

احساس تفاخر سے آصفہ نے کہا۔

اس وقعہ کے تیسرے ہی روز آصفہ کے نام عامر کا خط آ گیا تھا۔

یہ خط اس نے سری نگر سے لکھا تھا جو مجاہدین نے بڑے محفوظ طریقے سے آمنہ تک پہنچایا تھا کیونکہ انہیں علم نہیں تھا کہ ''را'' نے ان پر کڑی نظر رکھی ہو گی۔

اس روز آصفہ اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ کناٹ پیلس شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھی جب ایک دکان سے باہر آتے ہوئے ایک نوجوان نے بڑی آہستگی سے اس کا نام لے کر اسے اس طرح مخاطب کیا تھا کہ کسی اور کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

''آصفہ بہن کوئی سوال نہ کرنا۔ یہ عامر کا خط ہے تمہارے لئے۔''

یہ کہہ کر اس نے آصفہ کو ایک خط تھمایا اور جس طرح چھلاوے کی طرح دکھائی دیا تھا اسی طرح غائب ہو گیا۔

آصفہ نے بھی ایک لمحے کے توقف کے بغیر خط اپنے پرس میں منتقل کر لیا اور پھر گھر کے بعد اسے اپنے کمرے میں جا کر کھولا تھا۔

عامر نے لکھا تھا۔

پیاری بہن!

مجھے علم ہے تمہیں یہ جان کر بہت خوشی ہو گی کہ اپنی خاندانی روایات کے برعکس تمہارے اس گناہگار بھائی نے جہاد کا راستہ اختیار کیا ہے اور میں اس وقت اپنے مرکز سے لکھ رہا ہوں۔

پیاری بہن!

اپنے پاگل پن میں تم جذباتی ہو کر کبھی کبھی جو باتیں کیا کرتی تھیں وہ یہاں آ کر سچ ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ کشمیر کے مرغزاروں سے اٹھنے والی یہ تحریک اب یہاں نہیں ٹھہرے گی اور اس کا سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ مسلم انڈیا کا خواب ہماری زندگی میں نہیں تو ہمارے بعد کی نسل ضرور تعبیر میں ڈھلتا دیکھے گی۔ میرے لئے دعا کرنا کہ مجھے اس راستے میں شہادت نصیب ہو جائے۔ اس طرح کم از کم ہم اپنے بزرگوں کی ملی گناہوں کا کچھ کفارہ تو ادا کر جائیں گے۔

زندگی رہی تو انشاء اللہ جلد ملاقات بھی ہو گی۔ اگر مر جاؤں تو اللہ تعالیٰ سے میری بخشش اور شہادت کی قبولیت کی دعا کرنا اور فریدہ کا خیال رکھنا۔

تمہارا بھائی

عامر خان

اب تک درجنوں مرتبہ آصفہ نے اس خط کو پڑھا اور چوم چوم کر اپنی انکھوں سے لگایا ساری زندگی وہ اپنے بزرگوں کے جن کارناموں پر پچھتاوے کا شکار رہا کرتی تھی آج اپنے اکے ایک خط نے وہ احساس گناہ جیسے دھو ڈالا تھا۔ اب وہ خود پر فخر کر سکتی تھی کہ وہ ایک مجاہد کی ہے۔

اس نے فوراً ہی فون کر کے فریدہ کو اپنے گھر بلا لیا تھا۔

وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز سہیلی' اپنی بہن اور اپنے بھائی کی محبوبہ کو اس خوشی میں اس میں برابر کا حصہ دار بنانا چاہتی تھی۔

فون پر اس نے فریدہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ ان کے گھر کے تمام ٹیلی فون ''زا'' بگ کر رہی ہے اور ان پر ہونے والی تمام گفتگو ریکارڈ کی جا رہی ہے۔ فریدہ بھی جان گئی کہ ضرور کوئی اہم بات ہے تب ہی اس نے فون پر کچھ نہیں بتایا بلکہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اسے گھر بلایا تھا۔

فریدہ گھر پہنچی تو آصفہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

اس کے روئیں روئیں سے مسرت کے فوارے ابل رہے تھے۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے عامر کی چٹھی چوم کر فریدہ کی طرف بڑھائی۔

فریدہ نے بھی بے قراری سے اسے متعدد بار پڑھا۔

ایک ایک لفظ کو اس کی مکمل معنویت کے ساتھ محسوس کیا۔ اسے خط کی سطر سطر سے عام کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس مختصر سی تحریر کے پس منظر سے عامر کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ پرنور اور بدلا ہ چہرہ۔

ایک مجاہد کا چہرہ۔

اس کا بدلا روپ دیکھنے کے لئے تو فریدہ نے قیامت تک انتظار کی ٹھان رکھی تھی ا عامر نے کتنی جلدی اسے سچ کر دکھایا تھا۔

''مجھے تمہاری محبت پر فخر ہے عامر۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا اور احترام سے خط دوبارہ تہہ کر کے آصفہ کو لوٹا دیا۔

❁❁❁

معمول کے مطابق آج بھی آصفہ یونیورسٹی جانے کے لئے کمرے سے باہر آئی اسے علم ہوا کہ آج صبح صبح اس کی ممی ڈرائیور کے ساتھ کہیں چلی گئی ہے اور اب اسے ٹیکسی ذریعے یونیورسٹی جانا ہوگا۔ پہلے تو اس کا جی چاہا کہ آج چھٹی کر لے۔

لیکن.....

یونیورسٹی کے ایک مباحثے میں اس کی شرکت ضروری تھی اور وہاں بہت سے لوگ کے منتظر تھے۔

بادل نخواستہ اس نے اپنے ایک نوکر کو بھیج کر ٹیکسی منگوائی اور اس میں سوار ہو کر چل ی۔ آصفہ نوٹ نہ کر سکی کہ اس کے گھر سے نکلتے ہی ایک کار اور جیپ اس کے تعاقب میں لگ گئی تھیں۔

یہ انسپکٹر مونگیا اور اس کے ساتھی تھے۔

ان لوگوں کے تعاقب کا انداز ایسا تھا کہ ان کے شکار کو شک نہیں گزر سکتا تھا کبھی کار آگے ہوتی اور جیپ پیچھے اور کبھی جیپ پیچھے اور کار آگے.....!

آصفہ کی ٹیکسی ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی جب اچانک اس کے پیچھے آنے والی جیپ تیزی سے آگے نکل گئی اس کے ساتھ ہی اس کی اگلی سیٹ پر بیٹھے انسپکٹر مونگیا نے ٹیکسی ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کا اشارہ کیا۔

ٹیکسی ڈرائیور شاید عقل مند تھا جس نے بجائے بھاگنے کے سڑک کے ایک کنارے پر گاڑی کھڑی کر دی۔

''کیا بات ہے۔ رک کیوں گئے۔''

آصفہ نے قدرے پریشانی سے اسے پوچھا۔

''میڈم یہ شاید پولیس کے لوگ ہیں انہوں نے گاڑی روکی ہے۔ آپ جانتی ہیں آج کل بہت سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔''

ڈرائیور نے بڑے احترام سے جواب دیا۔

''اوہ کیا بکواس ہے تم چلو..... میں دیکھ لوں گی انہیں۔''

آصفہ کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

اسے سمجھ آ رہی تھی کہ اس کی ٹیکسی کو کیوں روکا گیا ہے۔

لیکن.....

اس کے پاس سوائے انتظار کرو اور دیکھو کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

جیپ سے اب ایک نوجوان اتر کر اس طرف آ رہا تھا۔

''کاغذ دکھاؤ اپنے۔''

اس نے چھٹتے ہی ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے گاڑی کے ڈیش بورڈ سے کاغذات نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''ادھر آ جاؤ.....مجسٹریٹ صاحب سپیشل چیکنگ کر رہے ہیں۔''

اس نے ڈرائیور کو جیپ کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر سہمی ہوئی آصفہ کے نزدیک پہنچ گیا۔

''معاف کیجئے گا میڈم آپ کو زحمت ہوئی دراصل مجسٹریٹ صاحب خصوصی چیکنگ کر رہے ہیں۔آپ جانتی ہیں حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔''

اس نے نظروں ہی نظروں میں آصفہ کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''دیکھئے مجھے جلدی یونیورسٹی پہنچنا ہے۔آپ براہ کرم اسے جانے دیجئے۔میں خان بہادر صاحب کی بیٹی ہوں.....''

اس نے اپنے باپ کا حوالہ دیتے ہوئے بظاہر اپنے لاشعور میں چھپے خوف سے نجات حاصل کرنے کی سعی حاصل کی تھی۔

''میڈم آپ جو کوئی بھی ہو قانون کی نظروں میں سب برابر ہیں۔ہم جنتا کے تحفظ کے لئے یہ کچھ کر رہے ہیں۔یہاں آتنگ واد (دہشت گردی) پھیلا ہوا ہے اور جنتا کی رکھشا کرنا ہی ہمارا کرتوے (فرض) ہے.....''

اس نے آصفہ کو باتوں میں لگائے رکھا۔

اسی اثناء میں ڈرائیور انسپکٹر مونگیا کے ساتھ منہ لٹکائے اس طرف آتا دکھائی دیا۔اس اثناء میں اس نے ڈرائیور کو شاید رام کر لیا تھا۔

''آپ اتر جائیں میڈم.....افسوس ہم آگے نہیں جا سکتے۔''

ڈرائیور نے اس سے کہا۔

''کیوں.....کیا مطلب ہے تمہارا۔''

آصفہ اب واقعی گھبرا گئی تھی۔

''دیکھئے میں نے یہ گاڑی تین روز پہلے اپنے ایک واقف کار سے خریدی ہے اس کمبخت نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ گاڑی تو چوری کی ہے اور کاغذات بھی دو نمبر بنے ہوئے ہیں.....آپ کو اپنی پڑی ہے۔میں غریب آدمی مارا گیا میرا کیا بنے گا۔''

اس نے آصفہ سے قدرے چڑتے ہوئے کہا۔

''ہمیں افسوس ہے میڈم آپ کو باہر آنا پڑے گا یہ گاڑی تو پولیس سٹیشن جائے گی۔''

انسپکٹر مونگیا نے اس کی طرف دیکھ کر عجیب سے لہجے میں کہا۔

''سر! یہ خان بہادر صاحب کی صاحبزادی ہیں۔''

نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....وہ تو ہمارے بزرگ ہیں۔کہاں جائیں گی آپ''

مونگیا نے اپنے اسسٹنٹ کا اشارہ سمجھ کر جال پھینکا۔

اور.....

بے چاری آصفہ پھنس گئی۔

اس نے یہی سمجھا کہ مجسٹریٹ صاحب شاید اس کے والد کے جاننے والے ہیں وہ آخر کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔شہر میں ان کا بڑا نام تھا۔

''آپ کہاں جائیں گی۔''

مونگیا نے جو مجسٹریٹ کا روپ دھارے ہوئے تھے اس سے دریافت کیا۔

''جی مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔''

آصفہ نے انکساری سے کہا۔

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمارے ساتھ آ جائیں۔یہاں سے تو ٹیکسی ملنا مشکل ہے۔اگلے چوک پر شاید مل جائے۔اگر نہ بھی ملے تو کوئی بات نہیں ہم آپ کو یونیورسٹی چھوڑ آتے ہیں۔میرا نام آشیش کمار ہے خان صاحب سے کلب میں ملاقات رہتی ہے۔میرے پتا کرنل کمار کے وہ بہت اچھے دوست ہیں۔''

مونگیا نے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔

اسی اثناء میں آصفہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

وہ اس پیشکش پر کچھ متذبذب تھی۔

لیکن.....

اس پیشکش کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔آخر وہ کب تک یہاں

کسی سواری کا انتظار کرتی۔اس طرح وہ کبھی یونیورسٹی بروقت نہیں پہنچ سکتی تھی۔

''مجھے بے حد افسوس ہے میڈم کہ آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا لیکن ایک ذمہ دار آفیسر ہونے کے ناطے میں اس ٹیکسی کو بالکل نہیں چھوڑ سکتا۔''

مونگیا نے آصفہ سے کہا پھر اس کا جواب سنے بغیر اپنے اسی ماتحت سے مخاطب ہو' جس نے اس ڈرامے کی ابتدا کی تھی۔

''اسے لے جاؤ اور حوالات میں بند کرد..... میں خود اس معاملے کو دیکھوں گا۔''

''یس سر!''

نوجوان نے مودب لہجے میں کہا اور ٹیکسی ڈرائیور کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔آصفہ کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی کا انجن سٹارٹ ہوا اور وہ دونوں چلے گئے۔

''آیئے آپ کو میں اگلے چوک تک چھوڑ دوں۔''

مونگیا نے دوبارہ آصفہ کو مخاطب کیا اور اس کے جواب سنے بغیر چلنا شروع کر دیا۔غیر ارادی طور پر آصفہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔جیپ میں صرف ڈرائیور موجود تھا۔

''آپ آگے تشریف رکھیں۔''

مونگیا نے اگلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

اور.....

آصفہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

مونگیا جیپ کے بیک ڈور سے اس سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔اس نے بظاہر یہی تاثر دیا تھا کہ وہ خان بہادر صاحب کی بیٹی کو بہت عزت دے رہا ہے۔

جیپ اس کے بیٹھتے ہی چل دی۔

وہ کار جوان کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی اور اب ان سے قدرے فاصلے پر رک گئی تھی۔ ڈرائیور نے بونٹ کا ڈھکن اٹھا رکھا تھا۔جیسے ہی جیپ ان کے قریب سے گزری اس نے بونٹ نیچے گرایا اور لپک کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

اب وہ جیپ کے تعاقب میں جا رہا تھا.....!

❁❁❁

آصفہ سہمی سکڑی اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی جب اچانک ہی اسے اپنا دم گھٹنے کا احساس ہوا پچھلی سیٹ پر بیٹھے مونگیا نے اس کے منہ پر اچانک ہی ایک رومال رکھ کر اس کا منہ سختی سے اس طرح دبایا تھا کہ وہ جنبش کرنے کے لائق نہیں رہی تھی۔

یہ رومال شاید کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا۔آصفہ کو بمشکل چند سانس لینے کی مہلت ہی ملی تھی جب اس کی گردن ڈھلک گئی۔

وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

آصفہ کی آنکھ ایک آرام دہ بستر پر کھلی تھی۔اس نے بیدار ہوتے ہی بڑی حیرت اور پریشانی سے اپنے چاروں طرف دیکھا اور اندازہ لگا لیا کہ اسے کسی فلیٹ کے کمرے میں رکھا گیا ہے۔خوف اور غصے کے ملے جلے جذبات سے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور دروازے کی طرف بڑھی جو باہر سے بند تھا۔

بہت زور لگا کر اس نے جب کھڑکی کھولی تو سہم کر پیچھے ہٹ گئی وہ دس منزلہ عمارت کی شاید آخری منزل پر بند تھی۔

جیسے ہی وہ واپس پلٹی دروازہ کھلا اور اس سے مونگیا اور دو لڑکیاں اندر آ گئیں.....!

''حرام زادے.....''

آصفہ کی نظر جیسے ہی اس کی منحوس شکل پر پڑی اس کا پارہ کھولنے لگا۔

اپنی دانست میں تو وہ مونگیا پر حملہ آور ہونے کے لئے اس کی طرف بڑھی تھی۔

لیکن.....

اچانک ہی آنے والی لڑکیوں میں سے ایک نے گھوم کر اس کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا کہ آصفہ کے گال پر پانچوں انگلیوں کے نشان ثبت ہو گئے اور وہ تلملا کر دوبارہ پلنگ پر جا گری۔ اسے اپنے گال پر انگارے دہکنے کا احساس ہوا تھا۔

غصے بے عزتی اور خوف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ وہ دوبارہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تو دوسرے گال پر یہی عمل دوسری لڑکی نے دہرایا۔اب انہوں نے اسے اٹھنے کی مہلت بھی نہیں دی تھی دونوں تربیت یافتہ اور شاید انتہائی اذیت پسند لڑکیاں تھیں۔انہوں نے پلنگ پر گری آصفہ کو اس طرح جکڑ لیا تھا کہ اسے اپنے بدن کی ہڈیاں ٹوٹتی محسوس ہونے لگی تھیں۔

خوف اور درد کی اذیت سے اس کی چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ دونوں اس سے لطف اندوز ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔ مونگیا کے اشارے پر انہوں نے اب آصفہ کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے اشارہ ملتے ہی اسے کچا چبا جائیں گی۔

''عامر کہاں ہے؟''

مونگیا نے درد سے بے حال اور خوف سے سمٹی ہوئی آصفہ سے پوچھا۔

''مم مجھے نہیں پتہ۔''

''ٹھیک ہے ابھی شاید تمہاری یادداشت کام نہیں کر رہی۔ یہ دونوں تمہاری یادداشت ابھی ٹھیک کئے دیتی ہیں۔''

مونگیا کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی دونوں خونی بھیڑیوں کی طرح دوبارہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ پلک جھپکنے میں انہوں نے آصفہ کے جسم کے تمام کپڑے تار تار کر ڈالے تھے اور اس کے نازک اعضاء پر اس بے رحمی سے ضربات لگائی تھیں کہ اس کا رنگ نیلا پڑنے لگا تھا دونوں شاید جانوروں کی کسی نسل سے تعلق رکھتی تھیں کیونکہ آصفہ کی چیخوں اور سسکیوں کے ساتھ ان کے قہقہے بلند ہوتے جا رہے تھے۔

مونگیا کے اشارے پر انہوں نے پھر اسے چھوڑ دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئیں

''ابھی تمہیں عورتیں مار رہی تھیں۔ میں تمہیں صرف دس منٹ کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس درمیان اگر تمہیں یاد آ جائے کہ عامر کہاں ہے تو ٹھیک ورنہ کم از کم دس آدمی تمہاری آبروریزی کریں گے اور اس دوران اگر تمہیں یاد آ بھی گیا تو تمہاری جان نہیں چھوٹے گی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تمہیں معاف کرنا پسند نہیں کرے گا..... اب یہ فیصلہ تم خود کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ کاغذ قلم موجود ہے اس پر اس کے تمام ممکنہ ٹھکانے لکھ دو.....''

مونگیا نے بڑے سفاک لہجے میں اسے مخاطب کیا اور واپس چل دیا۔

اچانک ہی اس کی ہمراہی دونوں لڑکیاں واپس ☆☆ کی طرح زخم خوردہ اور درد سے بے حال آصفہ کے منہ کے نزدیک اپنے ہاتھوں کی انگلیاں اور لمبے لمبے ناخن اس طرح ہلانے شروع کئے جیسے اس کا چہرہ نوچنے جا رہی ہوں۔

آصفہ نے ہسٹریائی انداز میں چیخنا شروع کر دیا تھا جس پر دونوں نے طرح قہقہے

لگائے اور اپنے خونی دانتوں سے اس کے گال کاٹ کر اس طرح قہقہے لگاتی باہر چلی گئیں۔

دروازہ بند کرنے سے پہلے انہوں نے ایک مرتبہ پھر اپنے خونی چہرے بگاڑ کر آصفہ کو چیخیں مارنے پر مجبور کر دیا تھا پھر ٹھک سے دروازہ لاک کر کے باہر چلی گئیں۔

❁❁❁

آصفہ کو سمجھ آ گئی تھی کہ وہ کن درندوں کے جال میں پھنس گئی ہے۔ اس نے حال ہی میں بھارتی انٹیلی جنس ''را'' سے متعلق ایک طویل مضمون پڑھا تھا جس میں ایسی ایسی باتیں لکھی گئی تھیں جنہیں پڑھ کر ہی خوف آتا تھا۔

اور.....

بدقسمتی سے وہ اس تجربے سے گزر رہی تھی۔

اس بات کا تو اسے علم تھا کہ اسے اغوا کیوں کیا گیا ہے؟

وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر اسے عامر کے ٹھکانے کا علم بھی ہوتا اور وہ انہیں اس کے متعلق بتا بھی دیتی تو بھی یہ لوگ اسے اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھا کر مار ڈالتے اور اس کی لاش بھی کسی کے ہاتھ نہ لگتی۔

یہ لوگ سب کچھ ''آف دی ریکارڈ'' کرتے تھے۔

اس کا گھرانہ لاکھ اثر رسوخ والا ہو لیکن اس بات کا سوال بھی نہیں اٹھتا تھا کہ ان کی رسائی کبھی آصفہ تک ہو سکے گی۔

یہ بڑے مکار لوگ تھے۔

ابھی تک انہوں نے عامر کی تلاش کے لئے اس کے گھر والوں سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ انہیں بتانا ہی نہیں چاہتے تھے کہ عامر سے متعلق وہ کسی شک میں مبتلا ہیں۔

پھر وہ کیا کرے؟

کدھر جائے؟

کس کو مدد کے لئے پکارے،

اس نے دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر التجا کی کہ اس کی

عصمت محفوظ رہے اور وہ اپنی روح پر کوئی سیاہ دھبہ لگا کر اس دنیا سے رخصت نہ ہو۔

اور.....

وہ شاید قبولیت دعا کا کوئی لمحہ تھا جب اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی دعا قبول ہوگئی۔ وہ چونکہ اپنے سارے خاندان سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتی آئی تھی۔ اس نے چونکہ ابتدا ہی سے مسلمان عورت کی عصمت اور عظمت کو جان لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مرتبہ شہادت سے نواز کر اس کی زندگی بھر کی محنت کو باریاب کرنے کا حکم دے دیا۔

اسے احساس ہوگیا کہ وہ یہاں سے کبھی واپس نہیں جاسکتی..... تمام راستے بند تھے۔

لیکن.....

ایک راستہ کھلا تھا۔

عزت کی موت کا راستہ!!!

اور..... آصفہ نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس طرح وہ اپنے بھائی کے شانہ بشانہ صف شہداء میں کھڑی ہوسکتی تھی۔ اسے علم تھا ایک روز عامر بھی اللہ کی راہ میں اسی طرح جان دے دے گا جس طرح کشمیر کے ہزاروں مجاہد دیتے آرہے تھے۔ اسے قیامت کے روز اپنے بھائی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

بالآخر وہ بڑے مضبوط قدموں سے اٹھی۔

اس نے پلنگ کے کونے پر لگی تپائی پر رکھے کاغذ پر لکھا۔

''میں ایک مسلمان لڑکی ''را'' اور دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں کو بتا رہی ہوں کہ مسلمان ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہے۔ ''را'' کی درندگی کا نشانہ بننے پر میں موت کو ترجیح دے رہی ہوں۔

میں اپنے گمراہ خاندان کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ ساری زندگی ہندو کی غلامی کرنے کے باوجود وہ ہندو سے اپنی بیٹی کی عزت بھی نہیں بچا سکتے.....

مجھے اپنے بھائی عامر پر فخر ہے جس نے غلامی کی زندگی پر لعنت بھیج کر

عزت کی شہادت کا راستہ اختیار کیا ہے.....

عامر بھائی! انشاء اللہ اب جنت میں ہم دونوں اکٹھے ہوں گے۔''

آصفہ

کاغذ کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اسے کھول کر آخری لمحے پر اس نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور باہر کود گئی۔

❁❁❁

دہلی کی سڑکوں پر زندگی معمول کے مطابق رینگ رہی تھی۔

یہ شہر کا پررونق علاقہ تھا جہاں ایک بڑی بلڈنگ کا آخری مکمل فلور ''را'' کے قبضے میں تھا۔ یہ ان کے اس شہر میں موجود درجنوں ''سیف ہاؤسز'' میں سے ایک ''سیف ہاؤس'' تھا جہاں تمام ''آف دی ریکارڈ'' کی کاروائیاں کی جاتی تھیں۔

آصفہ نے زمین پر گرنے سے پہلے ہی شاید دم توڑ دیا تھا۔

اس کی حالت دیکھ کر کوئی اندھا بھی بخوبی جان سکتا تھا کہ موت سے پہلے اس پر تشدد کیا گیا ہے۔ جبل پور کے شاکر میاں بھی اس ہجوم کے تعاقب میں اس طرف لپکے تھے جو لاش کے گرد جمع ہو رہا تھا۔ کسی نے اس کی مٹھی میں پکڑا کاغذ نکال کر پڑھنے کی کوشش کی۔

''ارے یہ تو اردو میں لکھا ہے۔''

اس شخص نے کہا۔

''مجھے دیجئے میں پڑھتا ہوں۔''

جبل پور کے شاکر میاں نے کہا۔

اور.....

تحریر پڑھتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو کے ساتھ خون بھی اتر آیا۔ وہ درد دل رکھنے والے مسلمان تھے جنہوں نے زندگی میں ہندو کی برتری جیتے جی تسلیم نہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ ایک لمحے میں انہیں ساری کہانی سمجھ آگئی۔

ان سے زیادہ ''را'' کو کون جان سکتا تھا۔ انہوں نے تین مرتبہ جبل پور اور ایک مرتبہ دہلی میں تفتیش کاٹی تھی۔

''کیا لکھا ہے..... کیا بات ہے۔''

تین چار لوگوں نے متجسس ہو کر ان سے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں بے چاری نے خودکشی کر لی اور لکھا ہے کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کے ہاتھوں زندہ درگور ہونے کی بجائے عزت کی موت مرنا زیادہ پسند کرے گی۔ یہ کوئی مسلمان لڑکی ہے جس کا نام آصفہ ہے.....''

شاکر میاں نے اونچی آواز سے سب کو بتا دیا۔

''ارے یہ تو خان بہادر کی بیٹی ہے۔''

اچانک ہی ایک آواز سنائی دی۔

''ہیں..... خان بہادر صاحب کی۔''

دو تین لوگوں نے بیک زبان ہو کر کہا۔

شاکر میاں کو اس اثناء میں بلڈنگ کے مین دروازے سے کچھ لوگ بھاگ کر اس طرف آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے وہ کاغذ اسی شخص کو واپس تھمایا اور کھسک لئے۔ اگر وہ ایک منٹ بھی یہاں کھڑے رہتے تو ان کی جان کے لالے بھی پڑ سکتے تھے۔

''ہٹو..... ہٹو۔ پرے ہٹ جاؤ..... کیا بات ہے کیا ہوا۔''

آنے والوں میں سے دو کے باقاعدہ پستول لہراتے ہوئے لوگوں کو وہاں سے ہٹ جانے کے لئے کہا۔

اور مجمع پھٹ گیا۔

''یہ اس کے ہاتھ میں تھا۔''

اسی شخص نے ایک پستول بردار کو کاغذ تھما دیا۔

پستول برادر نے کاغذ اپنے انچارج مونگیا کی طرف بڑھایا جس نے پستول بردار کو دوسرا حکم دے دیا۔

''تجھے کہاں سے ملا ہے یہ۔''

پستول والے نے اس نوجوان کو قمیض کے کالر سے پکڑ کر قابو کر لیا اور اسے بلڈنگ کی طرف لے گیا۔

''اس کے ہاتھ سے نکل کر گرا تھا..... بھگوان کی سوگند مجھے کچھ علم نہیں..... مجھے نہیں معلوم میں تو پڑھ بھی نہیں سکتا..... اس پر تو اردو زبان لکھی ہے.....''

نوجوان سمجھدار معلوم ہوتا تھا۔

''کیا نام ہے تیرا۔''

''آنند۔''

نوجوان نے سہمے ہوئے کہا۔

''کسی نے یہ کاغذ تو نہیں دیکھا۔''

پستول بردار نے اسے کالر سے پکڑے پکڑے جھٹکا دے کر پوچھا۔

''نہیں مہاراج۔ میں آنند وجے ہوں۔ میں ''آر ایس ایس'' کا سیکٹر انچارج ہوں۔ میں نے تو یونہی زمین سے اٹھا لیا تھا تاکہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگے اور میں پولیس کو دے دوں۔''

نوجوان خاصا چالاک دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے ''آر ایس ایس'' (راشٹریہ سیوک سنگھ) کا نام شاید اپنی جان بچانے کے لئے استعمال کیا تھا اور اس کا یہ تیر لگا بھی عین نشانے پر۔

''تم تو پھر اپنے ہی بھائی ہوئے ناں۔''

پستول بردار نے اس کا کالر چھوڑ دیا۔

''آپ بے فکر رہئے..... کسی نے یہ نہیں پڑھا۔''

نوجوان نے اسے مزید مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے اب تم پتلی گلی سے نکل جاؤ..... اور دوبارہ کبھی دکھائی نہ دینا۔''

اس نے آنند سے کہا جو اس طرح سے بھاگا تھا جیسے اگر چند لمحے بھی یہاں رکا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔ اچانک ہی وہاں ایک ایمبولینس آ گئی تھی جس میں ان لوگوں نے آصفہ کی لاش رکھی اور غائب ہو گئے۔

❁❁❁

شاکر میاں نے گو کہ سب کو اونچی آواز سے بتا دیا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ کیا ماجرا ہوا ہے لیکن انہیں امید نہیں تھی کہ یہ خبر کوئی اخبارات تک پہنچائے گا۔ دہلی کے دو اخبارات پچھلے کچھ

دنوں سے ''را'' سے ناراض دکھائی دیتے تھے۔شاکر میاں نے فوراً پرائیویٹ ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا۔انکوائری سے قریباً دس گیارہ اخبارات جرائد اور خبر رساں ایجنسیوں کے ٹیلی فون نمبر معلوم کئے اور یکے بعد دیگرے انہیں فون کرتے چلے گئے۔پندرہ بیس منٹ بعد جب وہ فراغت پا چکے تو اطمینان سے اپنے کام پر چل دیئے جس کے لئے دہلی آئے تھے۔

انہوں نے ہر اخبار اور ایجنسی کو مرنے والی کے ہاتھ میں لکھے پیغام کا ایک ایک لفظ لکھوا دیا تھا اور اپنا نام سب کو لاجپت رائے بتایا تھا ایک جعلی سا ایڈریس بھی لکھوا دیا تھا۔اب وہ مطمئن تھے کہ کم از کم مرنے والی کو گمنامی کی موت سے انہوں نے بچا لیا تھا انہیں امید تھی کہ ایک دو اخبارات تو ضرور اس خبر کو اچھالیں گے۔

ان کے فون ملنے کے فوراً بعد اخبارات اور ایجنسیوں کے رپورٹر موقعہ واردات کی طرف بھاگے بھی۔لیکن یہاں سے لاش غائب تھی۔البتہ ابھی تک سڑک پر خون کے نشان موجود تھے اور دو تین خوفزدہ لوگوں نے اپنی شناخت خفیہ رکھنے کے وعدے پر انہیں تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔

انہوں نے وہی کہانی سنائی تھی جو شاکر میاں سے فون پر سن کر وہ آ رہے تھے۔آصفہ کی لاش اخبار والوں کو کسی سرکاری مردہ خانے میں نہیں مل سکی۔لیکن .....دو اخبارات نے (Exclusive) کے چکر میں کسی نہ کسی طرح اس کے گھر سے اس کی تصاویر حاصل کر لی تھی اور خان بہادر صاحب تک یہ اطلاع بھی اس حوالے سے پہنچ گئی تھی کہ ان کی صاحبزادی کے ساتھ کیا گزری ہے!!

ان پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔عامر غائب تھا اور ان کی بیٹی ماری جا چکی تھی۔خان بہادر کو فوراً سمجھ آ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔''را'' کے کسی مسئلے میں آنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے اور عامر کیوں غائب ہے؟

انہوں نے اپنا سر پیٹ لیا اور فوراً اپنے دوستوں کا جلوس اکٹھا کر کے پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔''را'' نے بے پناہ دباؤ کے باوجود اس سلسلے میں کسی بھی قسم کا تعاون سے انکار کر دیا اور رات گئے اس یقین دہانی پر آصفہ کی لاش خان بہادر کو سونپی کہ وہ اس سلسلے میں کسی بھی اخبار میں ایک لفظ کا بیان نہیں دیں گے نہ ہی کبھی بھولے سے بھی ان کی زبان پر ''را'' کا نام آئے گا۔

خان بہادر کے لئے ان کی تمام شرائط پر صاد کرنے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہیں بچا

اگلے روز دو اخبارات نے تو شاکر میاں کے فون سے اپنی تفتیش تک کی ساری کہانی لکھ کر دی تھی لیکن باقی کسی نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔

خان بہادر فیملی نے ''را'' کی ہدایت پر راتوں رات آصفہ کو اپنے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔صدمے سے نڈھال خان بہادر اور ان کے اہل وعیال کو آصفہ کی بہیمانہ موت سے زیادہ اس کی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا کہ ان دونوں بہن بھائیوں کا دماغ کیوں خراب ہو گیا تھا اور کس راستے پر چل نکلے۔ان کی وجہ سے اس خاندان کی بنی بنائی عزت کے سرکار دربار میں خاک میں مل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

ایک فریدہ تھی۔

جو سب لوگوں کی نظروں میں اس کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔اس نے خاندان کے بزرگوں کے بے پناہ دباؤ کے باوجود تمام واقعات سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے کیا آصفہ کے متعلق کسی بھی بات کی خبر ہے۔

اس کے باوجود خان بہادر کو شک تھا کہ ضرور فریدہ ان سے کچھ چھپا رہی ہے کیونکہ وہ آصفہ کی سب سے گہری دوست تھی اور ان کے صاحبزادے عامر کے فریدہ سے متعلق جذبات کا سارے خاندان کو علم تھا۔

خان فیملی سوگوار تھی.....آصفہ کا جنازہ تو چپ چاپ اٹھ گیا لیکن.....!

آصفہ کی رسم قل میں سارا شہر امڈ آیا تھا۔

خان بہادر صاحب معمولی اثر رسوخ والے آدمی نہیں تھے۔اگر یہ معاملہ پولیس کا ہوتا تو وہ سارے شہر کو تگنی کا ناچ نچا دیتے۔

لیکن.....

یہاں ''را'' موجود تھی۔

اور.....

انہیں سکینہ نے بتایا تھا کہ ان کا صاحبزادہ ''دیش دروھی'' (غدار) بن چکا ہے وہ

کشمیری آتنک وادیوں (دہشت گردوں) کے ساتھ مل کر بھارت کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے اس کے تیار کردہ بموں نے سینکڑوں بھارتی سورماؤں کی جان لے لی ہے.....اور اس کی مرحومہ بن اپنے بھائی کی راز دار تھی.....

خان بہادر ہونٹ کاٹ کر رہ گئے۔

انہوں نے اس مسئلے پر خاموشی اختیار کر لی تھی اور اپنے ملنے والوں سے کہہ دیا۔

❁❁❁

باب 15

چار ماہ تک عامر کو آصفہ کی موت کی خبر نہ ہو سکی گو کہ مجاہدین کو اخبارات کے ذریعے یہ اطلاع مل چکی تھی لیکن کمانڈر شاہین کے حکم پر یہ اطلاع عامر تک نہ پہنچائی جا سکی۔ کمانڈر شاہین خود دوسرے محاذوں پر مصروف رہا۔ بھارت نے وادی میں اچانک اپنی فوجوں میں اضافہ کر دیا تھا اور مقبوضہ کشمیر کے کئی شہروں پر کریک ڈاؤن کا سلسلہ جاری تھا۔

اس روز قدرے اطمینان حاصل ہونے پر کمانڈر شاہین بطور خاص عامر کی ملاقات کو آیا تھا۔

''عامر بھائی مجھے یہ اطلاع تم تک بڑے دکھ کے ساتھ پہنچانی پڑے گی کہ ہماری بہن آصفہ شہید ہو چکی ہیں۔''

بالآخر شاہین نے کہا۔

عامر نے جواب میں ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور شاہین کو چونکا کر رکھ دیا۔

''شاہین بھائی مجھے آصفہ کی شہادت کی خبر تیسرے ہی روز ہو گئی تھی.....اتفاق سے ہندوستان ٹائمز اخبار میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔''

مجاہدین عقیدت اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اس نے اپنی بہن کی شہادت کی خبر ملنے پر بھی کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا یہ اس کی عظمت کا ثبوت

تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ.....''

شاہین نے کچھ کہنا چاہا لیکن عامر نے اس کی بات معذرت سے کاٹ دی۔

''نہیں شاہین بھائی مجھے کوئی افسوس نہیں مجھے علم تھا یہی کچھ ہوگا۔ میرے گھر میں میرے جیسی صرف وہی تھی۔ ظاہر ہے اسے اسی انجام سے دوچار ہونا تھا۔ مجھے بزدل دشمن کی کمینگی پر کبھی کوئی غلط فہمی نہیں رہی ہاں ایک بات پر فخر ضرور ہے کہ میری شہید بہن نے بے غیرتی کی بجائے غیرت کی موت قبول کر لی.....وہ اتنی بہادر تو نہیں تھی البتہ بچپن سے ہم سب سے الگ ضرور تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ نے اسے کسی بڑے انعام کے لئے پہلے ہی سے منتخب کر لیا تھا.....''

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''دعا کیجئے۔''

ایک مجاہد جس کے جذبات بے قابو ہوئے جا رہے تھے نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سب نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

شاہین نے آنسو بھری آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ قرآن کی ان آیات کی تلاوت کی جن کے ذریعے اللہ کی مشیت پر صاد کرنے والوں کو بڑے انعام کی خوشخبری سنائی گئی تھی اور بڑی دردمندی کے ساتھ آصفہ کے درجات کی بلندی کی دعا کی تھی۔

وہ سب جس رشتے میں بندھے تھے اس نے انہیں ایسی لڑی میں پرو دیا تھا جیسے تسبیح کے دانوں کے درمیان ہوتا ہے۔

ان سب کے دکھ اور سکھ سانجھے تھے۔

آصفہ کی موت صرف عامر کی بہن کی نہیں تمام مجاہدین کی بہن کی موت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ عامر نے کتنی عظیم قربانی دی ہے اس نے اپنی خاندانی روایات کے بالکل برعکس اپنی عیاشی کی زندگی کو تج کر یہ زندگی اختیار کی تھی۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں آصفہ کی قبر پر فاتحہ خانی کرنا چاہوں گا۔''

عامر نے اجازت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

شاہین نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

لیکن.....

اسے اکیلے جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

''دو مجاہد تمہارے ساتھ ہوں گے.....اور دہلی میں تمہارا قیام بھی ہماری ذمہ داری ہو گی۔''

کمانڈر شاہین نے اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورے کے بعد کہا۔

عامر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

❁❁❁

اگلے روز اپنے تبدیل شدہ حلیہ میں دہلی کی طرف عازم سفر تھے۔

تینوں نے براہمنوں کا روپ دھارا ہوا تھا اور الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ تینوں نے دہلی میں اگلے روز شام کے بعد ملاپ کرنا تھا۔

تینوں نے اپنے اپنے طریقے سے بخیریت اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر اگلے روز اکٹھے ہو گئے تھے۔ عامر کو اپنے خاندانی قبرستان کا علم تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کی بہن کی قبر بھی وہیں ہو گی۔ مجاہدین کو شک تھا کہ ''را'' نے قبرستان پر نظر رکھی ہو گی اور وہ بھی یہ سوچ رہے ہوں گے کہ عامر ضرور اپنی بہن کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے آئے گا۔

تینوں نے فیصلہ کیا تھا کہ پہلے ایک مجاہد قبرستان کی ''ریکی'' کر کے رپورٹ دے گا جس کے بعد ہی عامر وہاں جائے۔

اور.....

ایسے ہی ہوا۔

وہ تینوں اکٹھے ہی روانہ ہوئے تھے لیکن عامر ایک مجاہد کے ساتھ جس کے پاس پستول تھا۔ قبرستان سے کچھ فاصلے پر ایک محفوظ جگہ کھڑا رہا جب کہ تیسرا مجاہد رات کے اندھیرے میں قبرستان کا جائزہ لینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آ کر ''سب اچھا'' کی رپورٹ دے دی.....جس کے بعد عامر دونوں مجاہدین کے ساتھ اس طرف چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنی بہن کی قبر کے سرہانے کھڑا تھا۔

یہی تازہ قبر تھی اور خاندانی روایات کے مطابق اسے پکا کرنے کے بعد قبر کے سرہانے

سنگ مرمر کی تختی پر اس کا نام اور تاریخ وفات لکھی تھی۔ فرط جذبات سے بے قابو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خون روتی آنکھوں سے اپنی بہن کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی۔

اس نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اس کی موت کا بدلہ لینے کے بعد ہی اب دہلی سے واپس جائے گا اور وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کی بہن کو اغوا کرنے کی گھناؤنی کارروائی کس نے کی ہوگی۔

اس کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ ابھی جائے اور کم از کم ''را'' کے اس سیف ہاؤس کو تباہ کر دے جہاں اس کی بہن کو لے یا جا گیا تھا یا پھر جہاں لے جا کر اسے گمراہ کیا گیا تھا۔

لیکن.....

ایک پستول کی مدد سے وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

وہ جانتا تھا شاہین نے دو مجاہد اس کے ساتھ اس کی آخری دم تک حفاظت کے لئے لگائے ہیں اور ان کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔

قبرستان سے واپس لوٹتے ہوئے اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی نام آ رہا تھا اور وہ تھا انسپکٹر مونگیا۔

وہ جانتا تھا مونگیا کے جین سے پرانے مراسم ہیں اس نے متعدد مرتبہ مونگیا کی آنکھوں میں اپنے لئے بے پناہ نفرت محسوس کی تھی۔

لیکن.....

تب اس کے پاس ایسی باتوں کا نوٹس لینے کا وقت بھی نہیں تھا۔

''آپ لوگ اگر واپس لوٹ جائیں تو میں اپنے دل پر پڑا بوجھ اتار سکوں۔''

اس نے بالآخر اگلے روز اپنے ساتھیوں سے کہہ ہی دیا۔

''نہیں خالد بھائی.....ایسا کیسے ممکن ہے ہمارا مرنا جینا ایک ساتھ ہوگا۔ آپ کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ مرحومہ آپ کی ہی نہیں ہماری بھی بہن تھی اور ہمارے جذبات بھی وہی ہیں جو آپ کے ہیں۔''

انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

تینوں نے ایک محفوظ گھرانے میں قیام کیا ہوا تھا۔

یہ کسی ہندو کا گھر تھا جس کے ہاں وہ ایک بڑے بیوپاری کے رشتہ داروں کی حیثیت سے مقیم تھے۔ یہ ہندو بھی یہاں کا بڑا بیوپاری تھا جس کا سارا بزنس کشمیر سے ہی تھا اور اس نے اپنے مہمانوں کو خوش رکھنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

عامر کو یاد آیا ایک مرتبہ جب سکسینہ اس کے ساتھ کہیں جا رہا تھا تو اس نے انسپکٹر مونگیا کو بھی اس کے گھر تک لفٹ دی تھی اور اسے گھر کے سامنے ڈراپ کر کے آگے نکل گیا تھا۔ مونگیا نے سکسینہ اور عامر سے پرزور اصرار کیا تھا کہ وہ کم از کم ایک پ کافی ضرور اس کے گھر سے پی کر جائیں لیکن دونوں نے فی الوقت اس کی دعوت قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی اور اس معاملے کو کبھی آئندہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔

اب اسے بن بلائے مہمان کی حیثیت سے مونگیا کے گھر جانا تھا۔

کافی کا کپ نہیں اس کا خون پینے کے لئے۔

اسے بتانے کے لئے کہ اگر غیرت زندہ ہو تو اپنے دشمنوں کو آہنی قلعوں میں بھی محفوظ نہیں رہنے دیتی۔

اگر ایمان سلامت ہو تو واقعی مومن بے تیغ بھی لڑ سکتا ہے۔

کیا ہوا اس کے پاس دنیاوی ہتھیار نہیں تھے۔ اس میں مونگیا کو برتری حاصل تھی لیکن اس کے ہاتھ میں غیرت ایمانی کی جو شمشیر آبدار آ گئی تھی اس کی کاٹ کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

❁❁❁

آصفہ کی موت کے بعد سے فریدہ خود کو بالکل غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی۔

عامر کی روانگی اور اس کی غیر موجودگی میں آصفہ کی ایسی بہیمانہ موت نے فریدہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس کی جان کو ایک ہی روگ نے آ لیا تھا کہ کبھی زندگی میں وہ عامر کا سامنا بھی کر پائے گی؟

آخر اس نے پوچھ ہی لیا آصفہ کو کیسے قتل کیا گیا تو وہ کیا جواب دے گی؟ اسے کس طرح

سمجھائے گی کہ اس کی بہن کو محض اس جرم میں ایسی اذیت ناک موت سے دوچار ہونا پڑا کہ وہ اب صرف خان بہادر صاحب کی بیٹی نہیں رہی تھی بلکہ ایک مجاہد کی بہن بھی بن گئی تھی.....!!

ظالموں نے اسے ناکردہ گناہ کی کیسی سزا دی تھی۔

اور.....

اس کا خاندان.....لعنت تھی ان سب پر۔

کیا مجال جوانہوں نے اس مسئلے کا ذرہ برابر بھی نوٹس ہی لیا ہو۔

فریدہ کو یہ خطرہ لگ گیا تھا کہ جس طرح ''را'' والوں نے آصفہ کو اغوا کر لیا تھا اس طرح ممکن تھا کہ وہ یہی غلیظ حرکت اس کے ساتھ بھی کر گزریں۔

لیکن.....

جب بھی اسے کبھی یہ محسوس ہوا۔ کسی انجانی ان دیکھی طاقت نے اچانک اس کے اندر بے پناہ اعتماد پیدا کر کے اسے کہہ دیا کہ کم از کم اس کے ساتھ آصفہ والا سلوک ممکن نہیں۔

اس روز فریدہ اپنے بنگلے کے لان میں ٹہل رہی تھی۔

دہلی کی یہ مضافاتی بستی جس میں بڑے بڑے بنگلے بنے ہوئے تھے دن کے اوقات میں بھی رات کی طرح سنسان دکھائی دیتی تھی۔

جب سے عامر گیا تھا۔ فریدہ کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ صبح شام اپنے گھر کے پائیں باغ میں ٹہلتے ٹہلتے وہ دروازے تک جاتی اور سڑک پر ایک نظر ڈال کر واپس آ جایا کرتی تھی۔

اس عمل کا محرک شاید اس کے لاشعور میں چھپی یہ خواہش تھی کہ کسی روز اچانک اس طرح عامر اسے دکھائی دے جائے گا۔

عامر نے ابھی تک اسے براہ راست نہ کوئی خط لکھا تھا نہ ہی پیغام بھیجا تھا۔ اس نے آصفہ کو بھی ایک ہی خط پہنچایا تھا۔ آصفہ کی موت کے بعد سے فریدہ کی شدید خواہش رہی کہ کم از کم اسے عامر کا کوئی پیغام ہی مل جاتا۔

لیکن.....ایسا نہ ہوا۔

وہ سوچتی شاید عامر نے اپنی بہن کی موت کے بعد سے زیادہ محتاط رویہ اختیار کر لیا ہے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ خدانخواستہ فریدہ کا اس سے کوئی تعلق ظاہر ہو اور وہ بھی کسی مصیبت میں پھنس

ائے۔

آج اسے گئے چھ ماہ ہونے کو آ رہے تھے اور فریدہ بہت بے چین دکھائی دے رہی تھی کو کہ اپنی خاندانی روایات کے برعکس اسے بچپن ہی سے مذہب سے خاصا لگاؤ تھا لیکن اس کی نمازوں اور عبادات میں اتنی باقاعدگی کبھی نہیں آئی تھی جتنی عامر کے جانے کے بعد سے آ گئی تھی۔

آصفہ کی شہادت کے بعد سے تو وہ اپنے گھر والوں کے مصداق مصلے کی ہی ہو کر رہ گئی تھی۔

❁❁❁

اس وقت وہ لاشعوری طور پر ٹہلتی ہوئی اپنے گھر کے مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ جس کا بغلی دروازہ کھول کر وہ عموماً سڑک پر نظر ڈال لیا کرتی تھی۔ سڑک کے دونوں کنارے ایستادہ سرو کے درخت اسے بارش میں دھلنے کے بعد بہت خوبصورت دکھائی دیا کرتے تھے۔

معمول کے مطابق اس نے اپنے گھر کے چوکیدار سے دروازہ کھولنے کے لئے کہا اور خلاف معمول اسے آج سائیکل پر ڈاکیا اس طرف آتا دکھائی دیا.....

اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے اور سڑک معمول کے مطابق سنسان دکھائی دے رہی تھی ایک لمحے کے لئے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

لیکن.....

وہ اپنے گیٹ کے ساتھ اس طرح کھڑی ہوگئی کہ کسی بھی ہنگامی صورت حال میں فوراً اندر چلی جائے۔

ڈاکیے نے شاید اسے دیکھ لیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کا منتظر رہا ہو۔ اس نے سائیکل ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور پیدل چل رہا تھا۔ فریدہ کو دیکھ کر اس کی رفتار تیز ہوگئی۔ وہ سیدھا اس کی طرف آ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ فریدہ کسی فیصلے پر پہنچے وہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ابھی اس کے منہ سے ایک لفظ نکلا تھا جب فریدہ کو سارے معاملے کی سمجھ آ گئی۔ یہ اس پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی کہ اس کی چھٹی حس بہت تیز تھی۔

فریدہ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ عام قسم کا ڈاکیا نہیں ہے!

''فریدہ بہن.....اس خط پر بہت احتیاط سے عمل کرنا بہت احتیاط سے۔اگر آپ کو کسی بھی مرحلے پر معمولی شک گزرے تو فوراً گھر واپس لوٹ جائیں۔ابھی عامر بھائی کچھ روز دہلی میں رہیں گے۔''

اس نے تیزی سے اپنی بات مکمل کی اور اپنے سائیکل سے لٹکے تھیلے میں سے ایک خط نکال کر اسے تھما دیا۔فریدہ کے منہ سے صرف ''خدا حافظ'' ہی بمشکل نکل پایا تھا جب وہ سائیکل پر بیٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پلک جھپکتے میں فریدہ نے اس خط کو اس طرح مٹھی میں بند کر لیا تھا جیسے اگر اسے ہوا لگی تو وہ فاسفورس کی طرح جل جائے گا۔

اسے یاد آ گیا آصفہ نے بتایا تھا کہ اسے بھی اسی طرح اچانک عامر کی طرف سے خط ملا تھا اور خط دینے والا اس کی کوئی بات سنے بغیر غائب ہو گیا تھا۔

''خدا جانے یہ مجاہد جو اسے سائیکل پر ڈاکیے کے روپ میں ملنے آیا کب سے اس کی منتظر رہا ہو.....''

اس نے سوچا۔

خوشی سے بے قابو اور اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی اور اندر سے کنڈی بند کر کے خط کھول کر پڑھنے لگی۔

خط بڑا مختصر تھا.....عامر نے لکھا تھا۔

فریدہ!

بہت کہنے سننے کا وقت نہیں ہے۔ یہ خط اگر تم تک پہنچ جائے تو کل 15 تاریخ کو اتوار کے روز شام 6 بجے کے بعد کسی بھی وقت اسی حلیم والے کی دکان پر پہنچنے کی کوشش کرنا جہاں آخری مرتبہ ہم دونوں نے اکٹھے حلیم کھائی تھی.....اپنے تعاقب سے بہت ہوشیار رہنا.....گو کہ اس کا امکان کم ہے لیکن ایسا ممکن بھی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

تمہارا

عامر خان

خط کے ایک ایک لفظ سے عامر کی شبیہہ جھلک رہی تھی۔اس نے فریدہ کو بڑا محفوظ پیغام دیا تھا۔اگرچہ شہر کے حلیم فروش کا نام بھی لکھا جا سکتا تھا اور جگہ بھی لیکن عامر نے شاید تمام ممکنہ خطرات کو ذہن میں رکھ کر یہ خط لکھا تھا۔

فریدہ نے خط کو متعدد مرتبہ چوم کر اپنے گالوں سے لگایا۔

اور.....

دوسرے ہی لمحے وہ ذہنی طور پر خود کو آنے والے کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر چکی تھی۔اس نے خود کو اس روز سے عامر کے لئے وقف کر دیا تھا جس روز عامر ایک گمراہ جوان سے مجاہد بنا تھا۔وہ تو کب سے اس موقعہ کی منتظر تھی کہ عامر کی طرف سے کوئی پیغام آئے وہ اڑ کر اس کے پاس پہنچے۔

اس کی شدید خواہش تھی کہ مجاہدین کے شانہ بشانہ کشمیر کی بیٹیوں کی طرح جہاد میں عملی ولیت کرے وہ چاہتی تھی عامر اکیلا نہ رہے.....

اور وہ وقت آ گیا تھا۔

اگلے روز اس نے اپنی والدہ کے نام ایک خط میں تمام حالات لکھے اور ان کے لئے خط وڑ کر اپنی جمع پونجی لے کر چپ چاپ گھر سے باہر آ گئی۔

اتوار کی شام ہونے کی وجہ سے اس کے گھر والے سب مصروف تھے۔

وہاں ایسی کسی شام کو گھر میں بیٹھ کر ضائع نہیں کیا جاتا تھا.....دل ہی دل میں قرآنی ت کا ورد کرتی فریدہ جس نے بالکل ہندو لڑکیوں کی طرح ساڑھی پہن کر ماتھے پر بڑا سا تلک لگا تھا۔اپنے بدلے ہوئے بھیس میں محفوظ راستوں سے ہوتی ہوئی وہاں پہنچ گئی جہاں اسے عامر ،آنے کے لئے کہا تھا۔

❁❁❁

حاجی حلیم والے کی دکان کے باہر موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کی قطاریں لگی رہتی تھیں۔وہ نا سے کچھ فاصلے پر ہی رکشہ سے اتر گئی۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ عامر کو کہاں اور کیسے تلاش کرے جب اسے ایک نوجوان طرف بڑھتا دکھائی دیا جو چال ڈھال سے بگڑا ہوا کوئی ہندو زادہ لگ رہا تھا۔

اگر وہ بہت قریب آ کر اسے مخاطب نہ کرتا تو شاید فریدہ اسے پہچان ہی نہ پاتی۔

''فریدہ.....''

اس کے کانوں میں جلترنگ بجی اور دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو گئیں۔

''عامر.....''

بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

اور وہ پلٹ کر بے قابو ہو کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

''ہوش کرو فریدہ.....خود کو سنبھالو۔''

عامر نے کہا اور اسے آہستگی سے خود سے الگ کر دیا۔

فریدہ کی آنکھیں بے اختیار چھلک پڑی تھیں۔اس کے لئے خود پر قابو پانا ممکن نہیں رہا تھا وہ عامر سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

لیکن.....کہہ نہ پائی۔

عامر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ٹہلنے کے انداز میں ایک کونے میں کھڑی ٹیکسی کی طرف چل دیا۔جس کی اگلی سیٹ پر وہی نوجوان بیٹھا تھا جس نے ڈاکیے کے روپ میں اسے پیغام پہنچایا تھا۔

اس نے فریدہ کی شکل دیکھتے ہی اسے سلام کرتے ہوئے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

دونوں پیچھے بیٹھ گئے۔

اس کے ساتھ ہی سکھ ٹیکسی ڈرائیور بھی آ گیا جس نے فریدہ کو بالکل اپنوں کے انداز میں آداب کیا اور گاڑی چل دی۔

''آٹھ بجے تک اسے گھماتے رہو۔''

عامر نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھ کر ڈرائیور سے کہا۔

''چنگا ویر جی۔''

سکھ ڈرائیور نے گردن موڑے بغیر جواب دیا۔

''کیسی ہو فریدہ۔''

جیسے ہی عامر کے منہ سے یہ الفاظ نکلے وہ اس کے کندھے سے لگ کر بچوں کی طرح

سسک پڑی۔

عامر حیرت انگیز طور پر صبر و رضا کا پیکر بنا اسے تسلیاں دینے لگا۔

''صبر کرو فریدہ.....وہ میری جان سے عزیز بہن تھی۔ایک وہی تو تھی اور اس گھر میں میرا کون ہے.....لیکن اللہ کو یہی منظور تھا۔فریدہ وہ خوش قسمت تھی جسے اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے نوازنے کے لئے بہت جلد منتخب کر لیا.....ہم ابھی.....''

اس کا گلا رندھ گیا۔

لیکن.....

حیرت انگیز طور پر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

دونوں ٹیکسی میں ہی باتیں کرتے رہے.....فریدہ نے اسے آصفہ کے ایک ایک لمحے کی کہانی سنائی۔عامر نے اسے مختصر بتایا کہ اس کا یہ وقت کیسا گزرا ہے۔

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے فریدہ..... 9.00 بجے والی ٹرین سے تمہیں طاہر بھائی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔جس جگہ تم جا رہی ہو اس کے متعلق میں تو نہیں کہہ رہا کہ وہ کوئی آزاد ملک ہے۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہاں آزادی کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔شاہین بھائی سے تمہارا تعارف ہے۔تم وہاں رہو گی۔میرا مشن آج مکمل ہو گیا تو اگلے چند روز میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا.....لیکن یہ مدت طویل بھی ہو سکتی ہے۔تم جہاں جا رہی ہو اس زمین پر کسی مسلمان لڑکی کے لئے اس سے زیادہ محفوظ علاقہ اور کوئی نہیں۔میری ایک درخواست ہے کہ اگر تم نے واقعی مجھے معاف کر دیا ہے تو مجھ سے زیادہ دوسرے مجاہدوں کی فکر کرنا۔ہماری زندگیاں اب سے پہلے تک ضرور اپنے نفس تک محدود تھیں لیکن اب نہیں.....اب ہم سب ایک عظیم مقصد کے لئے خود کو وقف کر چکے ہیں۔مجھے دیر ہو جائے تو گھبرانا نہیں.....میرا انتظار کرنا۔میں ضرور آؤں گا.....انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔

اس نے بڑے یقین سے کہا تھا۔

فریدہ کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقعہ ہی نہیں مل سکا تھا۔

وقت تیزی سے گزر گیا۔

بالآخر وہ گھڑیاں آ گئیں جب انہیں جدا ہونا تھا۔

عامر نے اسے دہلی میں اپنے قیام کے مقصد اور مشن سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ خود کو ذہنی طور پر مجاہد تنظیم کا حصہ بتانے کے بعد فریدہ نے اس کی خواہش بھی نہیں کی تھی نہ ہی زیادہ تجسس کا اظہار کیا تھا۔ عامر کو دل و دماغ سے اپنا مجازی خدا تسلیم کرنے کے بعد اب اسے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی تھی۔ یہی اس کا مقصد حیات رہ گیا تھا۔

دم رخصت انہوں نے ایک دوسرے کو دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا۔

وہی مجاہد جس کا نام طاہر بتایا گیا تھا اس کا ہمسفر تھا۔ دونوں نے سری نگر تک کا سفر بغیر کسی الجھن اور رکاوٹ کے راستے میں دو تین جگہ رکنے کے بعد طے کر لیا تھا..... تین روز بعد وہ محفوظ راستوں سے سفر کرتے سری نگر پہنچے تھے جہاں کمانڈر شاہین بے چینی سے ان کا منتظر تھا۔

مجاہدین نے اپنے ایک مجاہد کی منگیتر کے لئے اپنے دیدہ دل فرش راہ کر دیئے تھے۔ اگلے دو دن کے بعد فریدہ کو انہوں نے سوپور کے ایک گھرانے میں اس گھر کے فرد کی حیثیت سے پہنچا دیا تھا۔

یہاں اس کے لئے ماں، بہن اور باپ موجود تھے۔

لیکن.....

کوئی بھائی نہیں تھا۔

اس گھر کے چاروں بیٹے اللہ کی راہ میں جام شہادت گذشتہ دو سال میں یکے بعد دیگرے نوش کر چکے تھے اور آج یہ گھر سوپور کے باسیوں کے لئے مرجع خلائق بن گیا تھا۔ اس گھر کو لوگ خانقاہ سے زیادہ عقیدت و احترام دیتے تھے یہاں کے مکینوں کو انہوں نے ولیوں کا درجہ دے رکھا تھا اور اس گھر کی حفاظت کے لئے وہ سب ایک اشارے پر کٹ مرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

فریدہ کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ دراصل اس کا اصلی گھر یہی ہے۔ دہلی کے جس عالیشان مکان میں اس نے زندگی کے بیس بائیس سال گزارے تھے وہ تو ایک ہوٹل تھا..... شاندار فائیو سٹار ہوٹل.....!!

اسے گھر نہیں کہا جا سکتا تھا۔

❁❁❁

فریدہ کو گاڑی میں سوار کروانے کے دو گھنٹے بعد وہ اپنے دوسرے مجاہد ساتھی کے ساتھ پاپوش نگر کی اس سرکاری کالونی میں موجود تھا جس کے پہلے بلاک کے آخری گھر میں انسپکٹر مونگیا سنڈے نائٹ منانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جب موت کے فرشتے بن کر دونوں کمرے میں داخل ہو گئے۔

اس کے لئے انہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ یہاں ماضی میں کبھی چوری کی بھی کوئی واردات نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہاں سکیورٹی کا نظام برائے نام تھا اور اتوار کی چھٹی کی وجہ سے کوئی چوکیدار بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

مونگیا اپنے ڈرائنگ روم میں ''را'' کی ایک نو وارد انسپکٹر کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی تیاریاں کر رہا تھا جب عامر پستول تانے اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی مونگیا کا نشہ ہرن ہو گیا۔

''تم''.....

اس کا منہ ہونقوں کی طرح کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں..... میں..... تمہاری موت۔ اپنی بہن کا انتقام۔ حرام زادے تو نے کیا سمجھ لیا تھا کہ ہم اتنے ہی بے بس ہو گئے ہیں۔ تو اتنا مطمئن کیسے رہا۔ تجھے علم نہیں تھا کہ میں ابھی زندہ ہوں۔''

اس نے شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو..... ہمارا قصور نہیں..... یہ سب سکسینہ صاحب کا کیا دھرا ہے۔ میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو سکسینہ.....''

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب عامر نے اس کے پیٹ میں اتنی قوت سے لات ماری کہ مونگیا دہرا ہو گیا۔

وہاں موجود لڑکی نے ہسٹریائی انداز میں چیخ ماری تھی۔

''عامر بھائی۔ وقت کم ہے۔''

مجاہد ساتھی نے اچانک ہی سامنے دیوار سے لگے کلاک کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اسے سنبھالو.....''

عامر نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

دوسرے ہی لمحے مجاہد نے اسے اس طرح دھمکایا کہ لڑکی سہم کر چپ ہوگئی۔

''میں جانتا ہوں تم ''را'' کی آفیسر ہو لیکن تم بہر حال عورت ہو اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میں کبھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا..... یہ ہمارا اور اس کا معاملہ ہے..... تم اس پھڈے میں نہ پڑو..... چپ چاپ تماشا دیکھو اور ہمارے جانے کے بعد سکینہ سے کہہ دینا کہ عامر نے اپنی بہن کی موت اور بے حرمتی کا انتقام لے لیا..... اگر اس میں ہمت ہے تو میرا کچھ بگاڑ کر دکھا دے.....''

عامر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

جس کے ساتھ ہی مجاہد نے اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں وہیں موجود کپڑوں سے باندھ دیئے۔ عامر اب مونگیا کو پستول کی نوک پر دھکیلتا کمرے کے کونے میں لے آیا تھا۔

''تمہیں مجاہدین کو اپنے ہاتھ سے مارنے کا بہت شوق تھا..... تم نے اپنی زندگی میں درجنوں بے گناہوں کے جسم کی ہڈیاں توڑیں انہیں موت کی نیند سلایا ہوگا..... ان پر ہر غیر انسانی حربہ آزمایا ہوگا..... لیکن آج تمہیں جو موت ملے گی وہ تمہاری آنے والی نسلوں کو بھی سبق سکھا دے گی..... مونگیا میں تمہاری زندگی میں تمہارا کریا کرم کر دوں گا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا جس نے دو تین منٹ ہی میں اس کے ہاتھ پاؤں لڑکی کی طرح باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا۔

مونگیا پہلے تو اسے گالیاں دیتا رہا۔

پھر منت سماجت پر اتر آیا۔

جب اس کمرے میں موجود شراب کی تمام بوتلیں ایک ایک کر کے عامر نے اس پر انڈیل دیں تو مونگیا نے بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

''بزدل.....''

عامر نے نفرت سے کہا۔

اس نے میز کے کونے میں دھری سگریٹ کی ڈبیا کے نزدیک پڑی ماچس اٹھا کر اور چند قدم پرے ہٹ کر اس پر جلتی ہوئی تیلی پھینک دی۔

''بھک'' کی آواز کے ساتھ مونگیا کا جسم اس کی جمع کردہ شراب میں مٹی کے تیل کی طرح جلنے لگا۔

لڑکی پر دورہ پڑ چکا تھا۔

عامر نے اسے گھسیٹ کر دوسرے کمرے میں پھینکا اور دونوں باہر نکل آئے۔

❁❁❁

شاید وہ محفوظ ہی رہتے.....

لیکن.....

ان کی بدقسمتی کہ ہمسائے کے گھر میں موجود ایک عورت نے لڑکی کے چیخنے کی آوازیں سن کر ایمرجنسی نمبر گھما دیا۔

کالونی کے بالکل نزدیک گشت کرتی ایک پولیس پیٹرول نے فوراً کالونی کے گیٹ کی طرف رش کیا جہاں دونوں اطمینان سے باہر نکل رہے تھے۔

اچانک ہی پولیس جب ان کے سامنے آئی اور انہیں رکنے کا اشارہ کیا.....

''نصیب بھائی تم بھاگ جاؤ..... میں انہیں روکتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عامر نے جیپ کی طرف فائر کر دیا۔

اس کا مجاہد ساتھی نہتا تھا..... آخری لمحے تک اس نے عامر کے ساتھ رہنا چاہا لیکن بادل نخواستہ بھاگنے پر مجبور ہوا۔

عامر کے پستول میں جتنی گولیاں تھیں وہ ایک ایک کر کے ختم ہوگئیں۔

لیکن.....

اس دوران اس نے پولیس کو پندرہ بیس منٹ تک روکے رکھا اور نصیب کو بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔

عامر گرفتار ہوگیا.....!

اس کی گرفتاری کی خبر بھی مونگیا کی ادھ جلی لاش کے ساتھ اخبارات میں شائع ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی آصفہ کی موت کی کہانی پھر زندہ ہوگئی۔

دو ماہ تک اس کی تفتیش ہوتی رہی۔

انسانی گمان میں آنے والا ہر ظلم اس پر توڑا گیا لیکن وہ ایک ہی بات پر اڑا رہا کہ اس نے انسپکٹر مس جین کو شراب کے نشے میں بے قابو ہو کر گولی ماردی تھی۔ دونوں مذاق کر رہے تھے جس دوران غلطی سے گولی چل گئی اور اسے بھاگ کر مجاہدین کے پاس پناہ لینا پڑی۔

مونگیا کا قتل اس نے انتقاماً کیا تھا اور.....

وہ اب بھی ''را'' کے لئے کام کرنے پر تیار ہے..... اسے مجاہدین میں ''وائز گائی'' بنا کر چھوڑ دیا جائے تو وہ خلاف توقع شاندار نتائج دینے کے لئے تیار ہے۔

عامر کی بات پر کسی نے یقین نہیں کیا۔

لیکن.....

اس کی ماں کے بے پناہ دباؤ اس کا باپ اور سارا خاندان اس کی مدد کے لئے میدان میں آ چکا تھا۔ ان لوگوں کے بے پناہ اثر ورسوخ نے کرنل بھاٹیہ کو ضرور گڑبڑا دیا اور اس نے ایک دن سکسینہ سے کہہ دیا کہ آخر اسے ایک موقعہ دینے میں کیا حرج ہے۔ جب خان بہادر کی ساری فیملی گارنٹی دے رہی ہے۔

''سر! وہ بڑا خطرناک ہے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ بھگوان کے لئے اس کی کسی بات پر یقین نہ کیجئے..... کسی بات پر..... وہ کسی بھی لمحے کچھ بھی کر سکتا ہے..... کچھ بھی.....''

سکسینہ نے زچ ہو کر کہا۔

''را'' کی اعلیٰ کمان نے اس کے کیس پر غور کرنے کے بعد اسے فی الوقت جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ لوگ در پردہ اس کی سرگرمیاں واچ کرنے کے بعد اس کے متعلق کچھ فیصلہ کرنا چاہتے تھے جب قدرت نے اسے ایک بار پھر جوگا سنگھ کی مدد سے فرار ہونے کا موقعہ دے دیا۔

باب 16

جوگا سنگھ اور اس کے دونوں ساتھی بڑے انہماک سے اس کی کہانی سن رہے تھے۔ عامر نے انہیں لگی پٹی رکھے بغیر بتا دیا تھا کہ اس نے سرحد پار سے متعلق جھوٹ بولا تھا اور اس کی اصلیت تو یہ ہے جو اس نے بتا دی۔

عامر کی سچی اور کھری باتوں نے ان سب کو بہت متاثر کیا تھا۔

''اگر تم کہو تو ہم تمہیں اپنی حفاظت میں شاہین تک پہنچا سکتے ہیں۔''

جوگا سنگھ اس کی کہانی سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

''نہیں جوگا سنگھ ابھی نہیں..... جب تک میں اس احسان کا کسی حد تک ہی سہی قرض نہ چکا دوں میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

عامر نے بڑی مضبوطی سے کہا۔

''عامر میاں ہم نے کوئی احسان نہیں کیا۔ ہم سب ایک منزل کے مسافر ہیں۔ آزادی کی منزل کے مسافر۔ اگر ہم سب اکٹھے ہو جائیں تو تین فیصد براہمن اس خبر سے ہی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر بھاگ جائیں گے..... افسوس وسائل نہ ہونے کے سبب ہم ایک جگہ اکٹھے بھی نہیں ہو سکتے..... ہم نے تمہاری نہیں اپنی مدد کی ہے۔ تم جب اپنے مجاہدین کی صفوں میں واپس جاؤ گے تو

زیادہ قوت سے دشمن کے خلاف سرگرم عمل ہو گے۔ اگر دشمن پر ضرب لگے گی وہ کمزور ہو گا تو ہم سب کی فتح ہو گی ہم سب جو گذشتہ کئی سالوں سے براہمن کے غلاموں کی سی زندگی جی رہے تھے..... اگر تم ہماری کچھ مدد کر سکو تو ہمیں اپنا فن سکھا دو.....''

دلباغ سنگھ نے جواب تک خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا کہا۔

''دلباغ سنگھ یہ میرا فن نہیں۔ یہ تو قدرت کی ہم سب پر کرم فرمائی ہے۔ اس ایس پی تیاگی نے جموں کے مسلمانوں پر جو ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ میں اس سے وہ حساب بھی بے باق کروں گا۔''

عامر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد تینوں تیاگی کو سبق سکھانے کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے۔ عامر نے تفصیلاً اس کی مصروفیات سے متعلق جزئیات دریافت کی تھیں اور دلباغ سنگھ نے اپنے علم کی حد تک تمام تفصیلات اسے منتقل کر دی تھیں اور بتایا تھا کہ صبح سے شام تک اس کے ممکنہ مشاغل کیا کیا ہو سکتے ہیں۔

عامر نے زمین پر کاغذ بچھا کر تیاگی کے گھر سے دفتر تک اس کی ممکنہ آمد و رفت کا نقشہ بنایا اور دلباغ سنگھ کی جمع کردہ معلومات کے مطابق اس پر ممکنہ کارروائی کے نشانات لگاتا گیا۔

دو گھنٹے تک تینوں سکیورٹی سے اپنی ممکنہ کارروائی پر بحث کرتے رہے۔ حوالدار جوگا سنگھ خود کمانڈو تھا اور ماضی میں اپنی سروس کے آغاز پر بنگلہ دیش میں بڑے کارنامے انجام دے چکا تھا۔ اسے تاملوں کی سرکوبی کے لئے سری لنکا جانے والی فوج میں بطور خاص بھیجا گیا تھا۔

لیکن.....

عامر خان نے جس عقلمندی اور پیشہ وارانہ مہارت کا مظاہرہ کیا تھا اس پر وہ واقعی دنگ رہ گیا۔

اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ عامر وہی ہے جو اس نے بتایا؟

دلباغ سنگھ کی طرح اسے ابھی تک شک تھا کہ عامر خان اپنی شناخت چھپا رہا ہے اور وہ ضرور پاکستانی انٹیلی جنس کا کوئی اعلیٰ افسر رہا ہو گا۔ پھر اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ اگر یہ بات سچ بھی ہے تو اس کے حق میں جاتی ہے۔ ایک انٹیلی جنس آفیسر ہونے کے ناطے اسے

آخری لمحات تک اپنی شناخت چھپا کر ہی کام کرنا چاہئے۔

بہر حال وہ ان کا دوست تھا.....

اس پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔

مستقبل میں اس کی مدد سے وہ کشمیری مجاہدین سے مضبوط رشتہ استوار کر سکتے تھے۔ انہیں امید تھی کہ اگر کشمیری مجاہدین ہی سکھ حریت پسندوں کے ساتھ تعاون کریں تو دونوں اپنی منزل مراد پا سکتے ہیں۔

انفرادی سطح پر یہ رشتے قائم بھی تھے۔

کچھ سکھ ''جتھے بندیاں'' مجاہدین کے تعاون سے جنگ لڑ رہی تھیں۔

لیکن.....

جب تک اجتماعی سطح پر کوئی مضبوط رشتہ قائم نہ ہو جدوجہد بار آور ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ دلباغ سنگھ کا ایک ہی خواب تھا کہ کسی بھی طرح بھارتی سامراج کے خلاف سرگرم عمل تمام آزادی پسند تحریکیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں۔

لیکن.....

اس خواب کی تکمیل بظاہر ممکن نہیں تھی۔

ہر تحریک آزادی میں ''را'' نے اپنے ایجنٹ بڑی کامیابی سے داخل کئے ہوئے تھے اور وہ کبھی اس منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیتے۔ خصوصاً پنجاب میں تو ''را'' نے بڑی کامیابی سے سکھوں کو ایک سے دو اور دو سے چار کرتے ہوئے دس بارہ گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اب ان گروپوں کو ایک دوسرے سے بھی ٹکرانے لگے تھے۔

یہ بڑی خطرناک اور کامیاب حکمت عملی تھی۔ ''را'' نے پنجاب میں سکھوں کی طاقت کو منتشر کر کے ان کے درمیان ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دی تھیں جن کے بعد اب وہ آرام سے بانہیں سرہانے دھر کر سو سکتے تھے۔

اور.....

اب اس حکمت عملی کو وہ مقبوضہ کشمیر میں دھرانے جا رہے تھے.....!!

ان حالات میں عامر ان کے لئے روشنی کی ایک ایسی کرن ثابت ہو سکتا تھا جس کی مدد

سے وہ اپنی زندگی کے اندھیروں میں موم بتی کی لو کی حد تک ہی روشنی کر سکتے تھے۔

❁❁❁

تیاگی سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

اس نے جوگا سنگھ کے ہر اس رشتہ دار کو گرفتار کر لیا تھا جس سے کسی بھی مدد کی امید تھی لیکن یہ سب وہ لوگ تھے جنہیں کسی بات کا علم نہیں تھا۔ جوگا سنگھ کا بھائی اور بہن اور بہنوئی اس کے قابو نہیں آ سکتے تھے انہوں نے قانونی طور پر خود کو بہت پہلے ہی سے محفوظ کر لیا تھا..... جوگا سنگھ کی بہن اور بہنوئی تو زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان کھا گیا تھا۔ ان کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جہاں تک اس کے بھائی کا تعلق تھا سارا گاؤں اس کے پیچھے تھا اور سب سے بڑی مصیبت علاقے کا تھانیدار ولا ور سنگھ جس کو ایس پی تیاگی نے ہر طرح دھمکیاں دے کر منوانے کی کوشش کی تھی کہ یہ مقدمہ جو اس نے درج کیا جعلی ہے۔

لیکن.....

کیا مجال جو وہ ٹس سے مس بھی ہوا ہو۔

اس نے ایک ہی رٹ لگائے رکھی کہ مقدمہ بالکل ٹھیک ہے اور جوگا سنگھ کے فرار سے ایک روز پہلے ہی اس کے بھائی کا جھگڑا بازار میں ہوا جس کے چار عینی شاہد موجود تھے اور اس نے دونوں کو 7/51 تعزیرات ہند کے تحت حوالات میں بند کر دیا تھا۔

فرار کے دوسرے روز دیہاتوں کے معززین کی کوششوں سے ان کے درمیان صلح ہوئی تھی اور کیس ختم ہو گیا۔

اس طرح یہ بات ثبوت کو پہنچتی تھی کہ جوگا سنگھ کا بھائی دو دن پولیس کی حراست میں رہا ہے۔ اس درمیان میں جوگا سنگھ فرار ہوا۔

اس کی بہن بہنوئی ''یاترا'' پر نکلے تھے اور گھر والوں کو علم نہیں تھا کہ ان کی واپسی کب ہو گی۔ مقامی ایم ایل اے کے علاوہ جو اکالی دل سے تعلق رکھتا تھا کانگرس کے لیڈر بھی ذیلداروں کی حمایت کے لئے آ گئے تھے اور ایس پی تیاگی کے لئے انہوں نے کوئی ناجائز ہتھکنڈہ استعمال کرنا ناممکن بنا دیا تھا۔

ان لوگوں نے ایس پی اور دلاور سنگھ کو جانے کیا کھلا دیا تھا کہ اسے ایس پی تیاگی کی

دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔

اس وقت وہ ''را'' کے ڈیٹ کمانڈر سکسینہ کے سامنے بیٹھا اپنی ناکامی کا اعتراف کر رہا تھا۔

''نو میٹر آفیسر..... تمہیں معذرت کی کوئی ضرورت نہیں میں اسے جانتا ہوں۔ یہ جوگا سنگھ وغیرہ کیا چیز ہیں۔ اس سارے پلان کے پیچھے اسی شیطان کا ذہن کام کر رہا ہے وہ بہت خطرناک ہے بہت خطرناک..... اوہ مائی گاڈ..... میں نے کہا تھا اسے جیوڈیشنل ریمانڈ پر نہ بھیجو لیکن کرنل.....''

اس نے کسی کرنل کو بڑی سی گالی دے کر خاموشی اختیار کر لی۔

''ایک بات تو طے سمجھئے مسٹر سکسینہ کہ اگر وہ میرے ہاتھ لگ گیا تو میں اسے ''آف دی ریکارڈ'' ہی آپ کو سونپ دوں گا..... اور یہ دہلی نہیں پنجاب ہے یہاں کوئی سالا خان بہادر کچھ نہیں کر سکتا۔ کاش آپ نے مجھے پہلے بتایا ہوتا میں جیل میں ہی اس کا کام کروا دیتا۔''

ایس پی تیاگی نے غصے میں کھولتے سکسینہ سے کہا۔

''ٹھیک ہے دوسرے کام کا کیا ہوا؟''

سکسینہ نے اگلی بات دریافت کی۔

''سکسینہ صاحب! اس علاقے میں کام کرنے والے تینوں گروپس میں ہمارے لوگ موجود ہیں اور میں ان کے ذریعے آپ کے حکم کے مطابق یہ بات ان گروپوں تک پہنچا دی ہے کہ جوگا سنگھ یا عامر خان کی اطلاع دینے والے کو اس کی شناخت ظاہر کئے بغیر سرکار پانچ لاکھ روپیہ انعام دے گی۔ اس لئے حکومت نے اشتہار نہیں چھپوایا تھا کہ وہ چوکس نہ ہو جائیں اور مخبر کے لئے بھی مسائل پیدا نہ ہوں..... مجھے امید ہے اس سلسلے میں کامیابی ضرور ہو گی.....''

تیاگی نے بتایا۔

سکسینہ نے اسے یہی تجویز دی تھی کہ اپنے لوگوں کے ذریعے تمام گروپس میں اس انعام کی تشہیر کروا دے تاکہ کوئی بھی لالچ میں آ کر اس کا پتہ بتا دے۔

''اور ہاں..... ممکن ہے آپ کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہو..... لیکن اگر ان کی موجودگی کی کوئی اطلاع ملے تو ہمیں ضرور مطلع کرنا..... ابھی تو میری بات آپ کو عجیب لگے گی

لیکن بعد میں شاید پچھتانے کا موقعہ بھی نہ مل سکے۔''

سکسینہ نے کہا تھا۔

تیاگی ذرا مختلف ٹمپرامنٹ کا آفیسر تھا۔

اس کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ ابھی سکسینہ کی تسلی کروا دے۔

لیکن..... مصلحتاً خاموش رہا کیونکہ ''را'' سے متھا لگا کر وہ اپنا سر نہیں پھوڑنا چاہتا تھا۔

دل ہی دل میں اس نے سکسینہ کو بے شمار گالیوں سے نوازتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور اپنے اردلی کی طرف متوجہ ہوا جو دروازے پر کھڑا اسے کسی اہم وائرلیس پیغام کی اطلاع دے رہا تھا۔

تیاگی نے سکسینہ کو ''جے ہند'' کہا اور باہر آ گیا۔

جیپ کے وائرلیس پر اس کا پی اے مخاطب تھا۔

''سر! کوئی بہت اہم اطلاع ہے لیکن دینے والا صرف آپ سے بات کرنے پر بضد ہے۔ اسے دفتر کے اس نمبر کا علم ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر آدھے گھنٹے میں اس کا پیغام آپ تک نہ پہنچا تو ہم سب کی چھٹی ہو جائے گی۔''

پی اے نے کہا۔

''رائٹ میں آ رہا ہوں۔''

تیاگی نے ریڈیو آف کر دیا اور ڈرائیور سے فوراً آفس پہنچنے کے لئے کہا۔ دس منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ ضرور یہ کوئی بڑی خوشخبری ہے ورنہ اطلاع دینے والا پیغام لکھوا سکتا تھا۔

پانچ منٹ مزید بے قراری سے کٹ گئے۔ بالآخر اس کے پی اے نے فون کی اطلاع دے دی۔

''ملاؤ''۔

اس نے حکم دیا۔

دوسری طرف سے کوئی کرمجیت سنگھ مخاطب تھا۔

''یس''۔

تیاگی نے بڑے رعب سے کہا۔

''آپ کو نابھ جیل کے مفروروں کی تلاش ہے۔''

دوسری طرف سے بڑے اطمینان سے کہا گیا۔

''تم کون ہو؟''

تیاگی نے بظاہر اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''تیاگی صاحب میں آپ کو اتنا وقت نہیں دوں گا کہ آپ میرا فون ٹریس کر لیں۔ مطلب کی بات کریں اس چکر میں نہ پڑیں کہ میں کون ہوں۔ صرف یہ دیکھیں کہ آپ کے لئے میرے پاس کیا ہے۔ میں آپ کو ان کا پتہ بتا سکتا ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ انعام کی رقم مجھے ملے گی۔ آپ تو جعلی پولیس مقابلوں میں بڑی شہرت رکھتے ہیں کہیں میری چھٹی ہی نہ کروا دیں.....''

دوسری طرف سے کہا گیا۔

''دیکھو..... مجھے صرف آم سے مطلب ہے تم کیا ضمانت چاہتے ہو۔''

تیاگی نے پوچھا۔

''اگر آپ اگلے دس منٹ میں مجھے تین لاکھ روپے دے دیں تو میں آپ کو ان کا ایڈریس بتا دوں گا۔''

دوسری طرف سے کہا گیا۔

''کیسی بے وقوفوں والی بات کر رہے ہو یہ کیسے ممکن ہے۔''

تیاگی نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں فون بند کرتا ہوں آپ سوچتے رہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

تیاگی نے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

لیکن.....

جلد ہی اسے عقل آ گئی۔

وہ بڑی بے وقوفی کر رہا تھا۔ یہ شخص جو کوئی بھی تھا براہ راست کسی اور ایجنسی سے ڈیل کر

سکتا تھا۔اس طرح وہ تو مارا جائے گا۔

گو کہ اس بات کے امکانات ففٹی ففٹی تھے کہ وہ اسے دھوکہ دے رہا ہو لیکن پچاس فیصد بات سچ بھی تو ہو سکتی تھی۔

اور.....

تھوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے یہ جوا کھیلنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔اس کی توقعات کے مطابق بمشکل چھ سات منٹ بعد ہی اس کا فون آ گیا۔

''لک مسٹر تیاگی مجھے علم ہے ہمارے باس سکسینہ صاحب یہاں موجود ہیں۔ میں ان کے پے رول پر ہوں لیکن اپنی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ سے ڈیل کر رہا ہوں حالانکہ یہ اطلاع میں براہ راست اپنے باس کو بھی دے سکتا تھا۔''

دوسری طرف سے اس کرم جیت سنگھ نے کہا۔

تیاگی کے چودہ طبق روشن ہو گئے واقعی دوسری طرف کوئی اہم شخصیت تھی۔شاید ''را'' کا کوئی سورس جو لالچ میں اس سے ڈیل کر رہا تھا اور یہ اس کا ''پلس پوائنٹ'' بھی تھا۔

''او کے.....لیکن تم جانتے ہو اتنا کیش میرے پاس دس منٹ میں نہیں آ سکتا۔تم ایک لاکھ روپیہ لے لو۔''

تیاگی نے اسے لالچ دیا۔

''نو سر! آپ کے اکاؤنٹینٹ کے پاس تنخواہوں کا کیش صبح پہنچ چکا ہے.....وہاں سے ادھار لے لیں.....اس مسئلے پر کوئی بات نہیں ہو گی۔''

دوسری طرف سے کورا جواب ملا۔

تیاگی نے اسے دل ہی دل میں بڑی سے گالی دے کر قسم کھائی کہ اپنا کام مکمل ہوتے ہی اسے مار ڈالے گا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

''ٹھیک ہے.....کہاں رقم لو گے.....

تیاگی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے ڈرائیور کو میں پہچانتا ہوں آپ اسے رقم کا تھیلا دے کر اپنے آفس سے باہر آنند مارگ کی طرف پیدل چلنے کا حکم دیں اور اسے ''کوڈ گولڈ فش'' بتا دیں.....میں یہی لفظ بول

کر اس سے تھیلا وصول کر لوں گا جس کے دس منٹ بعد آپ کو اطلاع مل جائے گی.....مجھے کہنا تو نہیں چاہئے لیکن آپ کوشش کریں کہ مجھے ڈاج نہ کریں کیونکہ میں بھی آپ کا ''بھائی بندہ'' ہوں بصورت دیگر کسی اور کے نمبر بن جائیں گے اور آپ منہ دیکھتے رہ جائیں گے.....پلیز احتیاط کیجئے۔''

دوسری طرف سے بولنے والے کے لہجے میں بھگوان جانے ایسی کیا بات تھی کہ تیاگی نے واقعی اپنا ارادہ بدل دیا۔

یوں بھی اس نے جو ٹارگٹ ٹائم دیا تھا اس میں کوئی ہنگامی کارروائی سے الٹے آنتیں گلے کو بھی آ سکتی تھیں۔

اس نے فی الوقت دونوں کی گرفتاری کی تمام قیمت چکانے کا فیصلہ کیا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بچھائی ہوئی بساط پر کوئی اور بازی جیت جائے۔

❁❁❁

اگلے پانچ منٹ کے بعد اس کا ڈرائیور اس کی ہدایات کے مطابق اس کے آفس سے باہر نکل رہا تھا ابھی اس نے پر رونق آنند مارگ روڈ کی دوسری سڑک ہی عبور کی تھی جب اچانک ایک نوجوان اس کے پیچھے چلتا اس کے قریب آیا۔

''گولڈ فش''۔

اس کے منہ سے نکلا اور اس سے پہلے کہ ڈرائیور کو جو اپنی دانست میں کوئی کارنامہ دکھانے کے چکر میں تھا کچھ سمجھ آئے اس نے ایک جھٹکے میں بیگ چھینا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہو گیا.....!

ڈرائیور نے جو پولیس کا حوالدار تھا اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر اس بھیڑ میں سو آدمی بھی سفید کپڑوں میں اس کی نگرانی کر رہے ہوتے تو جس تیزی سے وہ سامنے آیا اور غائب ہوا تھا اس کا کچھ نہ بگاڑ پاتے۔

اسے ایس پی آفس واپس پہنچنے میں بمشکل تین چار منٹ ہی ہوئے تھے۔جب وہاں کرمجیت سنگھ کا فون آ گیا۔

''شکریہ ایس پی صاحب آپ نے میرے ساتھ ایمانداری کی میں آپ کے ساتھ

ایمانداری کروں گا اور وہاں بونس میں آپ کو دو لاکھ روپیہ جو انعام کی رقم کا باقی بچتا ہے چھوڑ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے تیاگی کو سنگرور کے ایک مضافاتی علاقے کا ایک گھر کا ایڈریس سمجھایا اور فون بند کر دیا۔

تیاگی نے خود سارا ایڈریس نوٹ کیا تھا۔

دوسرے لمحے وہ مستعد تھا۔

اس نے فوراً گل سے رابطہ کیا اور اس کے آفس پہنچ گیا جو گذشتہ تین روز سے پٹیالہ میں قیام پذیر تھا۔

دونوں نے بڑی ہوشیاری سے سارا منصوبہ بنایا تھا اور شام کے بعد کا وقت آپریشن کے لئے منتخب کیا تھا۔

شام ڈھلنے تک انہوں نے ٹارگٹ ایریا میں بڑی خاموشی اور رازداری سے اپنے جوانوں کی اتنی نفری پھیلا دی تھی کہ وہ آسانی سے اس طرف آنے جانے والے تمام راستوں کو سیل کر سکتے تھے۔

❁❁❁

مقررہ وقت پر تیاگی خود ایک جیپ میں اپنے جوانوں کو کمان کرتا راج پورہ کی اس بستی کی طرف جا رہا تھا جس میں دونوں مفرور پناہ گزین تھے۔ اس کے جوانوں نے وائرلیس پر سگنل ملتے ہی بلیک کیٹس کمانڈوز کے ساتھ سارے علاقے کا محاصرہ کر کے اسے سیل کر دیا تھا۔ مطلوبہ مکان جو اس قصبے کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا کے گرد انہوں نے مکمل گھیرا ڈال لیا تھا۔

تیاگی اور اس کے کمانڈوز کو علم ہی نہیں تھا کہ یہاں عامر اور جوگا سنگھ میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔

یہ سارا منصوبہ عامر نے بنایا تھا۔ اس کی تیار کردہ بارودی سرنگیں چار مختلف مقامات پر ان لوگوں نے اس طرح بچھا دی تھیں کہ تیاگی کے بچنے کے امکانات ہی نہیں بچے تھے۔ وہ چاروں میں سے کسی ایک ٹریپ میں ضرور پھنستا۔

اور یہی ہوا.....

جیسے ہی اس نے پہلا ٹریپ کراس کیا کھیتوں کے وسیع سلسلے میں چھپے دلباغ سنگھ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کا بٹن دبا دیا۔

دھماکے کی زوردار آواز کے ساتھ ہی تیاگی کی جیپ فضا میں اچھلی اور زمین پر گرنے سے پہلے اس کے تمام سواروں کے پرخچے فضا میں بکھر گئے۔

اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین اور دھماکے ہوئے اور فضا میں اتنا گہرا دھواں پھیل گیا جس نے شام کے ملگجے اندھیرے کو رات کی تاریک سیاہی میں بدل دیا تھا۔ چیختے چلاتے پولیس کے زخمی کمانڈوز اور علاقے میں موجود سفید پوشوں نے گھبرا کر فائرنگ شروع کر دی۔

لیکن.....

وہ بھی جانتے تھے کہ یہاں اب ان کے لئے کچھ نہیں بچا۔

تیاگی کا جسم ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔ اس کے بچے کھچے کمانڈوز نے اپنی دانست میں بڑی پھرتی دکھائی اور "متبادل منصوبے" پر عمل کرنے کے لئے ٹارگٹ پر حملہ کیا جہاں کچھ بکریاں اور ایک گدھا ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

انہیں علم ہوا کہ یہ مکان تو گذشتہ دو ماہ سے خالی ہے اور کسان اسے جانوروں کے باڑے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔

❁❁❁

سکسینہ کو یہ خبر تیاگی کی موت کے بمشکل دس منٹ بعد مل گئی تھی۔

"اوہ گدھے..... میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ خطرہ مول نہ لینا..... ڈیم اٹ"۔

اس نے ٹیلی فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

عین ان لمحات میں جب دلباغ سنگھ راج پورہ کی حدود سے اطمینان سے باہر نکل آیا تھا اور پولیس کی ایمبولینس میں ایس پی تیاگی اور اس کے چار جوانوں کی لاشیں رکھی جا رہی تھیں۔ پنجاب کا ایک ٹرک بانہال کی سرنگ عبور کر رہا تھا جس میں وہ اشیائے خوردونوش لدی تھیں جو پنجاب سے سری نگر جایا کرتی تھیں۔

بیوپاریوں کے روپ میں عامر خان اور جوگا سنگھ دو ہندو آڑھتیوں رام پرکاش اور ادم پرکاش کے نام سے ٹرک میں موجود تھے..... اس ٹرک میں ان تین لاکھ روپوں میں سے ایک لاکھ

روپے کی چیزیں موجود تھیں جو عامر نے مرنے سے پہلے ایس پی تیاگی سے جان پر کھیل کر ہتھیائے تھے۔

''یہ رقم کشمیر اور پنجاب کے حریت پسندوں نے آپس میں تقسیم کر لی تھیں۔ اس مرتبہ سری نگر پہنچ کر عامر نے شاہین سے رابطے کے لئے جو ''رابطہ'' استعمال کیا وہ بالکل محفوظ تھا۔

ان کا ٹرک شام ڈھلے سری نگر پہنچا اور رات کے پہلے پہر وہ دونوں شاہین کے پاس موجود تھے۔ تیاگی کی ہلاکت کی اطلاع ان کی آمد سے پہلے یہاں پہنچ چکی تھی۔ جوگا سنگھ اور کمانڈو شاہین جب براہمن سامراج سے نمٹنے کی مشترکہ حکمت عملی تیار کر رہے تھے تو حفیظ اپنے دیرینہ ساتھی عامر کے ساتھ سوپور کی طرف گامزن تھا جہاں فریدہ اپنے محبوب اپنے مجاہد اور بے کس مسلمانوں کے لئے امید کا پیغام بننے والے عامر خان کے لئے دیدہ دل فرش راہ کئے اس کی منتظر تھی۔